علی گڑھ تحریک

اور

قومی نظمیں

مرتبہ

سید الطاف علی بریلوی بی۔ اے (علیگ)

و

پروفیسر محمد ایوب قادری ایم۔ اے

اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی

سنہ ۱۹۷۰ء

ناشر

ڈائریکٹر اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

سعیدہ منزل، متصل سرسید گرلس کالج ناظم آباد، کراچی ۱۸

طبع اوّل

تعداد .... ایک ہزار

قیمت .... بارہ روپے

مطبوعہ

ایجوکیشنل پریس پاکستان چوک کراچی

۱۹۷۰ء

کتابت سید کوثر علی خوشنویس

انتساب

ہر زمانہ میں اپنی گرانقدر خدمات کے باعث کچھ منفرد شخصیتیں ہوتی ہیں جن سے ظاہری رسم و راہ گو برائے نام ہوتی ہے لیکن اُن کی پُر کار زندگی کا دل پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ ایسی ہی ایک مایۂ ناز ہستی ہمارے ملک میں

جناب حکیم محمد سعید صاحب (ستارۂ پاکستان)

کی ہے جو نہ صرف صحیح معنیٰ میں ہمدردِ ملت ہیں بلکہ اُن کی بلند پایہ علمی و ادبی خدمات کا دائرہ بھی حد درجہ وسیع ہے۔ حکیم صاحب کی اسی عظمتِ کردار کے اعتراف میں آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی شائع کردہ یہ شاہکار کتاب "علی گڑھ تحریک اور قومی نظمیں" موصوف کے نامِ نامی پر معنون کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے

خدائے بزرگ و برتر سے دعا ہے کہ ہمارے ممدوح کی ہر دل عزیز اور سدا بہار شخصیت کی طرح یہ کتاب بھی قبولِ عام کی سند حاصل کرے۔ آمین!

کراچی ۱۰ راگست ۱۹۷۰ء

ارتضیٰ علی بیلوی

فہرست مضامین

تیسرا سالانہ اجلاس آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ لاہور ۱۸۸۸ء

بصدارت سردار محمد حیات خاں صفحہ ۳۵

(ا) مولوی عبدالمجید لاہوری ۳۷

(ب) علامہ شبلی ۳۸

(ج) احمد علی شوق ۴۰

چوتھا اجلاس منعقدہ علی گڑھ ۱۸۸۹ء

۴۲

بصدارت سردار محمد حیات خاں

(ا) مولانا حالی ۴۳

(ب) علامہ شبلی ۵۱

(ج) آغا کمال الدین سنجر طہرانی ۵۵

(د) مولوی عبداللہ فخری ۵۹

(ہ) ارتضیٰ علی شرر ۶۱

(و) فضل حق آزاد عظیم آبادی ۶۵

(ز) مولوی عبدالمجید لاہوری ۷۱

(ح) احسان علی خاں شاہجہانپوری ۷۳

پانچواں اجلاس منعقدہ الہ آباد ۱۸۹۰ء

۷۸

بصدارت سردار محمد حیات خاں

(ا) جسٹس سید محمود ۸۱

(ب) آغا کمال الدین سنجر — صفحہ ۸۱

چھٹا اجلاس منعقدہ علی گڑھ ۱۸۹۱ء — ۸۷

بصدارت نواب محمد اسحاق خاں

(ا) مولانا حالی — ۹۰

ساتواں اجلاس منعقدہ دہلی ۱۸۹۲ء — ۹۲

بصدارت مولوی حشمت اللہ، ایم۔ اے

(ا) منشی سراج الدین — ۹۴

(ب) علامہ شبلی — ۹۶

آٹھواں اجلاس منعقدہ علی گڑھ ۱۸۹۳ء — ۹۸

بصدارت نواب محسن الملک سید مہدی علی خاں

(ا) مولوی رفعت علی — ۱۰۱

(ب) علامہ شبلی — ۱۰۶

(ج) خوشی محمد ناظر — ۱۰۷

(د) داؤد امروہوی — ۱۱۲

نواں اجلاس منعقدہ علی گڑھ ۱۸۹۴ء — ۱۱۶

بصدارت جسٹس محمد شاہ دین

(ا) محمد راضی مختار — ۱۱۷

(ب) صادق حسین — ۱۱۹

(ج) سید علی یاور — ۱۲۳

(د) شفیق الرحمٰن — ۱۲۴

دسواں اجلاس منعقدہ شاہجہانپور ۱۸۹۵ء — ۱۳۸

بصدارت نواب محسن الملک سید مہدی علی خاں

(ا) نظامی بدایونی ۱۳۹

(ب) ڈپٹی نذیر احمد ۱۴۱

(ج) مولوی رضی الدین بسمل بدایونی ۱۴۲

(د) مولوی امجد علی اشہری ۱۴۵

(ہ) مولوی ابراہیم حسین ۱۵۴

(و) رفعت علی ۱۵۵

(ز) غلام بشیر بدایونی ۱۵۷

(ح) مولوی سید احمد دہلوی ۱۶۱

مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی ۱۶۳

مولوی محمد اسمٰعیل وکیل ۱۶۴

مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی ۱۶۵

بارھواں اجلاس منعقدہ لاہور ۱۸۹۸ء ۱۶۶

بصدارت نواب فتح علی خاں قزلباش

(ا) ڈپٹی نذیر احمد ۱۶۹

(ب) مولانا حالی ۱۷۵

(ج) مولوی امجد علی اشہری ۱۷۷

(د) خوشی محمد ناظر ۱۷۹

تیرھواں اجلاس منعقدہ کلکتہ ۱۸۹۹ء ۱۸۲

بصدارت جسٹس سید امیر علی

(ا) مولوی امجد علی اشہری ۱۸۵

چودھواں اجلاس منعقدہ رام پور ۱۹۰۰ء ۱۹۰

بصدارت نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی

(ا) فضل حق آزاد عظیم آبادی ۱۹۲

پندرھواں اجلاس منعقدہ مدراس سنہ ۱۹۰۱ء ۲۰۱

بصدارت جسٹس باڈم

(ا) مولانا ظفر علی خاں ۲۰۴

(ب) مولانا حالی ۲۰۷

سولھواں اجلاس منعقدہ دہلی سنہ ۱۹۰۳ء ۲۰۸

بصدارت ہزہائی نس سر آغا خاں

(ا) مولوی امجد علی اشہری ۲۱۱

(ب) مولانا حالی ۲۱۸

(ج) عبداللہ مشتاق ۲۲۸

(د) مولوی عبدالصمد کشمیری ۲۲۹

اٹھارھواں اجلاس منعقدہ لکھنؤ سنہ ۱۹۰۴ء ۲۳۲

بصدارت مسٹر تھیوڈور ماریسن

(ا) مولوی ابراہیم حسین ۲۳۷

انیسواں اجلاس منعقدہ علی گڑھ سنہ ۱۹۰۵ء ۲۴۱

بصدارت خان بہادر مشیر الدولہ خلیفہ محمد حسین

(ا) امجد علی اشہری ۲۴۳

(ب) حکیم ظفر حسین ۲۴۸

اکیسواں اجلاس منعقدہ کراچی سنہ ۱۹۰۷ء ۲۵۸

بصدارت شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی

(ا) مولانا حالی ۲۶۳

(ب) مرزا قلیچ بیگ ۲۶۷

چوبیسواں سالانہ اجلاس منعقدہ ناگپور سنہ ۱۹۱۰ء
بصدارت علامہ عبداللہ یوسف علی ۲۷۰
(ا) منشی یعقوب الحسن ایڈیٹر مشورہ جبل پور ۲۷۳
پچیسواں اجلاس منعقدہ دہلی سنہ ۱۹۱۱ء
بصدارت ہزہائی نس سر آغا خاں ۲۷۸
(ا) بے نظیر شاہ وارثی ۲۸۱
(ب) مولوی محمد اسماعیل میرٹھی ۲۸۲
(ج) خواجہ کمال الدین ۲۹۰
(د) بے نظیر شاہ وارثی ۲۹۱
(ہ) علامہ اقبال ۲۹۳
چھبیسواں اجلاس منعقدہ لکھنؤ سنہ ۱۹۱۲ء
بصدارت میجر سید حسن بلگرامی ۲۹۵
(ا) مولانا صفی لکھنوی ۲۹۷
ستائیسواں اجلاس منعقدہ آگرہ سنہ ۱۹۱۳ء
بصدارت جسٹس شاہ دین (جج ہائیکورٹ) ۲۹۹
(ا) مولانا حالی ۳۰۴
اٹھائیسواں اجلاس منعقدہ راولپنڈی سنہ ۱۹۱۴ء
بصدارت خان بہادر مولوی رحیم بخش ۳۰۶
(ا) میر نثار حسین ۳۱۰
(ب) مولوی انیس احمد ۳۱۱
(ج) مولوی الف دین نفیس ۳۱۲
اکتیسواں اجلاس منعقدہ کلکتہ سنہ ۱۹۱۷ء
بصدارت سر اکبر حیدری ۳۱۷

(ا) مولانا حالی ۳۲۱
(ب) علامہ شبلی ۳۲۲

تینتیسواں[۳۳] اجلاس منعقدہ خیرپور سنہ ۱۹۱۹ء ۳۲۴
بصدارت نواب مولوی شمس الہدیٰ

(ا) سید محمد علی فانی شیرازی ۳۲۷
(ب) سید غلام بھیک نیرنگ ۳۲۹

پینتیسواں[۳۵] اجلاس منعقدہ علی گڑھ سنہ ۱۹۲۲ء ۳۳۵
بصدارت سر فضل حسین

(ا) نواب محمود علی خاں ۳۳۷

چھتیسواں[۳۶] اجلاس منعقدہ علی گڑھ سنہ ۱۹۲۳ء ۳۳۹
بصدارت صاحبزادہ آفتاب احمد خاں

(ا) نواب سر مزمل اللہ خاں ۳۴۴
(ب) مولوی محمد حاذق ۳۴۴

سینتیسواں[۳۷] اجلاس منعقدہ بمبئی سنہ ۱۹۲۴ء ۳۴۸
بصدارت سر ابراہیم رحمت اللہ

(ا) سید غلام بھیک نیرنگ ۳۵۳

اڑتیسواں[۳۸] اجلاس منعقدہ علی گڑھ سنہ ۱۹۲۵ء ۳۵۶
بصدارت صاحبزادہ سر عبدالقیوم خاں

(ا) منشی واحد علی اثر ۳۶۲

انتالیسواں[۳۹] اجلاس منعقدہ دہلی سنہ ۱۹۲۶ء ۳۶۷
بصدارت سر عبدالرحیم

(د) مولوی عبدالخالق خلیق دہلوی ۳۷۱

چالیسواں ۴۰ اجلاس منعقدہ مدراس ۱۹۲۷ء

بصدارت سر شیخ عبدالقادر ۳۷۳

(د) مولانا محمد علی جوہر ۳۷۷

اکتالیسواں ۴۱ اجلاس منعقدہ اجمیر ۱۹۲۸ء

بصدارت سر شاہ محمد سلیمان ۳۷۸

(د) سید حسین بی۔ اے ۳۸۴

تینتالیسواں ۴۳ اجلاس منعقدہ رہتک ۱۹۳۱ء

بصدارت سر سید رضا علی ۳۸۷

(د) منشی فضل حسین برجستہ ۳۸۹

(ب) قمر الحسن قمر بدایونی ۳۹۱

(ج) ضمیر الدین اخگر رہتکی ۳۹۷

چھیالیسواں ۴۶ اجلاس منعقدہ آگرہ ۱۹۳۵ء

بصدارت ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد ۴۰۳

(د) علامہ اقبال مرحوم ۴۰۶

(ب) مولانا حالی مرحوم ۴۰۷

اڑتالیسواں ۴۸ اجلاس منعقدہ علی گڑھ ۱۹۳۷ء

بصدارت نواب سی عبدالحکیم ۴۰۸

(د) علامہ شبلی مرحوم ۴۱۵

پچاسواں ۵۰ اجلاس منعقدہ کلکتہ ۱۹۳۹ء

بصدارت مولوی ابوالقاسم فضل الحق ۴۱۷

(ل) رضا علی وحشت ۴۲۲

(ب) پروفیسر قمر صدیقی ۴۲۲

باونواں اجلاس منعقدہ علی گڑھ ۱۹۴۳ء ۴۲۴

بصدارت نواب ظہیر یار جنگ

(ل) مولوی محمد عبدالحمید خاں ۴۲۵

مرقع شعرا (مع فہرست)۔ ۴۲۹

ماخذ (حوالہ کتب) ۴۵۱

کانفرنس کے اجلاس ۴۵۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

از

سید الطاف علی بریلوی بی۔ اے (علیگ)

انگریز برصغیر پاک و ہند میں تاجر کی حیثیت سے داخل ہوئے لیکن آہستہ آہستہ انھوں نے بمبئی اور مدراس پریذیڈنسیوں کے حصول کے بعد بنگال و بہار پر بھی قبضہ کرلیا ۱۸۰۱ء میں اُنھیں نوابانِ اودھ کی کمزوری اور ناعاقبت اندیشی سے دوآبہ اور روہیل کھنڈ کے زرخیز علاقے بغیر لڑے بھڑے مل گئے۔ ۱۸۰۳ء میں وہ "دہلی" پر مسلط ہوگئے۔ پھر پچاس سال کے عرصے میں پنجاب، سرحد اور سندھ پر بھی ان کا قبضہ ہوگیا۔ اس طرح نہ صرف پورے شمالی ہند پر برطانوی پرچم لہرانے لگا بلکہ ملک کا گوشہ گوشہ (بشمول برما) ان کی مضبوط گرفت میں آگیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے انگریزوں کے غلبے کے بعد دارُ الحرب کا فتویٰ دیا اور مسلم اقتدار کی بحالی کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کی۔ سید احمد شہید اور حضرت اسماعیل شہید کی قیادت میں یہ تحریک آگے بڑھی اور اس نے ملک گیر حیثیت حاصل کرلی۔ اس تحریک نے معاشرتی و اقتصادی اصلاح کی طرف بھی توجہ دی اور تحریک جہاد ملک کی مقبول و فعاّل تحریک بن گئی۔ جب پنجاب و سرحد میں اس

تحریک کا انگریزوں سے براہ راست ٹکراؤ ہوا تو انھوں نے اپنی چالبازیوں سے اس تحریک کو مسلمانوں میں نامقبول و ناکام بنانے کی پوری پوری کوشش کی جس میں وہ کامیاب بھی ہوئے، انھوں نے اس تحریک کو "وہابی تحریک" کا نام دیا۔ "وہابی" اور "باغی" مترادف الفاظ قرار پائے۔

انگریزوں نے مسلمانوں کے انداز فکر کو بدلنے کے لئے ملک میں مغربی افکار و خیالات اور انگریزی زبان و ادب کی ترویج ضروری و لازمی سمجھی اور اس سلسلے میں سرکاری ۔ ۔ ۔ وغیرہ سرکاری سطح پر کوششیں عمل میں آئیں۔ انگریزوں نے سب سے پہلے اس کا تجربہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ اور دہلی کالج کے ذریعے کیا اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے لیکن جابرانہ نظام حکومت اور معاشی لوٹ کھسوٹ کے باعث انگریزوں کے خلاف نفرت کا جذبہ بڑھتا رہا تا آنکہ یہ "لاوا" جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی صورت میں پورے ملک میں پھوٹ پڑا۔ مگر بدقسمتی سے اس جنگ کا فیصلہ انگریزوں کے حق میں ہوا اور پورے برصغیر پاک و ہند پر "تاج برطانیہ" کا از سر نو استیلا و غلبہ ہو گیا۔ چونکہ اس جنگ میں قیادت و امارت من حیث مجموع مسلمانوں نے انجام دی تھی لہٰذا اس کا خمیازہ بھی ان ہی کو بھگتنا پڑا۔ پھانسی کے تختوں پر لٹکائے گئے۔ توپ دم کئے گئے۔ قید و بند کے شدائد جھیلے، حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزائیں بھگتیں، ترک وطن پر مجبور کئے گئے املاک و جائداد ضبط و نیلام ہوئیں اور وہ اپنے ملک میں سیاسی یتیم بلکہ لاوارث ہو کر رہ گئے۔ سر سید احمد خاں کس دل سوزی سے لکھتے ہیں۔

"یہ بدبختی کا زمانہ وہ ہے جو ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے مسلمانوں پر گزرا۔ کوئی آفت ایسی نہیں ہے جو اس زمانے میں ہوتی ہو، گو وہ رام زمین، ۔۔۔ ۔ یا ۔۔ دین ہی نے کی ہو اور یہ نہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوں نے کی۔

کوئی بلا آسمان پر سے نہیں چلی جو اس نے زمیں پر پہنچنے سے پہلے مسلمانوں کا گھر نہ ڈھونڈا ہو۔

ہر بلائے کز آسماں آید گرچہ بر دیگرے قضا باشد
بر زمین نا رسیدہ، می پرسد خانۂ "مسلمے" کجا باشد"

ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کے حریف ہندو من حیث القوم انگریزوں کے معتمد قرار پائے انھوں نے انگریزی اقتدار کے آغاز کے ساتھ ہی انگریزی زبان اور مغربی علوم و فنون سے بھی اعتنا کیا تھا لہٰذا سرکار و دربار میں ان کی رسائی ہونے لگی۔ عہدوں اور ملازمتوں پر قابض ہو گئے اور ان کے سیاسی اثر و اقتدار کی راہ بھی ہموار ہو گئی،

مسلمانوں کی سیاسی بدحالی کے ساتھ ان کی معاشرتی و اقتصادی حالت بھی نہایت زبوں اور خراب ہوئی جاگیرداریاں اور زمینداریاں ختم ہو چکی تھیں۔ ملازمتوں کا دروازہ بند ہو گیا۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد اس دردانگیز صورت حال کے ازالہ کا من جانب اللہ سامان ہوا اور بمصداق مردے از غیب بروں آید و کارے بکند" سرسید احمد خاں جیسے "عبقریٔ زمانہ" اور نابغۂ روزگار میدان عمل میں آئے۔ انھوں نے گرد و پیش کے حالات کا جائزہ لیا۔ ماضی کو دیکھا حال کو نظر میں رکھا اور مستقبل کا اندازہ لگایا۔ سرسید احمد خاں نے غور و فکر کے بعد یہ طے کیا کہ اب انگریزوں کی پائدار اور مستقل حکومت قائم ہو چکی ہے اور حالات کا تقاضہ ہے کہ مسلمانوں کو انگریزوں سے مل کر رہنا چاہیئے اور امن و امان کی زندگی گزارنی چاہیئے، نفرت و عدم اعتماد کی فضا اور راعی و رعایا کی غلط فہمی دور ہونی چاہیئے اور کچھ دنوں کے لئے مسلمانوں کو سیاست سے کُلیتاً کنارہ کش

ہو جانا چاہیئے تاکہ مسلمانوں سے انگریزوں کی بدظنی دُور ہو جائے۔ مسلمانوں کو مغربی علوم اور انگریزی زبان و ادب کی طرف توجہ کرنی چاہیئے اور اس زبان میں مہارتِ تامّہ اور قابلیتِ کاملہ حاصل کر کے اپنے مرتبے کو بحال کرنا چاہیئے۔

سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کی نجات و فلاح اور شیرازہ بندی کی وہ تدابیر سوچیں اور اختیار کیں جن سے قوم کی رگوں میں زندگی کا تازہ خون دوڑ آیا اور ایک روشن مستقبل کی جھلک نظر آنے لگی حقیقت یہ ہے کہ ہر بڑا آدمی جو دُنیا میں تاریخ کا رُخ پھیرنے یا قوموں کی زندگی بنانے آتا ہے وہ ایک مرتّب و منظم ذہن کا مالک ہوتا ہے۔ اس کے کام اور اس کی تدابیر بخت و اتفاق پر مبنی نہیں ہوتی ہیں بلکہ وہ ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے مطابق کام کرتا ہے چنانچہ یہ بات ہمیں سر سید احمد خاں کے کاموں میں پُورے طور سے نظر آتی ہے۔

سر سید نے بڑے استقلال سے انگریزوں کی بدظنی کو دُور کیا اور مسلمانوں میں مغربی علوم و فنون اور انگریزی زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کا منصوبہ بنایا۔ اپنے خیالات کو پوری ہم آہنگی سے نشر کیا اور دوسروں کے افکار کا ہمدردی سے تجزیہ کیا۔ عصری ضرورتوں اور تعلیم و تربیت کے طریق و انداز کے عینی مشاہدہ کے لئے وہ انگلستان گئے۔ وہاں کے نظامِ تعلیم، کالجوں اور یونیورسٹیوں کو دیکھا اور ایک عملی اسکیم بنا کر لائے جس کے تحت ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ میں انھوں نے ایم۔ اے۔ او کالج قائم کر دیا نیز مسلمانوں کے ذہن نشین کیا کہ انھیں تعلیم جدید کے حصول میں کماحقہ کوشش کرنی چاہیئے تاکہ وہ برادرانِ وطن اور حکمرانوں کی نظر میں کوئی مقام حاصل کر سکیں۔ انھوں نے اپنے مقصد کی نشر و اشاعت کے لئے دو اخبار "تہذیبُ الاخلاق" اور "علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ" جاری کئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان اخبارات نے خوب کام کیا۔ ان اخباروں کے مقاصد کا دائرہ بہت وسیع

تھا۔ فرد اور قوم کے اخلاق کی اصلاح، تہذیب و شائستگی اور، قومی عزت کا احساس پیدا کرنا، قوم کو جدید ترقیات علمی کی طرف راغب کرنا، علمی نقطۂ نظر کی اصلاح دینی زاویۂ نگاہ کی اصلاح، ادب و انشاء کے لئے ذوق صحیح کا پیدا کرنا، اردو کو قومی حسیات اور اجتماعی افکار کا ترجمان بنانا۔ ان اہم مقاصد کے حصول کے لئے پہلی شرط قوم کو جدید تعلیم سے روشناس کرنا تھا۔ ساتھ ہی انھوں نے اس امر کی بھی انتہائی کوشش کی کہ قوم اپنے قدیم علوم اور اپنی تہذیبی روایات سے بیگانہ نہ ہو جائے۔

ان ہر دو مقاصد کے حصول کے لئے سرسید نے ایک ملک گیر تحریک چلائی جو "علی گڑھ تحریک" کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس تحریک نے مسلمانوں میں ملی احساس قومی شعور، اور اجتماعی فکر کا رجحان پیدا کیا۔ عصری ضروریات، مغربی علوم و فنون کی اہمیت اور تعلیم جدید کی ضرورت کو سمجھایا۔ مذہب میں وسیع النظری، ادب میں سلاست و صفائی اور مقصدیت اور سیاست میں زمانی و مکانی تقاضوں کا لحاظ رکھا۔ غرضکہ مذہب، سیاست، ادب، معاشرت، ہر شعبۂ حیات میں "علی گڑھ تحریک" اثر انداز ہوئی، اور اس کے دائرہ فکر و عمل نے ہمہ گیری اور جامعیت اختیار کر لی۔ مولانا صلاح الدین مرحوم ایڈیٹر "ادبی دنیا" لکھتے ہیں:۔

"درحقیقت سید کے روپ میں قوم کو ایک جن مل گیا تھا جو اس کے لئے چشم زدن میں ہر وہ کام کر دیتا تھا جو برسوں میں ثروت و حکومت کے سہارے بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ کہیں غیروں کے حملے کی روک تھام کی جا رہی ہے کہیں اپنوں کے دماغ کے اوہام کے جالے صاف کئے جا رہے ہیں۔ کہیں گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ معماروں اور باغبانوں

کی نگرانی کی جا رہی ہے کہیں نئے تصورات کی تحصیل اور اپنے اعتقادات کے تحفظ کے لئے سات سمندروں کے سفر کئے جا رہے ہیں کہیں ملک کی مجالس قانون ساز میں قومی مفاد کے لئے تگ و دو کی جا رہی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ خطبات احمدیہ، تہذیب الاخلاق اور تفسیر القرآن کے ذریعہ اذہان کی روشنی اور اخلاق کی بلندی کا سامان بھی فراہم ہو رہا ہے۔ غرض کہ ترقی و رفعت کا ایک معرکۂ عظیم ہے جس کے مختلف محاذوں پر بیک وقت یورش بھی جاری ہے اور دفاع بھی، اور بڈھا سپہ سالار ایک ہاتھ میں دُوربین اور دوسرے میں شمشیر عمل لئے ہر مورچے پر مثل برق پہنچتا اور مثال ابر گرجتا ہے"

سر سید احمد خاں چاہتے تھے کہ مسلمان تعلیمی و اقتصادی میدان میں آگے بڑھیں اور ملک میں ایک آبرومندانہ مقام حاصل کریں اور کچھ دنوں کے لئے سیاست سے دستکش ہو جائیں، بالخصوص ہندوؤں کے ساتھ مل کر کوئی ایسا قدم نہ اُٹھائیں جس سے اُن کی ملّی انفرادیت ختم ہو جائے۔

۲۵ دسمبر ۱۸۸۵ئ کو انڈین نیشنل کانگرس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔ سر سید احمد خاں نے دیانتداری سے یہ سمجھا کہ یہ جماعت اور تحریک مسلمانوں کے مخصوص حالات کی بنا پر ان کے لئے مفید نہیں ہے اور بعد کے واقعات نے ان کے اس اندیشہ کو صحیح ثابت کر دیا، لہٰذا انھوں نے مسلمانوں کے لئے ایک جداگانہ پلیٹ فارم "ن ایجوکیشنل کانفرنس" کے نام سے قائم کیا جس کا پہلا اجلاس دسمبر ۱۸۸۶ئ میں علی گڑھ میں منعقد ہوا اور اس کے دس مندرجہ ذیل مقاصد قرار پائے:-

۱۔ مسلمانوں میں یورپین سائنس و لٹریچر کی اشاعت اور اعلیٰ تعلیم کی کوشش کرنا۔

۲۔ مسلمانوں کے قدیم علوم کے متعلق تحقیقات کرنا اور اُردو اور انگریزی میں رسالے لکھوانا۔

۳۔ مشہور علمار اور مصنفین اسلام کے سوانح حیات اُردو اور انگریزی میں مرتب کرنا

۴۔ مسلم مصنفین کی قدیم تصانیف کی فراہمی۔

۵۔ زمانۂ قدیم کے تاریخی واقعات کی تحقیق و اشاعت۔

۶۔ دنیاوی علوم کے مسائل کی تحقیق و اشاعت۔

۷۔ شاہی فرامین کو جمع کرکے ایک کتاب انشار مرتب کرنا۔

۸۔ مسلمانوں کی انگریزی تعلیم کی درس گاہوں میں مذہبی تعلیم کا انتظام کرنا۔

۹۔ علوم مشرقی اور دینیات کے علمار سے ربط قائم کرنا اور ان کی تعلیم میں ترقی کی کوشش۔

۱۰۔ قدیم مکاتب کی اصلاح و ترقی۔

ان مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے سید صاحب نے فرمایا۔

"اس وقت تک ہمارا یہ حال ہے کہ گو ہم ایک قوم مسلمان کہلاتے ہیں مگر ایک جگہ کے رہنے والے دوسری جگہ کے رہنے والوں سے ایسے ناواقف ہیں جیسے کوئی اجنبی قوم ایک دوسرے کے حال سے ناواقف ہو، ہم نہیں جانتے ہیں کہ پنجاب کے لوگوں کا قومی تعلیم اور قومی ترقی کی نسبت کیا خیال ہے اور انھوں نے کیا کیا ہے اور کیا کرنا چاہتے ہیں پنجاب تو ایک دوسرا صوبہ ہے ہم اپنے ہی صوبہ (یوپی) کے ایک ضلع کے رہنے والے دوسرے ضلع کے رہنے والوں کے حال سے محض ناواقف ہیں کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں کہ مختلف اضلاع کے لوگ کسی موقع پر آپس میں ایک جگہ جمع ہوں ایک کے حال سے دوسرے کو

آگاہی ہو، ہم آپس میں مل کر اپنے خیالات جو قومی تعلیم اور قومی ترقی کی
نسبت ہوں دوسروں پر ظاہر کر سکیں، ایک دوسرے کے خیالات
سے تبادلہ ہو... ہم باوجود ایک قوم مسلمان ہونے کے بمنزلہ مختلف
قوموں کے ہو رہے ہیں۔ ان میں قومی یگانگت بلکہ مجھ کو کہنا چاہیئے کہ
قومیت پیدا ہو... ان ہی خیالات سے یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ ہر
سال مسلمانوں کی تعلیم اور ترقی پر غور کرنے کے لئے مختلف مقامات
و مختلف صوبہ جات کے لوگ ایک جگہ جمع ہوا کریں اور ایک صوبے
اور ایک ضلع کے لوگوں کے ذریعے سے دوسرے صوبے اور ضلع
کے مسلمانوں کو حالات معلوم ہوتے رہیں اور جو تدابیر ان کی بھلائی اور
ترقی کی نسبت سوچی جائیں ان پر بحث و مباحثہ ہو کر جو تدبیر عمدہ
قرار پائے وہ اختیار کی جائے"

حقیقت امر یہ ہے کہ کانفرنس نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں قومی یکجہتی و ہم آہنگی کا وہ صور پھونکا کہ تمام ملک خواب غفلت سے بیدار ہو گیا اور از بنگال تا سرحد اور از پنجاب تا مدراس و دکن مسلمانوں کو اپنی قومی و اجتماعی تعلیم و ترقی کا احساس ہو گیا اور اسی بیداری کے نتیجے میں آگے چل کر ملکی سیاست اور تحریک آزادی میں مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

کانفرنس نے علاقائی، صوبائی اور طبقاتی حد بندیوں کو نظر انداز کر کے ملک گیر قومی احساس پیدا کیا اور اس پلیٹ فارم سے جو مطالبہ کیا جاتا تھا وہ قوم کی متفقہ آواز ہوتی تھی۔ اس کانفرنس نے پورے ملک میں اپنے سالانہ اجلاس منعقد کر کے اجتماعی شعور اور قومی احساس پیدا کیا۔ ملک کے منتخب مشاہیر، اہل الرائے، قائدین اور ارباب علم و فضل نے کانفرنس کے پلیٹ فارم سے اپنے خیالات

کا اظہار کیا۔ اس کے اجلاس۔ یوپی۔ دہلی، پنجاب، بنگال، سندھ۔ بمبئی، سی۔ پی، مدراس، بہار، بنگال، دہلی، اجمیر تمام صوبوں میں منعقد ہوئے بلکہ رامپور اور خیرپور (سندھ) کی ریاستوں نے بھی پذیرائی کی حد یہ کہ اس کی سرگرمیوں کا دائرہ عمل رنگون تک پہنچ گیا۔ ملک کے ہر علاقے اور طبقے کے مشاہیر نے کانفرنس کے اجلاسوں کی صدارت کی۔ یو۔پی اور دہلی سے۔ مولوی سمیع اللہ خاں، نواب محمد اسحاق خاں، منشی امتیاز علی کاکوروی، نواب محسن الملک، مولوی محمد حشمت اللہ بریلوی، سر علی محمد خاں راجہ محمود آباد، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں سر شاہ سلیمان، سر راس مسعود، سر سید رضا علی، ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں، صوبہ پنجاب سے سردار محمد حیات خاں، جسٹس محمد شاہ دین، نواب فتح علی خاں قزلباش، مشیر الدولہ خلیفہ محمد حسین، خان بہادر مولوی رحیم بخش (بہاولپور)، سر محمد شفیع، سر فضل حسین، سر عبدالقادر، کرنل مقبول حسین، صوبہ بنگال سے جسٹس سید امیر علی، جسٹس شرف الدین، نواب خواجہ سر سلیم اللہ، سر عبدالرحیم، مولوی اے۔ کے فضل الحق، سر عزیز الحق۔ صوبہ بمبئی سے سر آغا خاں (سوم)، جسٹس بدرالدین طیب جی، علامہ عبداللہ یوسف علی، سر ابراہیم رحمت اللہ، سر ابراہیم ہارون جعفر، صوبہ مدراس سے نواب سی عبدالحکیم۔ صوبہ سرحد سے صاحب زادہ سر عبدالقیوم حیدر آباد دکن سے نواب عماد الملک، سر اکبر حیدری، نواب کمال یار جنگ اور نواب ظہیر یار جنگ جیسے اکابر و مشاہیر نے کانفرنس کی صدارت کی اور خطاب کیا۔ ان تمام اکابر کے پیش نظر ملک گیر متحدہ مسلم قومیت کا تصور تھا اور اسی کی انھوں نے تبلیغ و اشاعت کی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بنگال کے اجلاسوں میں پنجاب و سندھ سے متعلق تجاویز پاس ہوتی تھیں اور پنجاب کے اجلاس میں یو۔پی اور مدراس کے معاملات زیر بحث آتے تھے۔

کانفرنس کے پلیٹ فارم سے کشمیر، الور، میوات، جے پور، جودھپور اور ریاست ٹونک کے تعلیمی مسائل پر نہ صرف مفید تجاویز پاس ہوئیں بلکہ ان کو عملی جامہ بھی پہنایا گیا۔

علی گڑھ تحریک اور ایجوکیشنل کانفرنس کی کوششوں کے نتیجے میں بہ کثرت شہروں میں اسلامیہ ہائی اسکول، قائم ہوئے، اسلامیہ کالج پشاور، سندھ مدرستہ الاسلام کراچی، محمڈن عربک اسکول پٹنہ، اسلامیہ انٹر کالج اٹاوہ، بدایوں بریلی اور میرٹھ وغیرہ اسی تحریک کے نتیجے میں قائم ہوئے۔ بعد ازاں اسکے برکات علی گڑھ یونیورسٹی، ڈھاکہ یونیورسٹی اور عثمانیہ یونیورسٹی کی شکل میں نمودار ہوئے، تحریک ندوۃ العلماء، انجمن حمایت الاسلام (لاہور) مدرسۂ احمدیہ آرہ (بہار) جیسے مذہبی اداروں پر اس تحریک کی چھاپ صاف نظر آتی ہے۔ انجمن ترقی اُردو ۱۹۰۳ء میں کانفرنس کے ایک شعبے کی حیثیت سے قائم ہوئی اور ۱۹۱۲ء میں اُسنے بابائے اُردو مولوی عبدالحق کی قیادت میں ایک مستقل ادارہ کی حیثیت اختیار کی۔ انجمن ترقی اُردو کی علمی وادبی خدمات اظہرمن الشمس ہیں اِسی طرح کانفرنس ہی کے ایک اجلاس منعقدہ ڈھاکہ ۱۹۰۶ء میں نواب وقارالملک کی تحریک پر مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا جس کی کوششوں سے بالآخر ۱۹۴۷ء میں پاکستان وجود میں آیا۔ کانفرنس کے پلیٹ فارم سے حفظِ قرآن، اوقاف کی آمدنی سے تعلیم، اصلاحِ رسوم، فضول خرچی اور رسوم بیجا سے احتراز، تعلیم دینیات، فارسی تعلیم جاری رکھنے کی کوشش، عربی تعلیم کی ترویج اور وظائف کی فراہمی، ندوۃ العلماء کی تائید، مکاتب قرآن کا اجراء۔ قانون، انجینیرنگ، ڈاکٹری اور میکنیکل تعلیم پر زور، سرکاری اسکولوں میں مذہبی تعلیم، طب یونانی کی ترقی، قیدیوں کی تعلیم، تعلیم اطفال، تعلیم بالغان، تعلیم نسواں

وغیرہ غرض اس نوع کے تمام امور پر مختلف اوقات میں مفید اور کارآمد تجاویز پاس ہوئیں جن کے خاطر خواہ مفید نتائج بھی برآمد ہوئے۔

ایجوکیشنل کانفرنس کے پلیٹ فارم سے اردو کے تحفظ و بقا کے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی۔ سرسید اپنی زندگی کے آخری ایام تک جدوجہد کرتے رہے۔ ان کے جانشین نواب محسن الملک نے تو گورنر یو۔پی تک سے ٹکر لی۔ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں حسرت شروانی بھی مدت العمر اردو کی توسیع و اشاعت کے لئے سرگرم عمل رہے۔ ان اکابر کی کم و بیش ایک صدی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج بدلتے ہوئے حالات میں ہر طرف سے شدید مخالفت کے باوجود نہ صرف برصغیر پاک و ہند کے گوشہ گوشہ میں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی اردو کی مضبوط جڑیں ہلائے نہیں ہلتیں اردو کو بین الصوبائی افہام و تفہیم کی قومی زبان بنانے کے لئے ہر طبقہ و خیال کے بزرگ ہم رائے تھے چنانچہ جسٹس سید امیر علی کلکتہ کے اجلاس منعقدہ ۱۸۹۹ء میں فرماتے ہیں۔

"یہ امر جس کو میں ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اردو زبان بنگال اور بمبئی کے اسکولوں میں بطور اختیاری زبان کے رہنی چاہیئے مگر یہ معاملہ زیادہ تر مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔"

اسی طرح آگرہ کے اجلاس منعقدہ ۱۹۱۳ء میں جسٹس محمد شاہ دین نے فرمایا

"اردو جس کو عام طور سے ہندوستانی کہتے ہیں مسلمانان ہند کی بلکہ ہندوستان کے بیشتر حصے کی زبان ہے اور اس کو ہندوستان میں وہی مرتبہ حاصل ہے جو فرانسیسی زبان کو یورپ میں حاصل ہے"

علی گڑھ کے اجلاس منعقدہ ۱۹۱۶ء میں سر محمد شفیع نے فرمایا

"اردو جو درحقیقت ہندوستان کی عام زبان ہے ہندوستان کے

مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی اتحاد سے صدیاں گزریں، پیدا ہوئی تھی۔ ہر وہ کوشش جو اُردو زبان کے خلاف ہوگی وہ نا اتفاقی پر منتج ہوگی اور ہندو اور مسلمانوں کے باہمی اتحاد کے لئے برباد کن ثابت ہوگی"

کلکتہ کے اجلاس منعقدہ ۱۹۱۷ء میں سر اکبر حیدری نے فرمایا

"اُردو کی اشاعت اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں ایک خاص مناسبت ہے جن جن مقامات پر اُردو زیادہ رائج اور شائع ہے اسی قدر وہاں کے مسلمان زیادہ سرگرم اور مستعد معلوم ہوتے ہیں۔ اس طرح جس نسبت سے اُردو مختلف مقامات میں داخل ہوتی جاتی ہے اسی نسبت سے وہاں کے مسلمانوں کا جمود ٹوٹتا جاتا، اور ان میں وسعت نظر اور احساس قومی پیدا ہوتا جاتا ہے"

امرتسر کا اجلاس منعقدہ ۱۹۰۸ء میں نواب خواجہ سر سلیم اللہ (ڈھاکہ) کی زیر صدارت منعقد ہوا اور اس میں سر شیخ عبدالقادر (مخزن) نے پنجاب سے متعلق اُردو کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل تجویز پیش کی۔

"اس کانفرنس کی رائے میں اُردو صوبہ پنجاب میں تعلیمی اغراض کے لئے بالعموم اور ابتدائی تعلیم کے لئے بالخصوص نہایت مناسب اور موزوں زبان ہے اور بحیثیت زبانِ درسی جو مرتبہ اسے مدارس میں حاصل ہے اسے قائم رکھنا ترقی کے لئے ضروری ہے"

اسی اجلاس میں سر محمد شفیع نے دوسری تجویز پیش کی

"یہ کانفرنس ڈاکٹر پی۔ سی چٹرجی۔ سی۔ آئی۔ ای کی اس تجویز سے جو انہوں نے حال میں پنجاب یونیورسٹی کے جلسۂ کانووکیشن میں پیش کی ہے کہ زبان پنجابی کا کورس صوبے میں بجائے اُردو کے رواج دیا جائے، اختلاف کرتی

ہے، اور اس تجویز کو بہ لحاظ قلت لغات پنجابی و اختلاف محاورہ نا ممکن العمل اور اس صوبے کے حق میں سخت مضر سمجھتی ہے؟

کلکتہ کے اجلاس منعقدہ ۱۹۱۷ء میں جو سر اکبر حیدری کی زیر صدارت منعقد ہوا مولوی اسمٰعیل حاجی برہانی کی تحریک اور فضل رحیم کی تائید سے مندرجہ ذیل تجویز پاس ہوئی۔

"یہ کانفرنس تجویز کرتی ہے کہ جن طلبہ کی مادری زبان اُردو نہیں ہے ان کے لئے بطور سیکنڈ لینگویج کے صوبہ بنگال و بمبئی میں اُردو کو لینگویج کی فہرست میں شامل کیا جائے نیز اس کانفرنس کی رائے ہے کہ ایسے طلبہ کے لئے زبان اُردو میں کتب درسیہ ایسی موجود ہیں جو بلحاظ وقعت زبان و باعتبار تہذیب آموزی کے زبان فارسی اور عربی کی رائج الوقت کتب درسیہ کے ہم پلہ ہیں"

چنانچہ اس کوشش کے نتیجے میں صوبہ بمبئی میں ...... اُردو سیکنڈ لینگویج کی فہرست میں شامل ہو گئی کانفرنس کے اجلاس کراچی ۱۹۰۷ء راولپنڈی ۱۹۱۴ء خیرپور ۱۹۱۹ء اور لاہور ۱۹۳۲ء کی بدولت سندھ، بلوچستان اور صوبۂ سرحد میں بھی اُردو کا کام زور شور سے ہوا۔ بکثرت اُردو مدارس قائم ہوئے۔ اخبارات و رسائل جاری ہوئے اور ہر دور میں یہاں کے شعراء اور مصنفین نے اُردو زبان و ادب کو فروغ دینے میں اس قدر کام کیا کہ آج دلّی، یوپی، بہار اور ریاست حیدرآباد (دکن) سے آئے ہوئے مہاجرین اپنے وطن ثانی میں بہت کم لسانی اور ثقافتی اجنبیت محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح بنگال میں سلہٹ سے چٹاگانگ تک ہر جگہ بنگالی کی نشاۃ ثانیہ کے باوجود اُردو بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

کانفرنس نے مسلمانوں کی اقتصادی و معاشرتی اصلاح کے لئے صنعت و حرفت کی ترقی کو ضروری سمجھا اور اس سلسلے میں ٹیکنیکل تعلیم پر پورا پورا زور دیا بانی اسلامیہ کالج پشاور صاحبزادہ سر عبدالقیوم نے علی گڑھ کے اجلاس منعقدہ ۱۹۲۵ء میں فرمایا کہ

"ہر ملک کی اصل طاقت اس کے صناعوں اور ہنروروں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ طاقت اصلی دفتروں، مجسٹریٹوں اور گورنروں میں نہیں ہوتی بلکہ ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو اس حکومت کی ریل اور تار کے سلسلوں، جہازوں اور کارخانوں پر متصرف ہوں۔ تمہارے درمیان لوہاروں، موچیوں اور بافندوں کا بڑی تعداد میں ہونا تمہاری بدقسمتی نہیں، بلکہ خوش قسمتی ہے اگر آپ انھیں تعلیم دیں اور انھیں ایسے درجے کا ہنر سکھائیں جیسا کہ یورپ کے ہنرمندوں میں ہے تو آپ نہ صرف اپنی عزت کے مسئلے کو حل کریں گے۔ بلکہ اپنے دست و بازو مضبوط کریں گے۔"

دہلی کے اجلاس منعقدہ ۱۹۲۶ء میں سر عبدالرحیم نے ارشاد فرمایا

"ہر تعلیمی منزل (ابتدائی ثانوی اور کالجی) کے بعد ان کو ایسے پیشے اور حرفے کی تعلیم دی جائے جس سے فوراً روزگار مل سکے یا جس سے طالب علم کم از کم انسانی ضروریات بہم پہنچانے کے قابل ہو سکے یا اپنے فنی یا ذہنی رجحان کو پورا کر سکے آپ سب واقف ہیں کہ خود ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی پیروی میں ان کے اکثر اصحابؓ اور بڑے بڑے ائمہ اور فقہا یہ روایت قائم کر گئے ہیں کہ جو کچھ اپنے ہاتھ سے پسینہ گرا کر کمایا جائے وہ ہر قسم کی دوسری کمائیوں سے مبارک تر ہے۔ اسلامی شائستگی کی تاریخ کا یہ واقعہ ہے کہ بڑے بڑے علماء صوفیا اور فیلسوف اس حال میں علمی تحقیقات کرتے اور بڑی بڑی کتابیں لکھتے تھے کہ اپنی روزی اپنے ہاتھ سے کماتے تھے

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس قسم کی محنت اور ایسے اعلیٰ درجے کے ذہنی کام ایک دوسرے کے ممد و معین ہیں"

راولپنڈی کے اجلاس منعقدہ ۱۹۱۴ء میں مولوی سر رحیم بخش نے فرمایا کہ

"میں اپنے نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے کو آزاد اور سود مند پیشوں اور کاموں میں لگائیں اور ملک کے ان ذخائر کی تلاش کریں جو مشترک سرمایہ اور باقاعدہ محنت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ انھیں باہر جاکر بڑے بڑے کارخانوں اور عظیم الشان تجارتی دوکانوں میں کام سیکھنا چاہیئے اور پھر خود اپنا کاروبار جاری کرنا چاہیئے"

کانفرنس کی مسلسل کوششیں رُوبہ عمل آئیں اس سلسلے میں علی گڑھ کے اجلاس منعقدہ ۱۸۹۴ء میں جسٹس محمد شاہ دین ارشاد فرماتے ہیں۔

"اس کانفرنس کے طفیل قوم اپنی منتشر قوتوں کو جمع کرنے کے مواقع پیدا کر رہی ہے جسکے باعث ایک ضلع کے اہل دُوسرے ضلع کے اور ایک صوبہ کے مسلمان دوسرے صوبہ کے مسلمانوں سے مل کر تبادلۂ خیالات کے ذریعے نہ صرف قومی اتحاد کو مضبوط کرتے ہیں بلکہ اپنی مقامی یا عام تعلیمی ضرورتوں کے رفع کرنے اور رفتار زمانہ کے مطابق چلنے کی سب سے بہتر عملی تدابیر سوچتے ہیں"

کانفرنس کی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی (ف ۱۹۶۸ء) لکھتے ہیں:۔

"(اس ادارہ نے) مسلمانوں کو چار دانگ ہند میں تعلیم کی طرف متوجہ کیا، قوم کے ہونہار بچوں کے لئے وظائف کا انتظام کیا۔ قومی تعلیم گاہیں قائم کیں۔ تعلیمی مصارف کی بہم رسانی کی سبیلیں نکالیں۔ مسلمانوں کے جمود میں تحریک و سیلان

پیدا کیا۔ مسلمانوں کو تعلیم نسواں و بالغان و معذورین، مدارس شبینہ، صنعت و حرفت، تجارت و زراعت اور پیشوں کی تعلیم اور تربیت جسمانی کی جانب توجہ دلائی۔ ہر جدید تعلیمی تحریک (مثلاً مفت جبری ابتدائی تعلیم، کلکتہ یونیورسٹی کمیشن وغیرہ وغیرہ) کے متعلق قوم کو صحیح راستے کی طرف رہنمائی کی۔ گورنمنٹ کو ہمیشہ مسلمانوں کے ہر قسم کے جائز تعلیمی حقوق و ضروریات کی جانب متوجہ کیا۔ حتیٰ کہ اس باب میں بعض دیسی ریاستوں کا دروازہ بھی بار بار کھٹکھٹایا۔ دوسری اسلامی درس گاہوں کے علاوہ مسلم یونیورسٹی کے قیام کی مساعی جمیلہ میں سب سے زیادہ حصہ لیا۔ ہر صوبہ کے مختص حالات کے اعتبار سے وہاں کے مسلمانوں کے اندر ترویج و ترقی تعلیم کی ایسی راہیں نکالیں جن تک خود اس صوبہ والوں کی نظر و دسترس نہ تھی۔ مسلمانوں کو ترتیب مجالس کے نئے ڈھنگ سکھائے"

(دیباچہ خطبات عالیہ جلد سوم)

اس سلسلے میں نواب عماد الملک نے دہلی کے اجلاس منعقدہ ۱۹۱۱ء کے خطبہ صدارت میں کیا خوب ارشاد فرمایا

"ذرا نظر اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس کانفرنس کی بدولت اسلامی ہندوستان میں کس قدر انقلاب وقوع پذیر ہوا ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کانفرنس نے ہماری قوم کے سوائے دیگر اقوام کی کوششوں میں ایک نمایاں تحریک پیدا کی ہے۔ جس وقت تک اس کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے منعقد کرنے کا فیصلہ نہیں کیا گیا تھا کیا اس وقت صوبہ سندھ پر ایک تیسی کا عالم طاری نہ تھا؟ کیا اس کانفرنس کی مساعی جمیلہ سے مشرقی بنگال اور برہما اس خواب گراں سے جو بظاہر لا انتہا معلوم ہوتا تھا، بیدار نہیں ہوئے، مدراس، بمبئی، اور سنٹرل انڈیا کے مسلمان یکے بعد دیگرے سب کے سب اس سے فیض حاصل کر چکے اور متاثر ہو چکے ہیں اور ان دونوں صوبوں

کا تو ذکر ہی کیا ہے جن کو اس تحریک کے جائے مولد ہونے کا فخر حاصل ہے، میں نہیں
جانتا کہ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے یا نہیں، تاہم میں تو یہاں تک کہنے کیلئے تیار
ہوں کہ میری رائے میں مسلم لیگ بھی اس تحریک کے نتائج میں سے ہے۔"

کانفرنس کے مقاصد عالیہ کو پورا کرنے والی ایک تو وہ تجاویز ہیں جو سال بہ سال کافی غور و
مباحثہ کے بعد عملی شکل میں لانے کے واسطے پیش ہوتی رہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سی تدابیر کا
سلسلہ تواتر کے ساتھ جاری رہا، کانفرنس کی ساٹھ سالہ رپوٹ میں (۱۸۸۶ تا ۱۹۴۵ء) عالمانہ خطبات
صدارت اور اکابرین ملت کی فاضلانہ تقریریں اور خصوصی لکچروں سے بھری پڑی ہیں۔ بیش قیمت
نثری ذخیرہ کے علاوہ تاریخی اہمیت رکھنے والی ان قومی نظموں کی بھی کمی نہیں ہے جن کو اپنے اپنے
زمانہ کے مشاہیر شعرا نے عصری تقاضوں کے تحت قلم بند کیا اور جوش و خروش کے ساتھ کانفرنس
کے اجلاس میں پڑھ کر سُنایا۔ قیام کانفرنس سے پہلے اُردو شاعری جو ہمارے دورِ زوال کی یادگار
تھی اس میں مضامین عشق و عاشقی اور ہجر و وصال کی بھرمار تھی تلاش و جستجو کے بعد کہیں کہیں قومی
و ملی راگ کی آواز سُنائی دے جاتی ہے مگر اس میں پورا زور اور ہم آہنگی نہیں ہے، کہا جاتا ہے کہ
نواب سراج الدولہ کے المناک حادثہ پر موزوں عظیم آبادی نے یوں اظہار خیال کیا تھا۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی　　دوانہ مرگیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

اس شعر کو ہم قومی شاعری کا سنگ بنیاد قرار دے سکتے ہیں۔ قومی و ملکی بربادی اور
مصائب پر اس زمانے کے شعراء نے جو شہر آشوب لکھے ہیں وہ بھی اس سلسلے کی کڑیاں کہی
جاسکتی ہیں۔ نظیر اکبرآبادی کے یہاں بھی باندازِ خاص قومی گیت ملتے ہیں اسی طرح غالب و
مومن وغیرہ کے یہاں یہ چیزیں مل جاتی ہیں، مگر گل و بلبل اور صیاد و قفس کی رعایت کا پردہ پڑا
رہا۔ مثلاً مرزا غالب دلی کی بربادی پر لکھتے ہیں۔

ظلمت کدے میں میرے شب غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے

پیدا کیا۔ مسلمانوں کو تعلیم نسواں و بالغان و معذورین، مدارس شبینہ، صنعت و حرفت، تجارت و زراعت اور پیشوں کی تعلیم اور تربیت جسمانی کی جانب توجہ دلائی۔ ہر جدید تعلیمی تحریک (مثلاً مفت جبری ابتدائی تعلیم، کلکتہ یونیورسٹی کمیشن وغیرہ وغیرہ) کے متعلق قوم کو صحیح راستے کی طرف رہنمائی کی۔ گورنمنٹ کو ہمیشہ مسلمانوں کے ہر قسم کے جائز تعلیمی حقوق و ضروریات کی جانب متوجہ کیا۔ حتیٰ کہ اس باب میں بعض دیسی ریاستوں کا دروازہ بھی بار بار کھٹکھٹایا۔ دوسری اسلامی درس گاہوں کے علاوہ مسلم یونیورسٹی کے قیام کی مساعی جمیلہ میں سب سے زیادہ حصہ لیا۔ ہر صوبہ کے مختص حالات کے اعتبار سے وہاں کے مسلمانوں کے اندر ترویج و ترقی تعلیم کی ایسی راہیں نکالیں جن تک خود اس صوبہ والوں کی نظر و دسترس نہ تھی۔ مسلمانوں کو ترتیب مجالس کے نئے ڈھنگ سکھائے"

(دیباچہ خطبات عالیہ جلد سوم)

اس سلسلے میں نواب عماد الملک نے دہلی کے اجلاس منعقدہ ۱۹۱۱ء کے خطبہ صدارت میں کیا خوب ارشاد فرمایا

"ذرا نظر اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس کانفرنس کی بدولت اسلامی ہندوستان میں کس قدر انقلاب وقوع پذیر ہوا ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کانفرنس نے ہماری قوم کے سوائے دیگر اقوام کی کوششوں میں ایک نمایاں تحریک پیدا کی ہے۔ جس وقت تک اس کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے منعقد کرنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا کیا اس وقت صوبہ سندھ پر ایک جیسی کا عالم طاری نہ تھا؟ کیا اس کانفرنس کی مساعی جمیلہ سے مشرقی بنگال اور برہما اس خواب گراں سے جو بظاہر لا انتہا معلوم ہوتا تھا، بیدار نہیں ہوئے، مدراس، بمبئی اور سنٹرل انڈیا کے مسلمان یکے بعد دیگرے سب کے سب اس سے فیض حاصل کر چکے اور متاثر ہو چکے ہیں اور ان دونوں صوبوں

کا تو ذکر ہی کیا ہے جن کو اس تحریک کے جائے مولد ہونے کا فخر حاصل ہے، میں نہیں جانتا کہ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے یا نہیں، تاہم میں تو یہاں تک کہنے کیلئے تیار ہوں کہ میری رائے میں مسلم لیگ بھی اس تحریک کے نتائج میں سے ہے۔"

کانفرنس کے مقاصد عالیہ کو پورا کرنے والی ایک تو وہ تجاویز ہیں جو سال بہ سال کافی غور و مباحثہ کے بعد عملی شکل میں لانے کے واسطے پیش ہوتی رہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سی تدابیر کا سلسلہ تواتر کے ساتھ جاری رہا، کانفرنس کی ساٹھ سالہ رپوٹیں (۱۸۸۶ تا ۱۹۴۵ء) عالمانہ خطبات صدارت اور اکابرین ملت کی فاضلانہ تقریریں اور خصوصی لکچروں سے بھری پڑی ہیں۔ بیش قیمت نثری ذخیرہ کے علاوہ تاریخی اہمیت رکھنے والی ان قومی نظموں کی بھی کمی نہیں ہے جن کو اپنے اپنے زمانہ کے مشاہیر شعرا نے عصری تقاضوں کے تحت قلم بند کیا اور جوش و خروش کے ساتھ کانفرنس کے اجلاس میں پڑھ کر سنایا۔ قیام کانفرنس سے پہلے اُردو شاعری جو ہمارے دورِ زوال کی یادگار تھی اس میں مضامین عشق و عاشقی اور ہجر و وصال کی بھرمار تھی تلاش و جستجو کے بعد کہیں کہیں قومی دلی راگ کی آواز سنائی دے جاتی ہے مگر اس میں پورا زور اور ہم آہنگی نہیں ہے، کہا جاتا ہے کہ نواب سراج الدولہ کے المناک حادثہ پر موزوں عظیم آبادی نے یوں اظہار خیال کیا تھا۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی دوانہ مرگیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

اس شعر کو ہم قومی شاعری کا سنگ بنیاد قرار دے سکتے ہیں۔ قومی و ملکی بربادی اور مصائب پر اس زمانے کے شعراء نے جو شہر آشوب لکھے ہیں وہ بھی اس سلسلے کی کڑیاں کہی جاسکتی ہیں۔ نظیر اکبرآبادی کے یہاں بھی باندازِ خاص قومی گیت ملتے ہیں اسی طرح غالب و مومن وغیرہ کے یہاں یہ چیزیں مل جاتی ہیں، مگر گل و بلبل اور صیاد و قفس کی رعایت کا پردہ پڑا رہا۔ مثلاً مرزا غالب دلی کی بربادی پر لکھتے ہیں۔

ظلمت کدے میں میرے شب غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل — زنہار گر تمھیں ہوسِ نائے و نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو — میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط — دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے
یا صبح دم جو دیکھیے آکر تو بزم میں — نے وہ سرور و شور نہ جوش و خروش ہے
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی — اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

گلشن میں بند و بست برنگِ دگر ہے آج — قمری کا طوق حلقہ بیرونِ در ہے آج
آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغاں کے ساتھ — تارِ نفس کمندِ شکارِ اثر ہے آج
اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل — سیلابِ گریہ درپئے دیوار و در ہے آج

سر سید احمد خاں نے جس طرح قومی و ملی شعور بیدار کیا اسی طرح انھوں نے اُردو زبان و ادب اور شعر و شاعری کے مزاج کو بھی بدلا۔ اس سلسلے میں ایک موقع پر لکھتے ہیں۔

"فن شاعری جیسا ہمارے زمانے میں خراب اور ناقص ہے اس سے زیادہ کوئی چیز بُری نہ ہوگی۔ مضمون تو بجز عاشقانہ کے اور کچھ نہیں ہے ...... خیال بندی کا طریقہ اور تشبیہہ و استعارہ کا قاعدہ ایسا خراب و ناقص پڑ گیا ہے جس سے تعجب تو طبیعت پر آتا ہے۔ مگر اس کا اثر مطلق دل میں یا خصلت میں یا اس انسانی جذبے میں جس سے وہ متعلق ہے کچھ بھی نہیں ہوتا۔"

"شاعر کے ذہن میں صرف وہی چند محدود خیالات جمع ہیں جن کو اگلے شعراء باندھ گئے ہیں یا صرف وہی معمولی باتیں اس کو بھی معلوم ہیں جیسی کہ عام لوگوں کو معلوم ہوتی ہیں اور اس نے شاعری کی تکمیل کے لیے اپنی معلومات کو وسعت نہیں دی اور صحیفۂ فطرت کے مطالعہ کی عادت نہیں ڈالی"

سرسید احمد خاں کے یہی خیالات منظم و مربوط اور مکمل و مدلل شکل میں "مقدمہ شعر و شاعری" کی صورت میں مولانا حالی سے ظہور پذیر ہوئے۔ اسی زمانہ میں کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن پنجاب نے انجمن پنجاب کی بنیاد رکھی اور جدید خیالات کی اشاعت کی، اس انجمن کی تحریک پر ۱۸۷۴ء میں کرنل ہالرائڈ کی سرپرستی میں مولانا حالی نے بہ تائید مولوی محمد حسین آزاد مشاعرے شروع کئے جن میں کسی مخصوص عنوان پر شعراء اظہار خیال کرتے تھے۔ مولانا حالی اور آزاد کی نظمیں خاص طور سے مقبول ہوئیں۔ سرسید احمد خاں رقمطراز ہیں

"مولوی خواجہ الطاف حسین حالی اسسٹنٹ ٹرانسلیٹر محکمہ ڈائرکیٹر پنجاب کی کوششوں نے تو ہمارے دلوں کے حال کو بدل دیا ہے ... ان کی مثنوی حب الوطن اور مثنوی مناظرۂ رحم و انصاف جو پنجابی اخبار میں چھپی ہے درحقیقت ہمارے علم و ادب میں ایک کارنامہ ہے۔ ان کی سادگی الفاظ صفائی بیان، عمدگی خیال ہمارے دلوں کو بے اختیار کھینچتی ہے۔ وہ مثنویاں آب زلال سے زیادہ خوشگوار ہیں۔ بیان میں۔ انداز میں۔ آمد میں الفاظ کی ترکیب میں سادگی و صفائی میں کیسی عمدہ ہیں کہ دل میں بیٹھی جاتی ہیں۔"

۱۸۷۹ء میں مولانا حالی کا لازوال شاہکار مسدس مدوجزر اسلام (مسدس حالی) شائع ہوا جو قومی شاعری میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، اس سلسلے میں سب سے زیادہ وقیع رائے سرسید احمد خاں کی ہے وہ مولانا حالی کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"جس وقت کتاب ہاتھ میں آئی جب تک ختم نہ ہوئی ہاتھ سے نہ چھوڑی اور جب ختم ہوئی تو افسوس ہوا کہ کیوں ختم ہوگئی۔ اگر اس مسدس کی بدولت فن شاعری کی تاریخ جدید قرار دی جاوے تو بالکل بجا ہے کس صفائی اور

خوبی اور روانی سے یہ نظم تحریر ہوئی ہے، بیان سے باہر ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ ایسا واقعی مضمون جو مبالغہ، جھوٹ۔ تشبیہاتِ دور از کار سے جو مایۂ ناز شعراء و شاعری ہے، بالکل مبرا ہے کیونکہ ایسی خوبی، خوش بیانی اور مؤثر طریقے پر ادا ہوا ہے۔ متعدد بند اس میں ایسے ہیں جو بے چشمِ نم پڑھے نہیں جا سکتے۔ حق ہے۔ جو بات، دل سے نکلتی ہے دل میں بیٹھتی ہے"

"بے شک میں اس کا محرک ہوں اور اس کو میں اپنے ان اعمالِ حسنہ میں سے سمجھتا ہوں کہ جب خدا پوچھے گا کہ تو کیا لایا۔ میں کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا کر لایا ہوں۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اور قوم کو اس سے فائدہ بخشے"

غرض جو آواز نظیر اکبر آبادی سے شروع ہوئی۔ جس کو اکبر، حالی اور شبلی نے رنگ دیا وہی آواز اقبال کے روپ میں اجاگر ہوئی۔ بیسویں صدی عیسوی میں جیسے جیسے قومی تحریکات کا زور ہوا۔ اسی اعتبار سے قومی نظم نگاری کو فروغ ہوا۔ سرسید احمد خاں بالالتزام ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاسوں میں شعراء سے قومی نظمیں پڑھواتے تھے مولانا حالی لکھتے ہیں۔

"سرسید احمد خاں مرحوم نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں ایک حد تک نظمیں پڑھنا جائز رکھا تھا . . . . اس زمانہ میں جبکہ مسلمان ایسے جلسوں سے بالکل غیر مانوس اور ان کے نتائج سے بالکل بے خبر تھے ضرور تھا کہ ایجوکیشنل کانفرنس میں کچھ ایسا سامان بھی مہیا کیا جائے جس سے مسلمان بالطبع مانوس ہوں اور کانفرنس میں نہایت شوق اور رغبت سے آکر شریک ہوا کریں"

کانفرنس کے اجلاس نصف صدی سے زیادہ عرصے تک برصغیر میں ہر سال منعقد ہوتے رہے جن میں تعلیمی، علمی، مذہبی، معاشرتی، سیاسی غرض ہر اعتبار سے مسلمانوں کے

ملک گیر حالات کا جائزہ لیا جاتا رہا اور علی گڑھ تحریک کو فعال و مؤثر بنانے کی کوشش کی جاتی رہی۔ ان اجلاسوں میں اگر ایک طرف ملک کے مشاہیر، اکابر اور قائدین شریک ہو کر اپنے افکار عالیہ سے نوازتے تھے تو دوسری طرف ممتاز شعراء شریک بزم ہو کر مردہ دلوں کو گرماتے تھے۔ مشاہیر شعراء میں مولانا حالی، علامہ شبلی، فضل حق آزاد، علی حیدر طباطبائی، بے نظیر شاہ، علامہ اقبال، محمد علی جوہر وغیرہ ہیں جنہوں نے کانفرنس کے اجلاسوں میں اپنی نظمیں پڑھیں اور قومی بیداری میں حصہ لیا۔ بعض ایسے حضرات بھی شریک نوا سنجی ہوئے جن کی شاعرانہ حیثیت تو مسلّم ہے مگر ان کو وہ شہرت نصیب نہیں ہوئی جو دوسرے لوگوں کو ہوئی ان بزرگوں نے بھی اپنی منظومات کے ذریعہ قومی شعری ادب میں معتد بہ اضافہ کیا۔

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس (کراچی) نے طے کیا کہ ان تمام منظومات کو بہ تفصیل و شرح مرتب کر کے شائع کیا جائے کیونکہ یہ نادر الوجود نظمیں آج بھی اتنی ہی کارآمد ہیں جتنی پہلے تھیں۔ ترتیب یہ رکھی گئی ہے کہ پہلے اجلاس کی مختصر کیفیت قلم بند کی گئی ہے تاکہ ماحول اور زمانہ کا اندازہ ہو سکے۔ اس کے بعد صدر اجلاس کے حالات لکھے گئے ہیں نہایت ضروری رزولیوشن بھی نقل کر دیئے گئے ہیں تاکہ ان کوششوں کا اندازہ ہو سکے جو اس تحریک کے سلسلہ میں عمل میں آئیں۔ بعض مواقع پر صدر کے خطبے کے ضروری اور اہم اقتباسات بھی دے دیئے گئے ہیں۔ آخر میں ان شعراء کے حالات "مُرقّعِ شعراء" کے عنوان سے باعتبار حروفِ تہجی شامل کئے ہیں جنہوں نے یہ نظمیں لکھی ہیں۔ بعض ایسے شعراء بھی ہیں جنکے حالات بہم نہ ہو سکے۔ لیکن ایسے چند ہی حضرات ہیں۔ افسوس ہے کہ مسلم یونیورسٹی اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا مکمل ریکارڈ پاکستان میں موجود نہیں ہے۔ حتیٰ کہ کانفرنس کی سالانہ رپورٹیں جو اس کتاب کی اساس ہیں وہ بھی معدودے چند ہی دستیاب ہیں۔ لیکن یہ محض حسن اتفاق تھا کہ مذکورہ رپورٹوں میں موجود قومی نظموں کو راقم نے اپنے قیام علی گڑھ کے زمانہ میں رفیق محترم جناب

حکیم شریف الزماں صاحب شریف اکبرآبادی مرحوم سے علیحدہ نقل کرالیا تھا اور وہ میرے پاس بطور ایک قیمتی سرمایہ کے محفوظ تھیں۔ ۱۸۸۶ء سے ۱۹۳۶ء تک کانفرنس کے رزولیوشنوں کا مجموعہ "مرقع کانفرنس" جس میں اجلاسوں کا مختصر حال بھی درج تھا اور ۱۸۸۶ء تا ۱۹۲۶ء صدر صاحبان کے خطبات اور ان کے اجمالی حالات زندگی پر مشتمل کتاب "خطبات عالیہ" (ہر سہ حصص) بھی پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے کتب خانہ میں موجود تھیں۔ ان اہم ماخذوں کی مدد سے نیز ۱۹۳۶ء تا ۱۹۵۰ء علی گڈھ میں اور ۱۹۵۱ء تا ایندم ادارہ سے شب و روز کی قریب ترین وابستگی کی بنا پر حاصل شدہ ذاتی تاثرات و مشاہدات کے سہارے اس کتاب کا مرتب ہو جانا ممکن ہو سکا۔ وہ شعرائے کرام جن کی نظمیں ہیں ان کے حالات میرے شریکِ تالیف عزیز گرامی قدر پروفیسر محمد ایوب قادری نے کافی تلاش و جستجو سے جمع کئے جس کا انھیں بدرجۂ اتم ملکہ ہے۔ عزیز موصوف جس عزم و ہمت سے آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے کاموں میں میرا حق رفاقت ادا کرتے ہیں وہ میرے لئے صد درجہ لائق تشکر و امتنان ہے۔

آخر میں گذارش ہے کہ اس کتاب کو "علی گڑھ تحریک اور قومی نظمیں" کے عنوان سے پیش کیا جا رہا ہے جو اس کا مناسب ترین نام ہو سکتا تھا۔ ناظرین کو اس کتاب میں علی گڑھ تحریک کی نہایت واضح تصویر نظر آئے گی اور امید ہے کہ علمی و ادبی حلقوں میں اس کو ایک تاریخی دستاویز کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

کراچی ۱۶ اگست ۱۹۷۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولوی عبدالمجید ۔ علامہ شبلی ۔ احمد علی شوق

تیسرا سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور ۱۸۸۸ء

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس (علی گڑھ) کا تیسرا سالانہ اجلاس انجمن اسلامیہ پنجاب کی دعوت پر بمقام لاہور زیر صدارت نجم الہند خان بہادر سردار محمد حیات خاں سی، آئی، ای ۲۷ دسمبر ۱۸۸۸ء لغایت ۳۰ دسمبر ۱۸۸۸ء منعقد ہوا۔

سردار محمد حیات خاں ابن سردار کرم خاں پوپل زئی، قصبہ واہ ضلع راولپنڈی کے رہنے والے اور سپاہیانہ وضع کے ساتھ قدیم تعلیم و تربیت کا نمونہ تھے سردار محمد حیات خاں نے انقلاب ۱۸۵۷ء میں سرکار انگریزی کی سرفروشانہ خدمات انجام دی تھیں۔ وہ پنجاب (مغربی پاکستان) کے اکثر اضلاع میں جوڈیشل کمشنر رہے۔ خان بہادر اور سی، آئی۔ ای کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔

سرسید کے خیالات اور ان کے تعلیمی مشن کو پنجاب (مغربی پاکستان) میں کامیاب اور مقبول بنانا سردار صاحب اور برکت علی خاں کی پُرخلوص اور انتھک کوششوں کا نتیجہ تھا۔

سردار محمد حیات خاں کی دعوت پر سرسید نے ضلع گورداس پور کا دورہ کیا اس وقت سردار صاحب وہاں جوڈیشل کمشنر تھے سرسید کو گورداس پور میں جو ایڈریس پیش کئے گئے ان میں ایک ایڈریس اس نوعیت سے منفرد تھا کہ وہ ایڈریس خواتین پنجاب کی جانب سے تھا جو انھوں نے سرسید کو پیش کیا تھا اور یہ سب سے پہلی مثال تھی۔ اس ایڈریس کو خواتین کی جانب سے سردار محمد حیات خاں نے پڑھا تھا۔ کانفرنس کے اس تیسرے اجلاس منعقدہ لاہور کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں پہلی مرتبہ شمس العلما ڈپٹی نذیر احمد

دہلوی شریک ہوئے اور انھوں نے ایک فصیح و بلیغ لیکچر دیا جس کی سرسید احمد خاں نے خاص طور سے تعریف و تحسین کی۔ اس اجلاس کا ایک نمایاں واقعہ یہ بھی ہے کہ لاہور کے اسکولوں اور کالجوں کے مسلم طلبہ نے ۳۰ دسمبر کے اجلاس میں سرسید احمد خاں کی خدمت میں ایک ایڈریس پیش کیا جس میں ان کی قومی تعلیمی اور اُردو زبان کی خدمات کو خاص طور سے سراہا گیا۔

یوں تو اس اجلاس میں مسلمانوں کی تعلیم و تہذیب سے متعلق بہت سے مفید اور کارآمد ریزولیوشن منظور کئے گئے مگر مندرجہ ذیل ریزولیوشن خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

"مسلمانوں میں عام تعلیم نہ ہونے کے باعث جو بعض مذموم اور قابل اعتراض رسوم زور پکڑے ہوئے ہیں اور جن سے مسلمان دن بدن مفلس اور نادار ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ان کی جائدادیں تلف ہوتی جاتی ہیں بالخصوص مسلمان زراعت پیشہ جوان رسومات سے پامال ہو رہے ہیں اور اس وجہ سے اپنے بچوں کو تعلیم دینے اور تعلیم کے اخراجات برداشت کرنے میں قاصر رہتے ہیں۔ ان رسومات کی بیخ کنی اس طرح ہوسکتی ہے کہ ان لوگوں میں عام تعلیم پھیلائی جاوے جس کے ذریعے سے ان رسومات کی برائیوں اور نقائص کو ان کے ذہن نشین کیا جاوے شادی اور غمی کے مواقع کے اخراجات کو مناسب طریق سے محدود کر دیا جاوے اور اس حد کے توڑنے والے سے ایک رقم بطور برادرانہ تعزیر کے لی جاوے اور وہ روپیہ اس ضلع کی اسٹینڈنگ کمیٹی کے امانتدار قوم کی تحویل میں رہے تاکہ وہ اس کو تعلیمی وظائف میں حسب ضابطہ صرف کرے۔"

عربی اشعار جناب مولوی عبدالمجید صاحب خطاب بہ سرسید احمد خاں

لہ پہلے اجلاس علی گڑھ ۱۸۸۶ء منعقدہ بصدارت مولوی سمیع اللہ خاں اور دوسرے اجلاس لکھنؤ ۱۸۸۷ء منعقدہ بصدارت منشی امتیاز علی میں کوئی نظم نہیں پڑھی گئی۔

ایا من لیس لمثلک فی الرجال ۔۔۔ لقد نلت المرام بکل حالِ
وقد اوتیت مکرمۃً وعزًا ۔۔۔ ورأیا صائبًا من ذی الجلالِ
ہدیت لنا صراطًا مستقیمًا ۔۔۔ الی کسب المکارم والمعالِ
مواعظک البلیغۃ معجزات ۔۔۔ سحرت القوم بالسحر الحلالِ
لقد نبہتنا عن نوم جہلٍ ۔۔۔ وکنا فی ظلامات الضلالِ
حزمت العزم للفوز الکبیر ۔۔۔ ولو سبتک سفہاء الرجالِ
اتیت برفقۃ اخوان صدقٍ ۔۔۔ الیٰ ذوقٍ سلیم والکمال
لنفع حماۃ دین الحق جمعًا ۔۔۔ ہم الساعون بالھمم الاعال
وکلٌ منہم ذمرٍ کمیٌ ۔۔۔ وفحل العلم بالعذب المقال
وسید قومنا فیہم کبدرٍ ۔۔۔ یضئ بحسن قول والفعال
قدومکم الیٰ لاہور نصرٌ ۔۔۔ من الرب الذی ہو ذوالتعال
وکان السعی مشکورًا وزالت ۔۔۔ غیاہب نحن فیہا من خیال

ان اشعار کا حاضرین پر بہت تاثر ہوا۔ سرسید نے مولوی عبدالمجید صاحب کا شکریہ ادا کرنے کے بعد تقریر کرتے ہوئے فرمایا "اگر میں آپ کے اس مصرع کی نسبت "ولو سبتک سفہاء الرجال" کچھ عرض کروں تو مجھے معاف فرمایا جائے۔ آپ نے جن کو سفہاء سے تعبیر کیا ہے درحقیقت میں اُن کو دل سے پیار کرتا ہوں اور ان کی دشنام دہی کو پورا حصول مطلب سمجھتا ہوں جب اس کی وجہ آپ سنیں گے تو امید ہے کہ آپ بھی تسلیم کریں گے۔"

"آپ یقین فرمائیں کہ جس طرح میں یورپین سائنس اور لٹریچر کا اپنی قوم میں اعلیٰ درجہ کی ترقی پر ہونے کی کوشش کرتا ہوں اس سے زیادہ میری کوشش اس پر ہے کہ وہ اسلام کو برحق سمجھیں اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ثابت قدم

رہیں ۔ اس مقصد کے لئے میں نے کچھ لکھا اور کچھ کہا اور کچھ کتابیں تصنیف کیں ۔ ان لوگوں نے جن کو آپ نے سنغار کہا ہے یہ سمجھا کہ میرا عقیدہ یا میرا قول اسلام کے برخلاف ہے ۔ فرض کرو کہ اُن کا یہ خیال غلط ہو مگر انھوں نے جو مجھ کو بُرا کہا اس خیال سے کہا کہ میں اسلام کے برخلاف عقیدہ رکھتا ہوں ۔ اور ایسا کرنا خود اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ وہ اسلام پر قائم ہیں اور اسلام سے محبت رکھتے ہیں جو میرا عین مقصد ہے بس انکے دشنام دینے ہی سے میرا مقصد حاصل ہوتا ہے اور یہی سبب ہے کہ میں دشنام دہی سے خوش ہوتا ہوں اور خدا کا شکر کرتا ہوں ۔"

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جوابِ تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

اس کے بعد "مدرسۃ العلوم علی گڑھ" کے ایک طالب علم یاقوت خاں نے مختصر سی تقریر کے بعد مولانا شبلی نعمانی کے مندرجہ ذیل اشعار نہایت دلکش انداز میں پڑھے

اشعار مولانا شبلی

بزم احباب ہے پُر جوش ہے جلسا کیسا
جم گیا پھر طرب و عیش کا نقشا کیسا

صفوۂ عیش کی سطریں ہیں برابر دیکھو
میز کے گرد یہ مجمع ہے صف آرا کیسا

نوجواں جمع ہیں یا عیش کی تصویریں ہیں
ہم نے اس بزم کا کھینچا ہے سراپا کیسا

صف بصف لوگ ہیں اور صدر میں وہ سیدِ پاک
دیکھ اس لوح پہ کھلتا ہے یہ طغرا کیسا

جوش کی آتی ہیں ہر سُو سے صدائیں کیسی
گونج اٹھا زمزمۂ عیش سے خیما کیسا

آئیں اس بزم میں اور قوم کا ڈھنگ دیکھیں
کہتے ہیں جو کہ یہ ہوتا ہے تماشا کیسا

ہاں ترقی کے لئے پھر جو کمر بستہ ہیں ہم
وہ کریں گے جو کیا کرتے تھے دعویٰ کیسا

اپنے ہی ہاتھ میں ہے عقدہ کشائی اپنی
کیا زمانہ کا گلہ چرخ کا شکوا کیسا

دیکھنا آپ کھڑے ہوں گے ہم اپنے بل پر — غیر سے چارہ نوازی کا تقاضا کیسا

قوم کی رگ میں ہے ابتک وہی اسلاف کا خوں — ہو کے پژمردہ بھی ہے یہ گلِ رعنا کیسا

اب بھی اس راکھ میں تھوڑے سے شرر ہیں پنہاں — اب بھی اک فتنہ ہے یہ شاہدِ زیبا کیسا

دیکھنا ذرّے کا چمکے گا ستارہ اک دن — دیکھنا قطرہ یہ بن جاتا ہے دریا کیسا

تم بھی سُن لوگے حریفو کبھی انشاءاللہ — قافلہ قوم کا منزل پہ وہ پہنچا کیسا

ہم ہی وہ سیلِ بلا تھے کہ عرب سے جو بڑھے — آگیا زد میں یہ سب عرصۂ دنیا کیسا

ہم اُلٹ دیتے تھے دنیا کا مرقع دم میں — ہم سے پُرشور تھا یہ گنبدِ مینا کیسا

سب کو ہے یاد کہ تاتار سے لے کر تا روم — ہم نے پامال کیا عرصۂ ہیجا کیسا

سب کو ہے یاد کہ اٹلی کے اُفق پر ہم نے — فتح و نصرت کا اُڑایا تھا پھریرا کیسا

دیکھنا تم کو جو یورپ میں ہمارا ہو جلال — پوچھو اسپین سے تھا قلعۂ حمرا کیسا

ذکر آتا ہے ترقی کا تو آنکھوں میں وہیں — صاف پھر جاتا ہے بغداد کا نقشا کیسا

کچھ فقط تیغ و سناں ہی میں نہ تھے ہم مشہور — ہم نے ہر فن میں دکھایا یدِ بیضا کیسا

روشنی علم کی پھیلائی تھی ہم نے پہلے — ورنہ چھایا تھا زمانے میں اندھیرا کیسا

اب بھی اسلاف کے موجود ہیں جوہر ہم میں — دیکھنا جوش میں آتا ہے یہ دریا کیسا

ہاں کمر بستہ ہو اے قوم ترقی کے لئے — آج کے کام میں اندیشۂ فردا کیسا

نوجوانو یہ زمانے کو دکھا دینا ہے — اپنی قوت کو کیا قوم نے یکجا کیسا

قوم کے تازہ نہالانِ چمن ہو تم لوگ — دیکھیں پھل لاتا ہے یہ نخلِ تمنّا کیسا

بعد ازاں جناب منشی احمد علی صاحب شوق ایڈیٹر اخبار آزاد لکھنؤ ڈائس پر تشریف لائے اور فرمایا "افسوس ہے کہ میں اس مجلس کی سلامی کے لئے کوئی توپ خانہ اپنے ساتھ نہیں لایا مگر اسی وقت دو چار طینچے میرے ہاتھ آگئے ہیں یعنی فی البدیہہ چند رباعیاں کہی ہیں جن سے میں اس قومی مجلس کی سلامی اتارنی چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر

انھوں نے یہ رباعیاں پڑھیں"۔

رُباعیاتِ شوق

ٹیڑھی کچھ آپ کی نظر ہے حضرت
اسلام کے ساتھ یہ بھلائی اے بخت
آخر کہیے تو کیا یہ شر ہے حضرت
بایاں قدم آپ کا کدھر ہے حضرت

دولت نہیں اقبال نہیں جاہ نہیں
تھا علم جو اسلام کا جو ہر وہ بھی
کچھ پاس ہمارے قصہ کوتاہ نہیں
واللہ نہیں ثم باللہ نہیں

کڑیاں جھیلیں تو یاد آئی تیری
اب بھی نہ سنبھالا جو مسلمانوں کو
سُن اور مرے اللہ دُہائی تیری
کام آئے گی کس روز خدائی تیری

یہ جہل کہ اب فہم و ذکا خاک نہیں
جن ہاتھوں میں دولت تھی کبھی آج ان میں
یہ فقر کہ اب گھر میں ذرا خاک نہیں
بس چند لکیروں کے سوا خاک نہیں

کیسے ہوئے کمزور ہم اللہ کی شان
ڈنکے کی چوٹ ہم سے کہتا ہے جہل
دم میں نہ تو دم ہے اور نہ ہے جان میں جاں
تو مان نہ مان میں ہوں تیرا مہماں

دنیا میں جو آئے سیر کیا کیا دیکھی
مایوس نہ ہو جو بڑھ گئے لوگ آگے
اُونچے ہوئے نیچے ہوئے دُنیا دیکھی
بہو بچو چٹکی بجاتے دیکھا دیکھی

دُنیا میں اسی کے ہاتھ بالا رکھے
جب تک اللہ آپ ہے عالم میں
مُنھ حاسدِ کم بخت کا کالا رکھے
بوڑھے سیّد کا بول بالا رکھے

جب جناب شوق رباعیات ختم کر چکے تو سر سید احمد خاں کھڑے ہوئے اور فرمایا "جناب شوق مجھ کو معلوم نہ تھا کہ آپ کی اخیر فیر مجھ پر ہو گی۔ میں آپ کی اس عنایت و محبت کا جو آپ کے دل سے نکلی ہے۔ شکر ادا کرتا ہوں۔ بلا شبہ مجھ کو نہایت فخر ہے کہ اس قدر بزرگ جو اس مجلس میں جمع ہیں اور جن میں آپ سا شیریں بیان و نغز گفتار بھی شامل ہے اُس شخص کے ساتھ جس کو آپ نے بڑھا کہا ہے (حالانکہ وہ ابھی اپنے تئیں گبرو ہی سمجھتا ہے) کیسی محبت و عنایت رکھتے ہیں۔ میں آپ کا دلی نیازمندی سے شکر ادا کرتا ہوں۔"

مولانا حالی، علامہ شبلی، آغا کمال الدین سنجر، مولوی عبداللہ فخری
ارتضا علی شرر، فضل حق آزاد عظیم آبادی، عبدالمجید لاہوری، احسان علیخاں شاہجہانپوری

چوتھا سالانہ اجلاس منعقدہ علی گڑھ ۱۸۸۹ء

کانفرنس کا چوتھا سالانہ اجلاس علی گڑھ میں دسمبر ۱۸۸۹ء میں منعقد ہوا - یہ اجلاس جسٹس سید محمود نے مدعو کیا تھا اور انھوں نے تمام مصارف برداشت کئے اجلاس کے لئے اسٹریچی ہال کی ناتمام عمارت منتخب کی گئی جس پر کپڑے کی عارضی چھت منڈھ کر تیار کی گئی تھی مدرستہ العلوم کے چوک میں مہمانوں کے قیام کے لئے خیمے اور شامیانے نصب کئے گئے تھے۔ معزز مشاہیر نے مہمانوں کے استقبال و مدارات کی ذمہ داری لی، خان بہادر محمد برکت علی خاں جنرل سکریٹری انجمن اسلامیہ پنجاب نے لاہور کے مہمانوں کی، جناب خواجہ محمد یوسف شاہ نے امرتسر کے مہمانوں کی، خان بہادر منشی قادر بخش خاں غلام غازی محمد خاں اور سردار بہادر غلام حسین خاں نے فیروز پور و جالندھر کے مہمانوں کی آسائش کی ذمہ داری قبول کی اسی طرح دوسرے اکابر نے یہ خدمات انجام دیں۔

اس اجلاس کے صدر بھی سردار محمد حیات خاں مقرر ہوئے تھے مگر ان کے بروقت نہ پہنچنے کی وجہ سے خاں بہادر برکت علی خاں کے لئے عارضی صدارت کی تحریک پیش ہوئی اور خان بہادر صاحب کی صدارت میں کارروائی کا آغاز ہوا۔

خان بہادر محمد برکت علی خاں ابن محمد عارف خاں ۲۱ نومبر ۱۸۲۱ء کو شاہجہانپور (یو پی) میں پیدا ہوئے ان کے والد انگریزی فوج میں ملازم تھے۔ برکت علی خاں کا تقرر تھانیدار کے عہدے پر ہوا۔ پنجاب کی فتح کے موقع پر انھوں نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں وہ انگریزوں کے خیر خواہ رہے ۱۸۶۰ء میں تحصیلدار اور ۱۸۶۹ء میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے یکم جنوری ۱۸۸۲ء کو پنشن یاب ہو کر

لاہور میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ ۷ / اگست ۱۹۰۵ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔

خان بہادر برکت علی خاں پنجاب یونیورسٹی کے فیلو تھے انھوں نے ۱۸۶۵ء میں گجرانوالہ میں مدرسہ تعلیم نسواں اور ۱۸۶۹ء میں انجمن اسلامیہ پنجاب قائم کی لاہور میں برکت علی محمڈن ہال ان کی یادگار ہے۔ پروگرام کے موافق سب سے پہلے سرسید احمد خاں نے ایک تحریری لکچر پڑھا جس میں مدرستہ العلوم کے حالات پر روشنی ڈالی گئی تھی اسی اجلاس میں ضلع سیال کوٹ اور مدرسۂ اسلامیہ ملتان کی ڈور رپورٹیں بھی پیش ہوئیں۔ اس اجلاس میں ایک ریزرو فنڈ قائم ہوا جس سے ہونہار طلبار کو وظیفے دیئے طے ہوئے اور اس کا نام "ایجوکیشنل کانگریس اسکالرشپ" رکھا گیا۔ کانفرنس میں مختلف ریزولیشنوں کے علاوہ ایک یہ ریزولیشن پاس ہوا کہ

> "سرکاری کالجوں اور اسکولوں میں کوئی ایسی کتاب جس سے اہانت مذہب اسلام کی ہوتی ہو داخل نہ ہونی چاہیئے اور کانگریس بالتخصیص الہ آباد یونیورسٹی سے درخواست کرے کہ "کاکس ہسٹری" کہ جو انٹرینس کے کورس میں داخل ہے اور جس میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی نسبت اہانت کے الفاظ مندرج ہیں۔ کورس سے خارج کی جاوے"

اس اجلاس میں مولانا الطاف حسین حالی، مولانا شبلی، آغا کمال الدین سنجر، مولوی عبداللہ فخری لاہوری، منشی ارتضیٰ علی کاکوروی، حافظ فضل حق آزاد عظیم آبادی، مولوی عبدالمجید لاہوری اور مولوی احسان علی خاں شاہجہانپوری نے نظمیں پڑھیں جو نہایت دلچسپی سے سُنی گئیں۔ یہ نظمیں درج ذیل ہیں۔

ترکیب بند مولانا حالی

زمانہ دیر سے چلا رہا ہے اے مسلمانو ‏ ‏ کہ ہے گردش میں میری غیب کی آواز بھی تو
سُنے ہوں گر نہ معنی لاتسبوا الدہر کے تمنے[1] ‏ ‏ تو اب سُن لو کہ ہوں میں شان ربانی مجھے مانو

---

[1] یہ ایک حدیث کیطرف اشارہ ہے جسکے الفاظ یہ ہیں لاتسبوا الدہر فان الدہر ھو اللہ یعنی زمانہ کو برا نہ کہو کیونکہ وہ بھی ایک شان ہے شیون الہٰی میں سے اور زمانہ کے جو واقعات تم کو ناگوار گزرتے ہیں وہ درحقیقت

وہ ناصح اور ہوں گے جن کا کہنا ٹل بھی جاتا ہے
اگر میری نہ مانو گے تو پچھتاؤ گے نادانو

مری بازی کا منصوبہ گیا کب کا پلٹ یارو
خبر تم کو بھی ہے کچھ؟ اے مری چالوں سے بیگانو

گئے وہ دن کہ نفریں کرتے تھے دیندار دنیا پر
بقائے دین و ملت منحصر دنیا پہ اب جانو

گئے وہ دن کہ ثروت باپ دادا چھوڑ جاتے تھے
بس اب ثروت ہے مزدوروں کا حصہ اے تن آسانو

گئے وہ دن کہ لاکھوں بے ہنریاں عیش کرتے تھے
ہوا ہے بے ہنر جینا بھی مشکل اے مری جانو

مٹے ہو جس ہنر جس فن پہ تم وہ مٹنے والے ہیں
یہ سودا کب تک اے شمع سحر گاہی کے پروانو

بھرا سمجھے ہو جس گھر کو نہیں [illegible] کوئی
کہاں بیٹھے ہو تم اے خانۂ ویراں کے دربانو

نصیحت میری مانو اب بھی اپنی ہٹ سے باز آؤ
پھری جس وقت دیکھو میری چتون تم بھی پھر جاؤ

گیا دورہ حکومت کا بس اب حکمت کی ہے باری
جہاں میں چار سو علم و عمل کی ہے عملداری

جنھیں دنیا میں رہنا ہے۔ یہ ہے معلوم یہ ان کو
کہ ہیں اب جہل و نادانی کے معنی ذلت و خواری

ضرورت علم و دانش کی [illegible] فن اور صناعت میں
نہ چل سکتی ہے اب بے علم تجارت نہ معماری

جہاں علم تجارت میں نہ ماہر ہوں گے سوداگر
تجارت کی نہ ہوگی تا قیامت گرم بازاری

نہ آئیگی پسند ان نوکروں کی خدمت و طاعت
جنھیں پائیں گے آقا زیور تعلیم سے عاری

اگر چاہیں گے کرنی آدمی گھوڑوں کی سائیسی
تو دینا ہوگا ان کو امتحان علم بیطاری

نہ مستغنی بکاول علم سے ہیں اب نہ باورچی
ہوا ہے مدرسوں سے مطبخوں تک فلسفہ جاری

یقیں جانو کہ آئندہ ملے گی درسگاہوں میں
گر آٹا پیسنے کو چاہئے گی اک پنہاری

کوئی پیشہ نہیں اب معتبر بے تربیت ہرگز
نہ فصادی نہ جراحی نہ کحالی نہ عطاری

جہاں تک دیکھئے تعلیم کی فرمانروائی ہے
جو سچ پوچھو تو نیچے علم ہے اوپر خدائی ہے

گئے وہ دن کہ تھا علم و ہنر انساں کا اک زیور
ہوئی ہے زندگی خود منحصر اب علم و دانش پر

کوئی بے علم روٹی سیر ہو کر کھا نہیں سکتا — نہ زرگر اور نہ آہن گر نہ بازی گر نہ سوداگر

مہندس چاہئے مزدور اب اور راج اقلیدس — بس اب دنیا میں بے علموں کا ہے اللہ ہی یاور

نہ پہنے گا کوئی جاہل کی شاید سی ہوئی جوتی — بس اب موچی فلاطوں سے یوں ہی کچھ ہوں تو ہوں کمتر

جہاں داری میں آج ایک ایک عاقل ہے جم و کسریٰ — جہانگیری میں ہے ایک اک سپاہی طغرل و سنجر

گئے وہ دن کہ تھے محدود کام انسان کے سارے — برابر تھا بئے کا گھونسلا اور آدمی کا گھر

یہ دورہ ہے بنی آدم کی روز افزوں ترقی کا — جو آج اک کام ہے اعلیٰ تو کل ہے اس سے اعلیٰ تر

کوئی دن میں خسارہ سب سے بڑھ کر اس کو سمجھیں گے — کہ دو دن آدمی ٹھہرا رہے یاں ایک حالت پر

نہ تھا غیر از ترقی فرق کچھ انسان و حیواں میں — دیا ہے امتیاز انسان کو یہ تعلیم نے آکر

زمانہ نام ہے میرا تو میں سب کو دکھا دوں گا
کہ جو تعلیم سے بھاگیں گے نام ان کا مٹا دوں گا

ہمارے شکر کے لائق تو احساں اس کا بالا ہے — کہ جس نے قوم کی تعلیم کا یاں ڈول ڈالا ہے

خدا کی برکت اور رحمت ہو نازل تجھ پہ اے سید — کہ تو نے بھائیوں کا ڈوبتا بیڑا سنبھالا ہے

فدائی قوم کے تجھ سے ہی گزرے ہوں گے دنیا میں — کہ دلسوزی کا جن کی آج دنیا میں اجالا ہے

بھلائی کا تری احسان مانیں یا نہ مانیں ہم — بھلائی کرنے والوں کا ہمیشہ بول بالا ہے

کریں کیا گر نہ ابنائے زماں ہوں بدگماں تجھ سے — کہ وہ دل کی کیفیت سمجھتے ان کی بالا ہے

نمونہ کوئی ہمدردی کا دیکھا تھا نہ یاروں نے — ترے کاموں نے ان کو اس لئے حیرت میں ڈالا ہے

کیا ہے کام جو تو نے نہ ڈر انجام سے اس کے — کہ نیکی کا نشاں قائم خدا خود رکھنے والا ہے

کیا گو تو نے سب کچھ پر بہت کچھ ہے ابھی کرنا — ہے آخر قوم کی تعلیم یا منہ کا نوالا ہے

جسے احباب اک قصر رفیع الشاں سمجھتے ہیں — نہ ہو تو اس کا پختہ بانی تو اک مکڑی کا جالا ہے

عزیزوں کو خدا وہ نامبارک دن نہ دکھلائے
کہ سایہ تیری ہمدردی کا ان کے سر سے اٹھ جائے

ترے احسان، وہ مرکر سدا یاد آئینگے ان کو
کریں گے ذکر ہر مجلس میں اور دہرائینگے ان کو

تری کوشش پہ تیری زندگی میں جو کہ ہنستے ہیں
نتائج اس کے تیرے بعد خوں رُلوائینگے ان کو

تری رایوں کو جو منسوب کرتے ہیں ضلالت سے
زمانہ کے نتائج جلد تر شرمائیں گے ان کو

ترے کاموں کو خود رائی پہ جو محمول کرتے ہیں
دل ان کے کوئی دن جاتا ہے خود جھٹلائینگے ان کو

انھوں نے خود غرض شکلیں کبھی دیکھی نہیں شاید
وہ جب آئینہ دیکھیں گے تو ہم دکھلائینگے ان کو

بہت مشکل ہے جانی سرد مہری قوم کے دل سے
مگر تیرے ہی دل کے داغ کچھ گرمائینگے ان کو

اگر ہیں بھی کہیں کچھ کچھ دبی چنگاریاں باقی
لگائینگے وہ گھر میں آگ جب سلگائینگے اُن کو

بہت ہیں مدعی ہمدردیٔ اسلام کے لیکن
ٹٹولیں گے انھیں جب یار خالی پائینگے اُن کو

کبھی تسبیح کو اُن کی ملی فرصت وظائف سے
تو تیری خدمتیں اسلام کی گنوائیں گے ان کو

ملا گو قوم سے اب تک نہیں اُصلا صلا تجھ کو
نہیں اُمید پر تجھ سے کہ ہو اس کا گلا تجھ کو

جنھوں نے قوم کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا ہے
انھوں نے پھل سدا محنت کا کم دنیا میں پایا ہے

یہ تیری خوش نصیبی تھی کہ ثمرہ تیری کوشش کا
خدا نے زندگانی میں تری، تجھ کو دکھایا ہے

بہت جھکڑ چلے اور آئیں اکثر آندھیاں لیکن
رہا گلزار ہو کر باغ جو تو نے لگایا ہے

دیا ہے ساتھ بھی تیرا ہزاروں نے دل و جاں سے
اگر دو چار نے کچھ کہہ کے تیرا دل دکھایا ہے

ادھر پورب سے پچھم تک ادھر اتر سے دکھن تک
مددگار اپنا جس گوشے میں ڈھونڈھا تو نے پایا ہے

اُدھر سے سندھ تک کشمیر سے راس کماری تک
دلوں میں تو نے سکہ شہر شہر اپنا بٹھایا ہے

دکن میں تیرے یاور ہیں، دوآبہ میں ترے ساتھی
ترا مداح ملکوں میں ہر اک اپنا پرایا ہے

خصوصاً وہ مبارک ملک جس نے ہند میں اول
رکاب اسلام کی تھامی اور اس پر سر جھکایا ہے

خدا کی برکتیں پنجاب اور پنجاب والوں پر
جنھوں نے ہر سفر میں تجھکو آنکھوں پر بٹھایا ہے

جنھوں نے قوم کا ہمدرد دل سے تجھ کو مانا ہے
تری نصرت میں اخلاص مسلمانی دکھایا ہے

نہ ہو افسردہ دل اور قوم پر فیض اپنا رکھ جاری
کہ اک ہمت سے تیری بندھ رہی ہیں ہمتیں ساری

ہوئے ہیں سرد دل یاروں کے تو ڈھارس بندھاتا رہ
امیدیں ان کی استقلال سے اپنے بڑھاتا رہ

ہَوا پُروا ہو یا پچھوا نہ کر تو اس کی کچھ پروا
لگایا ہے چمن جو تو نے پودا اس میں لگاتا رہ

امیدیں ہیں بہت وابستہ تیری زندگانی سے
دعائیں قوم کی لے لے کے عمر اپنی بڑھاتا رہ

ابھی سیراب کم ہیں اور بہت ہیں تشنہ لب ساقی
سبیل آخر لگائی ہے تو پیاسوں کو پلاتا رہ

نہیں تعلیم بے علموں کی کم احیائے موتیٰ سے
جہاں تک تجھ میں دم باقی ہے مُردوں کو جلاتا رہ

زبانیں تو نے گر اپنے پہ کُھلوائی ہیں حق کہہ کر
تو خاموشی سے اپنے نکتہ چینوں کو تھکاتا رہ

فرو ہوتی نہیں آتش سے جب آتش بھڑکتی ہے
ہر اک شعلے کو آپ بردباری سے بجھاتا رہ

کیا ہے زندہ قوموں کو سدا قوموں کے کشتوں نے
مہم گر فتح کرنی ہے تو چوٹیں دل پہ کھاتا رہ

شدائد میں تحمل خاص میراث انبیا کی ہے
جو تو آلِ محمدؐ ہے تو سب صدمے اُٹھاتا رہ

کوئی دن اور اس دار المحن میں رنج سہنا ہے
پھر اس کے بعد تجھ کو زندۂ جاوید رہنا ہے

عزیز و حق کی نعمت ہے یہ پیر ناتواں ہم میں
پھر ایسا پیر ہے ہم میں نہ کوئی نوجواں ہم میں

ہزاروں ہم میں ہوں گے بیچلر او۔ ماسٹر پیدا
مگر اے قوم پھر یہ صورتیں پیدا کہاں ہم میں

ہو ہم میں قوم کا ہمدرد یہ قدرت خدا کی ہے
نہیں رشتہ کوئی مدت سے باقی درمیاں ہم میں

ہمارے تفرقوں نے کر دئے تحلیل سب اجزا
نہ پاؤ گے کہیں ترکیب قومی کا نشاں ہم میں

ابھی اٹھ کر فلاحِ قوم پہ کوئی کمر باندھے
ہزاروں اُس سے ہو جائینگے پیدا بدگماں ہم میں

ابھی سُن لیں کسی قومی جماعت میں شکر رنجی
ہزاروں ہوں گے یہ بدفال سُن کر شادماں ہم میں

بن آئے قوم کی خدمت تو کیونکر ہم سے بن آئے
نہ دُور اندیشیاں ہم میں نہ خیر اندیشیاں ہم میں

اگر بوجھ اس پہیلی کی نہ سید ہم کو بتلاتا
تو اسلامی اخوت تھی فقط اک چیستاں ہم میں

نہ کی سید کے منصوبوں کی گر تائید یاروں نے
تو پھر ہرگز سنبھلنے کی نہیں تاب و تواں ہم میں

بہت مشکل سے ہاتھ آیا ہے منزل کا نشاں یا رو
پہنچنے دو سلامت تا بہ منزل کارواں یا رو

رہو جیسے رہے ہو قوم کے غمخوار و یار اب تک کرو ڈھنڈلا نہ اس رستے کو جو ہے بے غبار اب تک

جماعت کو تمہاری دیکھتے ہیں لوگ حیرت سے
تمہارے دم سے ہے کچھ قوم کا باقی وقار اب تک

تمہاری کوشش اور ہمت کا چرچا ہے زمانے میں
تمہاری خدمتوں کی قوم ہے منت گزار اب تک

جو کام انجام کرنا ہے تو سید کے رہو حامی
کہ قومی کامیابی کا اسی پر ہے مدار اب تک

وگرنہ دوستو سن لو کہ ہے آپس کی اُن بن کا
وہی انجام جو ہوتا رہا ہے آشکار اب تک

پڑے ہیں جا بجا بکھرے ہوئے اطراف عالم میں
کھنڈر لاکھوں ہمارے تفرقوں کے یادگار اب تک

ہزاروں باغ ویراں ہو گئے آپس کے جھگڑوں میں
پلٹ کر پھر نہیں آئی جہاں فصلِ بہار اب تک

سفینے غرق لاکھوں کر دئے بادِ مخالف نے
زمانے کو نہیں معلوم خود جن کا شمار اب تک

نہ سمجھو یہ کہ فارغ ہو گئے ہم خاک میں مل کر
ہماری گھات میں ہے انقلابِ روزگار اب تک

نظر آتا نہیں یاں حملۂ دوراں سے بچنے کو
سوا اک درسگاہِ قوم کے کوئی حصار اب تک

کرو پورا حصارِ قوم کو سر جوڑ کر یارو
ہٹاؤ حملۂ دوراں کو سب جی توڑ کر یارو

یہ دار العلم سدِّ راہ آسیب زماں ہوگا
اسی دار الشفا میں بخت بیمار اپنا جواں ہوگا

نہیں صورت اُبھرنے کی ہماری کوئی پستی سے
اگر ہوگا اسی گھر سے بلند اپنا نشاں ہوگا

کمی نے کر دیا ہے علم کی ہم کو سبک سب سے
اسی پاسنگ سے ہوگا تو یہ پلہ گراں ہوگا

یہ بیت العلم روز افزوں ترقی کا ہے سرچشمہ
اسی چشمے سے دیکھو گے کہ اک دریا رواں ہوگا

یقیں ہے ٹہنیاں پھیلیں گی طوبیٰ سے سوا اسکی
ہمارے واسطے دنیا میں یہ باغ جناں ہوگا

اگر راس آگئی آب و ہوا اس کھیت کی ہم کو
تو جو اُٹھے گا پودا اس زمیں سے آسماں ہوگا

اگر اسلام میں باقی ہے خصلت حق شناسی کی
تو ایک اک نونہال اس باغ کا خود باغباں ہوگا

کہ حق نے عالم اسباب دُنیا کو بنایا ہے
تو جو نکلے گا یاں سے کامیاب و کامراں ہوگا

بہت مدت سے ہے قحط الرجال اے قوم اُمت میں
اسی کھیتی سے اس میں جنس مردم کا سماں ہوگا

بنا اسلام کی کہتے ہیں، یہ تعلیم ڈھائے گی
نہ ڈھینے دے گا حق اسلام پر گر مہرباں ہوگا

کسوٹی ہے یہ دارالعلم اسلامی اخوت کی ہم اس سے بدگماں ہونگے جو اس سے بدگماں ہوگا

کبھی یاں آکے کچھ دیکھا بھی ہے اے نکتہ چیں یا رو

برا کہنا گھر وں میں بیٹھ کر اچھا نہیں یارو

اگر رکھتے ہیں دل پہلو میں آکر یہ چمن دیکھیں ریاض قوم کا فصل خزاں میں بانکپن دیکھیں

وطن کو جو سمجھتے ہیں کہ ہے ترجیح غربت پر وہ آکر شام غربت بہتر از صبح وطن دیکھیں

ہوئے ہیں جمع یاں جو نونہال اطراف سے آکر ہم سب کو شریک شادی و رنج و محن دیکھیں

محبت ان میں جب دیکھیں تو سمجھیں بھائی ماں جائے وطن پوچھیں تو ہند و سندھ پنجاب و دکن دیکھیں

اگر غیبت میں پوچھیں ایک کا حال ایک سے آکر تو ہر طفل و جواں میں حفظ غیب و حسن ظن دیکھیں

تکلف سے بری ایک اک دکھیں اور بناوٹ سے سخن میں راستی دیکھیں بیاں میں سادہ پن دیکھیں

تواضع منعموں کی دیکھیں اور غربت غریبوں کی ادب بچوں کا دیکھیں نوجوانوں کا چلن دیکھیں

تامل رائے میں دیکھیں تو دیکھیں کام میں پھرتی لڑائی فیلڈ میں دیکھیں کلب میں یونین دیکھیں

نہ بو ان میں غلامی کی نہ بیباکی کی خو ان میں ادب اور معتدل آزادگی ان کا چلن دیکھیں

سلف پر فخر دیکھیں اور تاسف اپنی حالت پر لگن اسلام کی اور قوم کی دل میں جلن دیکھیں

نمازوں کا تقید دیکھیں اور روزوں کی پابندی

اجازت نیک کرداری کی، اور ہر کام کی بندی

کلب میں آکے گر احباب رنگ انجمن دیکھیں تو زیب کرسی صدر اک مجسم یونین دیکھیں

نہ دیکھی ہوں جنھوں نے شفقت و الفت کی تصویریں وہ پیک اور اسکے شاگردوں کو باہم ہم سخن دیکھیں

تاسف کرتے ہیں جو ہند کی نااتفاقی پر کلب میں ہندیوں کے آئین و اور یونین دیکھیں

اگر باور نہ ہو اخلاص سنی اور شیعی کا ہم شیر و شکر یاں چار یار و پنجتن دیکھیں

نہ دیکھا ہو جنھوں نے پیار ہندو اور مسلماں کا وہ آکر مسلم اور ہندو کو یکجان و دو تن دیکھیں

مسیحی پوششیں دیکھیں مسلمانوں کے بچوں کی مسیحی کو مسلمانی قبا زیب بدن دیکھیں

مجسم دیکھنی ہو شکل مہر مادری جن کو
وہ بچوں سے سلوک آرنلڈ و میریسن دیکھیں

اگر ہو دیکھنی تقریر میں تصویر معنی کی
تو والس کا بوقت درس انداز سخن دیکھیں

اگر اسکول میں چاہیں کہ دیکھیں ہورسٹ کو آکر
فرائض میں تمام اوقات اسکے مرتہن دیکھیں

دم تدریس دیکھیں چکرورتی کو اگر برسوں
نہ پیشانی پہ بل دیکھیں نہ ابرو میں شکن دیکھیں

ادب اور مشرقی تاریخ کا ہو دیکھنا مخزن
تو شبلی سا وحید عصر و یکتائے زمن دیکھیں

اگر بوجعفر طوسی کو زندہ دیکھنا چاہیں
تو عباس ابن جعفر سا محیط علم و فن دیکھیں

سخن کوتاہ ۔ دارالعلم پر ہوں قوم کے نازاں
جو آکر اس کا ایک اک دُرِ مکنوں من و عن دیکھیں

پھر ان کے بعد دیکھیں گر مربی اپنے بچوں کا
تو اک بچوں سے بڑھ کر زندہ دل پیرکہن دیکھیں

خوشی میں رنج میں صحت میں بیماری میں دکھ سکھ میں
لیے جب آکے دیکھیں قوم کی دھن میں مگن دیکھیں

رہیں چپ کس طرح ہم باغباں کی مدح و تحسیں سے
جب ایسا حیرت افزا آنکھ سے اپنی چمن دیکھیں

نہ سمجھیں یہ کہ ہے اس کو ہماری مدح کی پروا
اگر سید کا استحقاق اہل انجمن دیکھیں

محب قوم سنتا ہے در و دیوار سے تحسیں
جنہیں باور نہ آئے وہ محب قوم بن دیکھیں

ادا سید کا حق تو ہم سے ہو سکتا ہے کیا حالی
مگر ہاں ہم کو اپنا فرض کرنا تھا ادا حالی

ترکیب بند مولانا شبلی

حیرتم می برد اینکہ بدیں زینت و ساز
چیست ایں بزم بآئین دگر بست طراز

جلوہ گاہے ست ہمانا ہمہ رنگ ہمہ بوئے
بزمگا ہیست ہمانا ہمہ برگ و ہمہ ساز

مژدہ باد اہل نظر را کہ تماشا مفت است
شاہد بزم دگر چہرہ برافروخت بہ ناز

بسکہ شور طرب از خاک بگردوں برشد
باز ایں گنبد فیروزہ پرست از آواز

ہاں بہ آئین ادب آئی کہ سرتا سر بزم
پردۂ دیدہ بود فرش بہ پہنا و دراز

بزم را تا چه قدر پایه بلند ست امروز / بسکه والا گہراں اند درو جلوه طراز

در صفِ صدر، جواں حوصله پیرے بنگر / رہبرِ قافلهٔ ما به نشیب و به فراز

واں گراں مایه بزرگاں که ز بیتابیِ شوق / در نوشتند بپائے طلب ایں راه دراز

ہمه خوشخوے و ہمایوں نفس و پاک نہاد / ہمه دانش طلب و دیده ور و نکته نواز

گر حدیث از شرفِ نسبتِ ایشاں گزرد / انجمن را بتواں گفت که بر خویش بناز

فرّهٔ بزم نگر، گرمیِ ہنگامه ببیں / ور بپرسی که چرا ایں ہمه زیب ست و طراز

باز گفتے به سخن پیچم و در ذوقِ سخن / ندہم پاسخ و افسانه ز سر گیرم باز

انتظارِ تو و شوقِ تو چو از حد گزرد / لاجرم پرده کشایم ز رخِ شاہدِ راز

تہنیت گویم و از جا روم از جوشِ طرب / مژده بر مژده رسانم که بعد زینت و ساز

باہمه فرّه و فر باہمه تمکین و شکوه / چار میں مجلسِ تعلیم نہادند آغاز

ہی چه آغاز که پیرایهٔ ایام ست ایں
ہی چه آغاز که طغرائے صد انجام ست ایں

ہاں بیا عرصهٔ گه شوق و تمنا بنگر / ہاں بدریوزهٔ فیض آی و مواسا بنگر

آنچه از گرمیِ ہنگامه و انبوہِ بناز / ہیچ جائے نتواں یافت به ہر جا بنگر

گوشه ہا محوِ نوا ہائے دل آویز ببیں / دیده ہا را ہمه حیرانِ تماشا بنگر

آں گراں مایه بزرگاں که بدانش مثل اند / ہمه را جائے، دریں بزمِ دل آرا بنگر

ور نشاں می طلبی، بہرِ شناسا بودن / فرّهٔ تابشِ اقبال بسیما بنگر

نگه از ہر سوے، حالیِ آزاده فگن / واں نذیر احمدِ طوطیِ شکرخا بنگر

آں یکے را بلب آں نغمهٔ جانسوز ببیں / واں دگر را بکف، آں دفترِ انشا بنگر

پس ازاں پایه فرود آی و بپائین بساط / شبلیِ دل زده را، زمزمه پیرا بنگر

نادرِ چند که ریزد ز لبش باز شنو / پس، ز جا رفتنِ دلہائے شکیبا بنگر

تا بسنجے کہ فغانش نہ بود بے چیزے
انچہ بر ما رود از چرخ ستم را بنگر

ہر چہ از شوکت اسلام شنیدی زیں پیش
اینک آں زمزمہ را مایۂ سودا بنگر

اینک آں دفترِ اقبال پراگندہ ببیں
اینک آں نسخہ اسلام مجزّا بنگر

دودمان ہا، ہمہ سرگشتۂ حرماں دریاب
خان ماں ہا، ہمہ در رفتہ بہ یغما بنگر

آں جگر دوز فغان ِسخنی احباب شنو
واں دل آشوب شکر خندۂ اعدا بنگر

بگذر از کج روی چرخ و نگوںساری بخت
انچہ بر ما رود از جور، ہم از ما بنگر

چند با بخت و فلک -دست و گریباں باشیم
صرفہ آں ست کہ از کردہ پشیماں باشیم

روزگاریست کہ سرگشتۂ سعییم مگر
نخل اندیشۂ ما ہیچ نیاورد ثمر

ہر چہ گفتیم و شنیدیم بجائے نہ رسید
گرچہ صد بار بگفتیم و بگوئیم دگر

ہیچ از ناوک تدبیر نیامد بہ نشاں
ہمہ بگزار، ہمیں کانگریس را بنگر

چار سال ست کہ ایں جادہ نوردیم و ہنوز
حاصل ما نہ بود زاں ہمہ جز بوک و مگر

تا چہ سوداست کہ در عرصۂ سالی دو سہ روز
نغمہ چند سرایند بہ آہنگ اثر

تا چہ سود است کہ در بزم ہنجبار سخن
مصرعہ چند بہ بافند، بخوانند از بر

ہم ز ہر ناحیۂ، دیدہ دراں جمع آیند
وانگہ آں دفتر پارینہ کشایند از سر

آں یکے گرم، ز جا خیز دو استد بر پائے
رو بہ بزم آرد و بحثے نہد اندر محضر

ہم براں حرف دل آویز زبان و ہیچ
گو یدآں گونہ کہ رسم ست در آئین ہنر

حاضراں جملہ بہ تسلیم و بہ انکار آیند
خود گماں بردہ از پی بودش نفع و ضرر

بس فراواں سخن از گفتہ و ناگفتہ رود
تا بجائے کہ خود آں حرف شود یک دفتر

دو سہ بحثے کہ گزینند بہ پایان سخن
جملہ دارند قبولش کہ ازیں نیست مفر

بعد ازاں کا ہمہ ہنگامہ نشینند از پائے
بزم برہم شود و خلق شود راہ سپر

آں سخن ہا ہمہ افسانہ و افسوں گردد　　آں بنا ہا ہمہ یک بارہ شود زیر و زبر
دل ز اندیشہ تہی گردد و یاران عزیز　　مست خسپند بہ غفلت کدہ تا سال دگر

خود ہمیں ست گر آئین طلب گاری ما
وائے بر ما و بریں ہرزہ زیاں کاری ما

چند سال ست کہ یک کس ز عزیزان دیار　　می ندانست کہ چوں می گذرد لیل و نہار
تا چہ نیرنگ ہمی آورد از پردہ سپہر　　تا چہ در باخت ز بازئ فلک عربدہ کار
از غلط کاری ما بر سر اسلام چہ رفت　　تا چہ بودیم و چہ ہستیم و چہ داریم شعار
غافل از کار و ہم از فتنہ گریہائے فلک　　فارغ از خویش و ہم از خستگی خویش و تبار
ہمہ را بادۂ دوشینہ فرو بردہ بخواب　　ہمہ را مستی پیشینہ در افزودہ خمار
ماہماں مست بخواب اندر و نیرنگ سپہر　　فتنہ ہا ریخت نہ چندانکہ تواں کرد شمار
سختی دہر چو از حوصلۂ صبر گذشت　　برگرفتیم سر از خواب، سراسیمہ و زار
لب پر از گریہ کہ آہ ایں چہ جفا رفت بما　　دل در اندیشہ کہ ہے تا چہ بود چارہ کار
ہر یکے گرم براہ طلب افتاد چناں　　کہ دراں پویہ ندانستی روز از شب تار
گرچہ راندند دریں رہ بہ نشیب و بہ فراز　　پایہ ہا گرچہ دریں مرحلہ ماند از رفتار
ہم ز بے راہ روی بود کہ با ایں تگ و پوے　　خود بسر منزل مقصود نیفتاد گذار
از تبہ کاری و بربادی ما ہیچ نکاست　　ماہمانیم و ہماں بر ہمی شہر و دیار
پستی بخت ہم امروز چناں ست کہ بود　　حالت جملہ ہم امسال ہماں ست کہ پار
دادرا، ایکہ جہاندار و جہاں بخش توئی　　بندگانِ تو دریغ ست کہ باشند نزار
بپسندایں کہ نشیند بایں روز سیاہ　　خاک بوسانِ سر کوئے رسولِ مختار

دادرا، ہاں بپسند اینکہ دریں کد باشیم
ما کہ از حلقہ بگوشانِ محمدؐ باشیم

قصیدہ

آغا کمال الدین سنجر

کنم بنام خدا و ند گار عنواں را | کہ نطق داد و رواں داد آفرش جاں را
ہماں خدائے مقدس کہ دست قدرت او | نمودہ پہن بساط بسیط گیہاں را
ہماں خدائے معظم کہ ذات اقدس او | بعقل و علم بیاراست شخص انساں را
ہماں خدائے کہ از ترک سجدۂ آدم | رجیم کرد ز درگاہ قرب شیطاں را
ہماں خدائے مکرم کہ بر رسول کریم | ز روئے معجزہ نازل نمود قرآں را
ہماں خدائے کہ از سنگلاخ خاک عرب | زمین دین دمانید باغ و بستاں را
ہماں خدائے کہ از فرد دین ختم رسل | عطا بز مرۂ اسلام کرد ایماں را
ہماں خدائے کہ با مصطفیٰ شب معراج | ز پردہ داد برون رازہائے پنہاں را
ہماں خدائے کہ بر اہل کفر چیرہ نمود | بزور و قوت دین نبی مسلماں را
ایا جماعت آنیم ما کہ در رہ دیں | چو خارہ خار شمردیم مال و ہم جاں را
ایا جماعت آنیم ما کہ در بغزا | خدائے داد بما نصرت نمایاں را
ایا جماعت آنیم ما کہ در اسلام | تہی ز کفر نمودیم سطح گیہاں را
ایا جماعت آنیم کو بہ نصفت و داد | بروں ز دہر نمودیم ظلم و طغیاں را
بلے جماعت اسلام ما ہمانستیم | کہ نور طلعت ما بود زیب ایواں را
ہماں گروہ فقیریم کو بدولت دیں | بضرب تیغ گرفتیم روم و ایراں را
ہماں گروہ قلیلیم کو بشوکت و فر | خدائے داد بما شوکت فراواں را
ہماں گروہ شجاعیم کو بگاہ نبرد | ز فرق پوست کشیدیم شیر غراں را
ہماں گروہ غیوریم کز شکستن بت | بسوختیم دل شوم بت پرستاں را
ہماں گروہ جلیلیم کو بحکم خدائے | مطیع و بندۂ خود ساختیم شاہاں را

همان گروه جوادیم کو به بخشش وجود — بدهر خیره نمودیم چشم قاآن را

ایا جماعت آنیسم ما که در گیتی — رواج دهر نمودیم علم و عرفان را

ایا جماعت آنیسم ما که در حکمت — زبان ناطقه بستیم اہلِ یونان را

ایا جماعت آنیم ما که اہل فرنگ — گرفته اند ز ما علم دین و دوران را

ایا جماعت آنیم کو بفضل خدائے — بہ تحت حکم کشیدیم ملک امکان را

ایا جماعت آنیسم کو بچالاکی — بگوے کلہ دشمن زدیم چوگان را

اگرکه رستم دستان بجنگ ما نگریست — زدے ز فر ما تحیر بفرق دستان را

بضرب تیغ دلیران فوج ما باللہ — عدو نه دید دگر باره روے میدان را

بکوفتیم ہمانا بگرز ہیکل ساے — سر سرانِ جہاں ہمچو پتک سندان را

نشست بر دل سخت حسود تا سوفار — رہا ز شست چو کردیم تیر پران را

یکے پیاده ز فوج سپاه ما نه شمرد — بہ جو نبیرہ زال جہاں رستم و نریمان را

ہمی ز بادهٔ گیتی نورد ما آموخت — بروز واقعه صرصر خرام و جولان را

زمین معرکه جنبش نمود ہم چو سپہر — چو تاختیم بمیدانِ خصم یکران را

بلے ز ہمت پیشینیان مادر دین — رضا ز خویش نمودند حق سبحان را

بحق ذات خداوند قادر متعال — که آفریده مه و مہر و چرخ گردان را

بحق آنکه ز فرط کمال قدرت خویش — فروغ داد رخ مہر و ماه تابان را

بحق آنکه بیفزوده در سپہر برین — شعاع طلعت برجیس و تیر و کیوان را

بحق آنکه بخشید واز مشیت خویش — بزہره چنگ و به مریخ تیغ برّان را

بحق آنکه بجن و بانس و دیو و پری — سپرد رتبہ شاہنشہی سلیمان را

که در زمانه کسے ہمچو ملتِ اسلام — نیافت دولت و اقبال و عزت و شان را

کنوں بس از چه ایا ساکنانِ کشتی دین — شدست کشتی ما غرق موج و طوفان را

به پیش روی حریفان نشانه صمم بکم — چرا سپهر جفاکار ما فصیحان را
چه کرده ایم عزیزان چنان که در گیتی — نصیب کرد بما کردگار خذلان را
ز نور دیں نه شبستان ما منور بود — که کشته است الا شمع آں شبستان را
چرا فزع ننمائیم و ما جزع نکنیم — به آسمان نرسانیم آه و افغان را
مگر نه دین رسول خدا گلستان بود — خزاں رسیده الا از چه آں گلستان را
چرا خزاں بگلستان دین احمد تاخت — گداخت از چه دل بلبلان نالان را
بداں عهود که حق کرده بود در قرآں — چه شد بما که شکستیم عهد و پیمان را
مگر که دین بدنیا نموده ایم بدل — الا چه شد که نداریم این و نه آں را
مگر که بدعت احداث کرده ایم بدیں — دیا که غرق شدستیم لجهٔ عصیان را
مگر که ما بخدا و رسول بسته ایم — ز روی شرک و شقاق و نفاق بهتان را
مگر مقابل انعام نعمت ایزد — نموده ایم همه ارتکاب کفران را
بلی که ما کمر جهل بسته ایم و نفاق — ازاں خدای بما داد رنج و حرمان را
نعم بکیفر کفران نعمت یزداں — سزاست خفت و خواری تباه کاران را
وگرنه از چه سبب حق گرفت از کف ما — هرانچه داده بما بود ساز و سامان را
چه شد جلالت اسلام و کو جلادت قوم — ملول کرد چرا چرخ ما غریبان را
کجاست حشمت صدیق و شوکت فاروق — چه پیش آمده ای روزگار عثمان را
الا ز جور فلک خوار و زار و دهر شدیم — خبر کنید عزیزان علی عمران را
چه شد بدولت عباسیان عالی قدر — چه کرد چرخ جفاجوی راد مردان را
کجاست حشمت اجلال ارسلان محمود — که می فشرد گلو ضیغم نیستان را
چه شد بشوکت سلجوقیان نام آور — که بود از رخ شاں روشنی خراسان را
چرا بداد دل بی نوای ما ز سند — ز ما که رنجه نمود ست قلب ایشان را

خوش است نزار بگرییم ما بحالت قوم — چنانکه تیره شود چشم ابر نیسان را
بروز جزع بریزیم لولوئے سیال — ز بحر دیده فشانیم دُرِّ غلطان را
ز بد نصیبی قوم و ز کج روی فلک — زنیم چاک بسوز جگر گریبان را
مگر تو ہاں دل محنت نصیب من خوش باش — کہ ایں جلسہ فزاید بجسم در جاں را
نہ ایں کہ جلسہ ز بہر رفاہ ملت ماست — چرا فرح نفزائیم قلب پژماں را
ازیں جلسہ ایا قوم بہرہ مند شوید — رضا کنید ہم از خویش پاک یزداں را
ز خویش دور نمائیم جہل و بخل و نفاق — مگر بہ حشر بہ بینیم باغ رضواں را
ہزار شکر کہ پیران ما بداں فکرند — کنند تربیت از روے مہر طفلاں را
ہزار شکر خدا حامیان دین مبیں — بدرد قوم فراہم کنند درماں را
ہمہ دلاور و دانش ورند و دریادل — تمام منبع فیض اند لطف و احساں را
بویژہ حضرت والا نژاد سو سید — کہ وقف قوم نمودست باشغف جاں را
امین صادق ملت کہ بر نصیحت قوم — ز روئے مہر کشودہ لب در افشاں را
طبیب حاذق ما کز دم مسیحائی — بہ نطق زندہ کند مردگان بیجاں را
سخنوریکہ بہ یک نکتہ می تواند گفت — بروز بحث جواب ہزار برہاں را
مقرریکہ ہمانا بمنطق شکریں — زدودہ زنگ غم از سینہ غم نصیباں را
ہمافریکہ کشادست با ہزار شکوہ — برائے تربیت قوم خان الواں را
مدبریکہ بہ تدبیرہائے گوناں گوں — کشادہ بامدد قوم ایں دبستاں را
خصوص زمرۂ پنجابیاں نام آور — کہ خود حمایت قوم ست کار ایشاں را
دگر چرا نہ در آفاق کامیاب شویم — طرب چساں نرسد خاطر پریشاں را
الا کہ عاقبت کار قوم شد محمود — ہزار شکر خداوند گار مناں را
امیدوار از ایشانم کاحمد محمود — برآورند ز حیرت قلوب حیراں را

ز روئے مرحمت و لطف مرہمے بہ نہند
پئے تسلی دل سینہ ہائے بریاں را

مراست چشم کہ از روئے لطف پاک کنند
بآستین کرم دیدہ ہائے گریاں را

ہزار شکر کشودم بمدح قوم زباں
ہمیں بس ست بلے سنجر ثنا خواں را

خدا کند کہ بامداد پیر و بخت بلند
رسد شکیب بدل و جاں شکیباں را

بروں شوند ز ظلمات جہل و بخل و نفاق
ز دست خضر بنوشند آب حیواں را

قصیدہ

مولوی عبداللہ فخری

جلسۂ علمی و اسلامی قوم ماست ایں
پیر روشن رائے روشن روئے ما آراست ایں

انچہ ور شے ہست بر جائے خودش موزوں بود
دلپذیر ہر ہمہ مطبوع سرتا پاست ایں

آسمانہ آسمانی مختصر بر فرق ہاست
ز آسماں گو پست آمد از ہمہ بالاست ایں

اتفاق آب و آتش گو خلاف قدرت ست
گرمی ہنگامہ اندر موسم سرماست ایں

لوحش اللہ جلسۂ خرم چو گلزار ارم
یک چمن آراستہ از مردم داناست ایں

مختلف مردم درو گرد آمدہ از ہر دیار
اینت ادنیٰ اینت اوسط طبقۂ اعلیٰ ست ایں

جلوہ گر کرسی بہ کرسی صف بصف ترتیب وار
یک تماشائے فلک بزم نشاط افزاست ایں

یک خدا را بندگان و یک نبی را امت اند
بر سر پیشانی منشور دیں طغراست ایں

یک خیال درد قومی جملہ را ایں جا کشید
ضاعف اللہ ضاعف اللہ وہ چہ دردے خاست ایں

اندک اندک قوم از آغوش خواب برجستن گرفت
باد بر سید مبارک تہنیت را جاست ایں

خفتہ بود اسلام زیر سایۂ خواب گراں
دہری گفتے کہ مرد اکنوں نخواہد خاست ایں

پیری آمد خواند افسوں آب زد بر خفتگاں
کرد از نو زندہ مانا نوعے از احیاست ایں

قوم در ظلمت کہ پیرے شمع در کف زد ندا
آ بروں زیں منزل خوں مسلکِ احیاست ایں

قافلہ در دشت گم مردے ز غیب آمد و گفت
کہ برآ زیں تہلکہ ایں سمت راہ راست ایں

کشتی قومی بہ طوفاں مرد و زن در نالہا
خضر شکلے آمد و گفتا چہ واویلاست ایں

بر کنار انگند کشتی رفت جوے مش کنوں
نزد من با آں نشاں ہا نیست کس آلاست ایں

سید علوی گہر جوہر شناس علم دوست
کز جواہر ہاے علوی گوہر یکتاست ایں

سلسلہ جنبان علم نوست در اسلامیاں
در جہان علم نو مانا ابو الاباست ایں

عالمے ظلمات دانش چشمۂ آب بقاست
ساقیش جامے بکف پیر خضر سیماست ایں

بو البشر زیں علم سبقت برد بر روحانیاں
در کلام پاک رمز علّم الاسماست ایں

ہر زماں از گوشہا در گوشہا آید ندا
قوم را شید است ایں و قوم را شیداست ایں

یک تن و ہمت جہانے قدرتِ حق را نگر
عینکِ قدرت نما دو دیدہ بیناست ایں

ہمت اے اسلامیاں ہمت خدارا ہمتے
کار سید نیست کار ماست کار ماست ایں

کار بر فردا چہ بگذاریم فردا ہیچ نیست
اینکہ امروز ست خود دیروز را فرداست ایں

کار سید بود خود کیں قوم را بیدار کرد
آنکہ بردہ خواب جاں، ماناست ایں ماناست ایں

قوم خفتہ بود شامت گشتہ شکل اژدہا
حلقہ گرد اگرد می زد ناگہاں کم خاست ایں

گفت قُم قُم ایہا القوم ایں چہ خواب
اژدہائے بد بہ قصدِ جان ما برپاست ایں

نعرہ ہا بر زد بگریہ کایہا الناس العجل
ورنہ در یکدم کشد ما را چو خوردن ماست ایں

العجل اے قوم خفتہ العجل کامد جل
قہر حق در پیکر اژدر بہ جنبش ہاست ایں

نیم خواباں زاں شغب ہا چشم مالاں خاستند
اژدہا نادیدہ در نالش کہ ہا ہا ہاست ایں

آں یکے در کوری تحقیق گفت اژدر کجاست
واں دگر تقلید یا نہ گفت ہاں اینجاست ایں

اژدہا نادیدہ و بر خفتگاں خندہ زناں
تا کہ دانایاں چنیں دانند کہ داناست ایں

جائے گریہ خندہ را از شانِ بیداری شمر | ایں مگر اصلاح قومی نیست استہزاست ایں
اے محب القوم اے سید جزاک اللہ خیر | جہد تو نامے بدنیا توشۂ عقبےٰ ست ایں
مدح بیجا کار چوں من بندۂ آزاد نیست | ہر چہ گفتم قوم داند جاست یا بیجاست ایں
آخر آمد نظم و در آخر دعا گفتن خوش ست | استجب لی دعوتی یا رب کنم درخواست ایں

سیدِ ما شاد باد و قوم ما آباد باد
اضطراری حالتِ فخری استدعاست ایں

نظم

منشی ارتضیٰ علی کاکوروی

چاندنی رات تھی کل سیرِ فلک کی تھی ہواں | کہ سرِ شام سے تھا صبحِ منور کا گماں
سطحِ غبرا پہ تھا اس طرح پڑا عکسِ قمر | صاف دھوئی ہوئی جس طرح بچھی ہو چادر
عالمِ نور وہ ہر شے پہ نظر آتا تھا | جلوۂ تابشِ خورشید کو شرماتا تھا
چرخ پر عقدِ ثریا کی نمایاں تھی بہار | جس طرح گردنِ مہوش میں جڑاؤ کوئی ہار
منتشر چرخ پہ ہر ایک طرف تھے اختر | جس طرح ہار کے ٹوٹے ہوئے موتی اکثر
کہکشاں اور ستاروں کا عجب تھا نقشا | نیلی مخمل پہ بنا کام تھا زردوزی کا
قابلِ سیر تھا دریا شبِ مہتاب میں کل | خانۂ آب تھا پرتاب کہ تھا شیش محل
آبِ دریا تھا شبِ ماہ میں یوں موج فگن | چہرۂ حور پہ جس طرح سے زلفوں کی شکن
چاندنی رات سے پیدا تھی مزے کی خنکی | اور دلہن کی طرح آہستہ ہوا چلتی تھی
دیر تک میں نے یہ قدرت کا تماشا دیکھا | صنعتِ صانعِ معبود کا نقشا دیکھا
چاندنی دیکھ کے اس طرح کی فرحت پائی | دیکھتے دیکھتے آنکھوں میں مری نیند آئی

خواب میں کہہ نہیں سکتا مگر اک غفلت تھی
خواب اصلی نہیں نقلی کی سی کیفیت تھی

سرزمیں ایک نظر آئی نہایت آباد
پُر فضا رُوح فزا دلکش و دلچسپ سواد

وہ عمارت نظر آتی تھی وہ قصر و ایواں
منفعل جن کی بلندی سے سپہرِ گرداں

خانقاہیں تھیں مساجد تھے کہیں دارِ علوم
حق پرستوں کا رہا کرتا تھا ہر وقت ہجوم

اللہ اللہ وہ ذکرِ احدیت وردِ زباں
دیکھ کر شغل کو تھے، جن و ملائک حیراں

ان کی تسبیح کا ہوتا تھا فلک پر چرچا
اُن کی توصیف میں ہوتے تھے ملائک گویا

خانۂ حق کی سجاوٹ کا کروں کیا میں بیاں
خامہ معذور ہے تحریر سے قاصر ہے زباں

سرو قد تھی وہ اقامت میں ستوں یا مینا
جس طرح آ کے جماعت میں کھڑے ہوں بیدار

طاعتِ ایزدِ باری میں جھکی تھی محراب
پر وہ سجدے کیلئے گرتے تھے ہو کر بیتاب

در و دیوار سے تھا نورِ الٰہی کا ظہور
تھا لبِ فرشِ مساجد پہ خدا کا مذکور

خطبہ و وعظ کا ہوتا تھا جو پیہم چرچا
فخر سے عرشِ معلےٰ پہ سرِ منبر تھا

مدرسوں میں بھی وہاں کثرتِ تعلیم علوم
طلبہ ہی کا رہا کرتا تھا ہر وقت ہجوم

فلسفہ منطق و انشاء و ریاضی حکمت
تھی معانی و احادیث کی کیا کیا کثرت

فقہ میں اور عقائد میں تھا ہر اک کامل
انھیں چرچوں میں بہلتا تھا وہاں سب کا دل

جتنے اس شہر میں رہتے تھے بہت خوش حال
جانتے ہی نہ تھے، کہتے ہیں کسے رنج و ملال

نیک تھے ان کے خیالات چلن، اچھا تھا
برکتیں ان میں تھیں راضی تھا بہت ان سے خدا

حضرتِ سرورِ عالم کی شریعت جاری
ظالم و فاسق و فاجر پہ تھی ہیبت طاری

بے غرض منصف و عادل تھے وہاں کے قاضی
فیصلہ وہ کہ فریقین تھے جن سے راضی

چھوٹے چوڑے بنے اس شہر میں بازار تمام
جہاں ملتی تھی تجارت کی سب اجناس تمام

بیچنے والے تھے ایمان پر اپنے محکم
لینے والے تھے مسلمان بڑے نیک شیم

اچھی نیت کا یہ پھل تھا کہ ہمیشہ دولت
گنج قاروں کی دکھاتی تھی انھیں کیفیت

کارخانے تھے وہاں صنعت و حرفت کے تمام
کام ایسا تھا کہ دنیا نے نہ دیکھا وہ کام

دستکاری تھی زمانے میں یہ ان کی روشن
دیکھ کر دنگ تھے سب اہل فرانس و لندن

نزہت افزا و طرب خیز وہاں تھے سب باغ
تر و تازہ ہو جنہیں دیکھ کے عالم کا دماغ

بوئے گلشن تھی کہ جلتے تھے وہاں عنبر و عود
جب ہوا آتی تھی پڑھتی ہوئی آتی تھی درود

روز رہتی تھی جوانان چمن میں اک عید
جنبش برگ سے آتی تھی صدائے توحید

جھومتے تھے مئے وحدت کو پئے سب اشجار
ڈالیاں جھکتی تھیں سجدے کو زمیں پر ہر بار

پھل تھے سب اپنے عقیدے میں نہایت پختہ
دیکھ کر جن کو ہوں سب اہل عقیدت پختہ

لب جو سبزے کے سونے کا عجب تھا انداز
سو گئے خضر تھے یا کر کے وضو پڑھ کے نماز

پتے پتے سے تھا نیرنگیٔ قدرت کا ظہور
آتش گل سے عیاں ہوتے تھے واں جلوۂ طور

صحن گلشن میں بپا شور جوانان چمن
گا رہے تھے عجب انداز سے مرغان چمن

بادۂ عیش سے لبریز تھا لالے کا ایاغ
نشہ ایسا تھا کہ ہر ایک کا مختل تھا دماغ

دفعتاً آنکھ سے غائب ہوئی وہ باغ و بہار
خواب نوشیں سے ہوئے مردم دیدہ بیدار

خانقاہیں نظر آئیں نہ وہ مسجد نہ وہ باغ
نہ وہ غنچے نہ وہ گل اور نہ وہ لالے کا ایاغ

نہ مسلمانوں کی دولت نہ وہ ثروت نہ علوم
نہ وہ اسکول نہ وہ درس نہ لڑکوں کا ہجوم

نام اسلام کا باقی ہے، کہاں اب اسلام
اور وہ نام بھی افسوس ہوا ہے بدنام

جاہ و اقبال گیا رہ گئی نکبت باقی
عیش و عشرت کی جگہ حسرت و عسرت باقی

بیکسی رہتی ہے رہتے تھے جہاں شاد جہاں
ہو کے میدان ہوے ہائے وہ قصر و ایواں

مل گئی خاک میں وہ عظمت و ثروت بالکل
ہو گئی شمع شبستان جہاں بانی گل

تخت سلطاں تھا جہاں خاک کا انبار ہے واں
اب تو ڈھونڈھے سے بھی ملتا نہیں شاہی کا نشاں

چرخ نے ظلم کیا رنگ یہ لائی تقدیر
مانگنے بھیک لگے جو تھے زمانے میں امیر

دانے دانے کو ہوئی قوم ہماری محتاج
لیکن افسوس ابھی ہے وہی شاہانہ مزاج

نہیں جاتی ہے، امیری کی ابھی بُو ہے وہی
ہے وہی طرز وہی رنگ، ابھی خو ہے وہی

باز اسراف سے آئے نہ اگر قرض ملے
گنج قاروں بھی کرے صرف جو بالفرض ملے

ناچ گانے میں ابھی لاکھ کا گھر خاک کرے
کچھ بس و پیش نہ ہو حیف نہ کچھ باک کرے

اور افسوس یہ اس پر ہے کہ غفلت ہے وہی
طلب علم و کمالات سے نفرت ہے وہی

سب کی نظروں سے گری علم کی دولت نہ رہی
مل گئی خاک میں، کچھ خاک بھی عزت نہ رہی

ہو گیا علم مسلمانوں سے بالکل معدوم
معنیٔ علم جو پوچھو تو نہ ہوں گے معلوم

اپنے ہاتھوں سے مٹے آپ حماقت دیکھو
اور اب تک ہے ہماری وہی غفلت دیکھو

ہائے ہمت وہ کہاں ہے، وہ حمیت ہے کہاں
جوش زن کیوں نہیں ہوتی ہے وہ غیرت ہے کہاں

ہے ابھی خیر، خبردار سنبھل جائے قوم
پیچھے رہنا تو نہیں خوب نکل جائے قوم

شکر کر قوم کہ سید ہے ترا پشت پناہ
پیر با دانش و تدبیر حقیقت آگاہ

جس نے لی سائے زمانے کی بُرائی سر پر
بھیک بھی مانگی ترے واسطے جس نے در در

سچے دل سے ترا ہمدرد ترا خیر طلب
اس کو ہے تیری ترقی سے ہمیشہ مطلب

ناخدا ہے تری کشتی کا یہی ہے ملاح
ایسے طوفان میں دیتا ہے تجھے نیک صلاح

تجھ کو تدبیر بتاتا ہے ذرا چل اس پر
صاف کھل جائے گا اے قوم تجھے نفع و ضرر

دیکھ سکتا نہیں اے قوم تجھے خوار و زبوں
اس کا دل چاک ترے غم سے جگر اس کا خوں

زر تو کچھ مال نہیں جان مٹانے والا
خود بگڑ کر تجھے اے قوم بنانے والا

خاک ذلت سے اُٹھائے تجھے بالا کر دے
تجھ میں کھوئی ہوئی جو بات ہے پیدا کر دے

اس کی تقریر نے اک دھوم مچائی ہر سو
اس کی تحریر ہوئی اپنے اثر میں جادو

نور سے اس کے منور ہیں یہ دیوار یہ در
یہ چمکتے نظر آتے ہیں اسی کے جوہر

اس کی تحریک سے پنجاب کو جوش آیا ہے
اس کی تحریک سے بیہوشوں کو ہوش آیا ہے

جس نے غفلت کو سُلایا ہے یہ وہ سید ہے
جس نے سوتوں کو جگایا ہے یہ وہ سید ہے

تیرے ہی واسطے دلّی سا وطن چھوڑا ہے
تیری ہی فکر میں بلبل نے چمن چھوڑا ہے

گر کوئی غم ہے زمانے میں اسے غم ہے ترا
اس کے گھر میں کوئی ماتم ہے وہ ماتم ہی ترا

تیرے ہی غم میں ہوا پیر، ہوے بال سفید
زندہ رکھتی ہے اسے تیری ترقی کی امید

شرم رکھ اس کے بڑھاپے کی خبردار ہو اب
دیکھ کیا وقت ہے کیا حال ہے ہشیار ہو اب

طلب علم میں سستی نہ کر اے قوم تباہ
جادۂ علم سے اے قوم نہ ہو اب گم راہ

پھر وہی اپنا زمانے میں بجا دے ڈنکا
پھر اسی طرح سے دم بھرنے لگیں سب تیرا

علم ہی سے تری عزت ہے تری عظمت ہے
علم کے کسب پہ موقوف تری ثروت ہے

باغ عالم میں بند ہے پھر تری اگلی سی ہوا
خیر خواہوں کی یہی رہتی ہے خالق سے دعا

تیری نکہت تری عشرت ہو جہاں سے کافور
تیرے چہرے پہ چمکنے لگے اقبال کا نور

آب رفتہ سوئے جو باز بیاید اے قوم
نزہت تازہ بتو رو بنماید اے قوم

مُسدّس

حافظ فضل حق عظیم آبادی

سنو سنو کہ یہ حیرت فزا فسانہ ہے
اُٹھو اُٹھو کہ اُٹھا خواب سے زمانہ ہے

چلو چلو کہ ہر اک قافلہ روانہ ہے
بڑھو بڑھو کہ بہت دیکھنا دکھانا ہے

پھری ہے باغ جہاں کی ہوا چلو دیکھو
بہار آئی ہے تم بھی ذرا چلو دیکھو

جہاں کو دیکھ لو، کیفیت جہاں کیا ہے
زمیں کی چال ہے کیا دور آسماں کیا ہے

بہار لائی ہے کیا رنگ گلستاں کیا ہے
غرض کہ مشرق و مغرب یہاں وہاں کیا ہے

جو دیکھنا ہے تو آجاؤ دیکھ لو تم بھی
چمن کا رنگ ہے کیا آؤ دیکھ لو تم بھی

شگفتہ پھول ہیں غنچے ہیں رنگ لائے ہوئے
شجر ہیں اپنی جگہ پر پرے جمائے ہوئے
بہت ہیں پھولے بہت ہیں پھل پر آئے ہوئے
چمن میں ایسے ہیں کتنے سجے سجائے ہوئے

جدھر اٹھاؤ نظر اک ہجوم ہے ہر سو
نوائے طوطی و بلبل کی دھوم ہے ہر سو

خوشی ہے عام خوشی سے بھرا زمانہ ہے
خوشی کا اوج ترقی پہ کارخانہ ہے
خوشی نے بھر دیا ایک ایک کا خزانہ ہے
خوشی کا شکر گذار آج دانہ دانہ ہے

خوشی کی بزم ہے ہوتے ہیں چہچے کیا کیا
لگا رہی ہے صراحی بھی قہقہے کیا کیا

ہوا سنکتی ہے مستانہ جھومتے ہیں نہال
کھلے ہیں پھول نزاکت بھی جن سے ہے پامال
کمال درجہ ہے نظارگی کو اس کا خیال
کہ پتیوں میں یہ نکہت ہو خاک میں نہ ملے

جو دیکھو نخل کی رفعت تو ہیں پہاڑ کھڑے
پر اپنا باغ جو دیکھو تو ہیں اُجاڑ پڑے

نہ اب وہ باغ نہ وہ بوستاں نہ وہ گلزار
نہ وہ زمین نہ وہ آسماں نہ وہ اشجار
نہ وہ ہوائیں لطافت نہ فصل میں وہ بہار
نہ وہ پرند نہ وہ مستیاں نہ وہ چہکار

نہ اب وہ شاہد گل کا کہیں تجمل ہے
نہ اب وہ نالۂ قمری نہ صوتِ بلبل ہے

نکلتے خار ہیں جس جا سے گل نکلتے تھے
اب اڑتی خاک ہے جس گھر میں رنگ اچھلتے تھے
کھنڈر پڑے ہیں جہاں دورِ جام چلتے تھے
اندھیرے رہتے ہیں جن میں چراغ جلتے تھے

نہ اب وہ بزم نہ وہ دور ہے نہ وہ ساقی
خمارِ عیش گزشتہ بھی اب نہیں باقی

عجب طرح کی پڑی ہائے یک بہ یک اُفتاد — نہ وہ چمن ہے نہ وہ بلبلیں نہ وہ شمشاد
گزر گئی ہے جو آنکھوں کے سامنے رُوداد — کسی طرح نہ وہ نہیں دل سے بھولتی فریاد

میں سوچتا ہوں وہ عالم سراب تھا کیا تھا
کوئی طلسم تھا یا وہم و خواب تھا کیا تھا

گزر گئیں جو بہم صحبتیں نہ پوچھو کچھ — میسّر آئی ہیں، جو عشرتیں نہ پوچھو کچھ
نکالیں عیش کی جو صورتیں نہ پوچھو کچھ — وہ صرف ہو گئیں سب ہمتیں نہ پوچھو کچھ

وہ رنگ عیش وہ عشرت جہاں نہ دیکھ سکا
جہاں کو کیا کہوں یہ آسماں نہ دیکھ سکا

روا نہیں گلۂ روزگار، کیا حاصل — شکایتوں سے ہے انجام کار، کیا حاصل
کسی کا دل نہ دکھا بار بار، کیا حاصل — خزاں میں تذکرۂ نوبہار کیا حاصل

سُنا سُنا کے فسانے نہ یوں اُدھیڑ مجھے
بہار جا چکی اور باغباں نہ چھیڑ مجھے

میں جانتا ہوں کہ مجھ سا نہیں کوئی برباد — نہ مجھ سا ہو گا کبھی کوئی موردِ بیداد
اگرچہ اگلے فسانے بھی ہیں مجھے سب یاد — مگر میں ننگِ خلائق ہوں ننگِ آدم زاد

جہاں میں عاجز و احقر نہیں کوئی مجھ سا
بُرے بہت سے ہیں بدتر نہیں کوئی مجھ سا

نہ مجھ سا مفلس و نادار ناتواں کوئی — نہ مجھ سا بے زر و بے زور بے اماں کوئی
نہ مجھ سا رہ روِ گم کردہ کارواں کوئی — نہ مجھ سا ننگ جہاں زیرِ آسماں کوئی

جہاں میں دشمنِ دل دشمن جیسا میں ہوں
جو گر کے پھر نہ اُٹھے وہ گرا ہوا میں ہوں

غرض جو کچھ ہوں وہ میں جانتا ہوں کیا ہوں میں — اسیر و عاجز و بے برگ و بے نوا ہوں میں

بسانِ خاکِ رہ آوارہ جا بجا ہوں میں | جو آگیا کوئی جھونکا تو بس ہوا ہوں میں

خزاں کو دیکھ کے ہر چند جان جاتی ہے

ہوا ہے بدلی - مگر پھر بہار آتی ہے

عجب نہیں کہ وہی پہلے کے دن پھر آئیں | یہ سوکھے جو ہیں نخل پھر ہرے ہو جائیں

ہوا کا رخ پھرے ایسا کہ بادہ کش بل کھائیں | بہار آئے جوانانِ باغ دھوم مچائیں

وہ بزم عیش وہ عشرت نصیب ہو پھر بھی

دلِ ستم زدہ راحت نصیب ہو پھر بھی

اگرچہ لائق گل گشتِ گلستاں میں نہیں | حریف صحبت یارانِ نکتہ داں میں نہیں

جو سمجھے مجکو کوئی خوش بیاں تو ہاں میں نہیں | چمن کا تیرے ہوا خواہ باغباں میں نہیں

مسافرانہ سہی کوئی دم ٹھہرنے دے

جب آگیا ہوں یہانتک تو سیر کرنے دے

یہ تختۂ چمن دل کشا میں دیکھ تو لوں | عجب بہار ہے یہ واہ وا میں دیکھ تو لوں

وہ انتہا نہ سہی ابتدا میں دیکھ تو لوں | نصیب ہو کہ نہ ہو دیکھنا میں دیکھ تو لوں

اگرچہ حال سزاوار بزم ماتم ہے

جو ہو گیا وہی اس بے بسی میں کیا کم ہے

یقیں کس کو تھا پھولے گا یہ چمن ایسا | گلوں سے ہوگا یہ ویرانہ خندہ زن ایسا

کرے گا سنگ کے دل میں اثر سخن ایسا | بنے گا قوم کا بگڑا ہوا چلن ایسا

چمن میں آئے گی پھر باغباں بہار ایسی

زمین صحن چمن ہو گی لالہ زار ایسی

کسے خبر تھی کہ تعلیم تربیت کیا ہے | وہ جس کا نام ہے تہذیب کون چڑیا ہے

معاشرت کا زمانے میں کیا طریقا ہے | یہ قوم کیا ہے کہ جس پر جہاں شیدا ہے

کسے پڑی تھی کہ باہم ہوں حاکم اور محکوم
مآل عاقبت کار تھا کسے معلوم

بتاؤ حوصلہ کس کا بلند تھا ایسا؛ وہ دل تھا کون کہ جو درد مند تھا ایسا؛
وہ کون تھا کہ مصیبت پسند تھا ایسا؛ وہ کون ناصح پیرانہ پند تھا ایسا؛

بلائیں غیروں کی یوں سر پہ لیں اٹھا کسنے
متاع و مال کیا قوم پر فدا کس نے

یہ کس کی کوشش مشکور کا نتیجا ہے کہ خار و خس نہ تھے جس جا وہ حیرت افزا ہے
جو آگے دشت تھا اب باغ فرحت آما ہے جو سمجھے قوم تو فخر اس کو اس پہ زیبا ہے

تماشے دیکھ رہے ہیں کھڑے علی گڑھ میں
چلے ہی آتے ہیں چھوٹے بڑے علی گڑھ میں

یہ مدرسے کی عمارت یہ بورڈنگ کی شان یہ وضع ایک سی لڑکوں کی اک طرح کے مکان
اور ایک نہج پہ یہ بود و باش کا عنوان یہ مسجد اور یہ نمازیں یہ گھنٹیاں یہ اذاں

کہیں نہ پاؤ گے ڈھونڈھو بھی نفع عام ہے یہ
جو نقص ہے وہ یہی ہے کہ ناتمام ہے یہ

کہاں ہیں قوم کے دلدادہ اس طرف آئیں دکھا چکے ہیں جو ہمت وہ پھر بھی دکھلائیں
ذرا جو جوش حمیت کو کام فرمائیں تو ناتمام جو تعمیریں ہیں وہ بن جائیں

کوئی مہم نہیں کچھ ایسی کائنات نہیں
جو چاہیں چاہنے والے تو کوئی بات نہیں

امید کہتی ہے بن جائیں گی بنیں کیونکر خدا کرے کہ جئیں اپنی قوم کے رہبر
جناب سید والا سید و بلند نظر قوی ارادہ و باہمت و ہمایوں فر

ستم کشیدۂ جہاں دیدہ و جہاں آگاہ
نکالی جس نے ترقی کی ایسی سیدھی راہ

وہ جس کو قوم کی نفرت بُری لگی نہ کبھی　　بجائے شکر شکایت بُری لگی نہ کبھی
ملامت اور حقارت بُری لگی نہ کبھی　　جو کی کسی نے عداوت بُری لگی نہ کبھی

نہ کچھ خیال کیا اور نہ کچھ بُرا مانا
یہ جیسا چاہیئے تھا قوم نے نہ پہچانا

وہ فخرِ قوم فلک رتبہ سیدِ محمود　　رہی ہے مدِ نظر جن کو قوم کی بہبود
وہ ممبران جو اس کانگریس میں ہیں موجود　　وہ جن کو فکر ہے اس کی ہنوز نامحدود

کرے گی قوم جو ان کی ہدایتوں کا خیال
تو دُور ہوں گے یقیں ہے یہ سب گزند و ملال

خیال چاہیئے مشکل بھی ہو تو کٹ جائے　　جو ہمت آن کھڑی ہو پہاڑ الٹ جائے
جگر کو شق کریں دریا، زمین پھٹ جائے　　ہوا کا رخ بھی اگر چاہیں ہم پلٹ جائے

یہ سب ہیں بس اسی صلح و وفاق سے ممکن
محال جتنے ہیں، ہیں اتفاق سے ممکن

خلاف رائے ہے کچھ، اور نفاق ہے کچھ اور　　ہوس ہے اور، ہی شے اشتیاق ہے کچھ اور
حجابِ وصل ہے کچھ، اور فراق ہے کچھ اور　　جسے سمجھتے ہیں ہم، اتفاق ہے کچھ اور

جو امر خاص ہے ہرگز وہ امرِ عام نہیں
اس اختلاف سے ملت میں کچھ کلام نہیں

وہی چمن ہے، وہی باغباں، وہی ہیں ہم　　وہی بہار، وہی چہچہے، وہی خم چم
وہی نسیم، وہی مستیاں، وہی عالم　　وہی انیس، وہی راہبر، وہی ہمدم

یہ مجمعِ رفقا ہم نفس مبارک ہو
الٰہی قوم کو یہ کانگریس مبارک ہو

الٰہی باغ جہاں جب تلک ہے شاداب　　بچھائے سبزہ نوخیز، بسترِ کمخواب

گلوں کے کانوں میں شبنم بنے درِ خوش آب — گھٹائیں جھومتی آئیں اُمنگ پر ہوں سحاب

خزاں نہ آئے چمن میں کبھی، بہار رہے
شگفتہ گُل رہیں گلشن پہ اک نکھار رہے

کھلیں جو پھول تو بو باس میں ہوں جاں افزا — لگیں جو پھل تو حلاوت میں شہد سے ہوں سوا
اٹھیں جو نخل تو رفعت میں ہوں فلک فرسا — ہلیں جو برگ تو جنبش میں بھی نئی ہو ادا

بہار آئے الٰہی رہے چمن آباد
دعائیں دے چکے آمین کہہ چلو آزاد

قصیدہ عربیہ

مولوی عبدالمجید لاہوری

عرا لجمیع دین الحق داءٌ — من الاملاق لیس لہٗ دواءٌ
فقد نُقد التلاطف والاخاءٌ — فکل المرء یَطلبُ مایشاءٌ
اقول لکم وما قولی بکذبٍ — لقد عدا المرُوۃ والوفاءٌ
اریٰ کل العناد مقام رفقٍ — درفقًا انما یجب القلاءٌ
بفقد العلم ان کم بلیتم — وما ادرا لم ماذ البلاءٌ
ھو الداء العضال فمنہ فرّوا — الیٰ مَن بَینَ ایدیہ الشفاءٌ
فان الجھل یورث کل ذلٍّ — ینوخ بہ التعسُّ والشقاءٌ
فان کانت مصادقۃٌ لدینا — یروح عنائُ نا یاتی الغناءٌ
کما کانوا الذین مضوا بسلفٍ — فکان الیسر فیھم والولاءٌ
شموس علوھم بزغت وذرّت — بھا قد شاع فی الدنیا الضیاءٌ

وہم کانوا اولی باسٍ شدیدٍ — وَابدًا کان عندھم السخاءُ
فاین العزّ والشرف الرفیعُ — وذالکم النجابۃ والعلاءُ
واین خلالھم والجود فینا — واین لنا الشمائل والعطاءُ
واین العلم والعمل الصلیح — وذالکم الحذاقتہ والدھاءُ
وما من مثل ادبھم لدینا — وما فینا العقول ولا الذکاءُ
اُبَیّن حالھم والقلب کئیبٌ — فما صبری ولم یبق العزاءُ
وَغفلتنا تزائد کُلَّ یوم — ولا اِلّا شدّ کربتنا نھاءُ
فکم من مسرفٍ فینا بما لا — یفید ولا یعد ھوالسخاءُ
وکم من شاربٍ کاسات خمرٍ — فلیس لھم من اللّٰہ الحیاءُ
یفید لنا الوفاق بکل امرٍ — ولا یجدی التاوّہ والبکاءُ
فسیّد مومناھا دٍ بصدقٍ — فیجب بہ الوفاق والاھتداءُ
ھو الجرالاّ ریب طبیب داءٍ — وفی انفاسہ الاذکی الدواءُ
فان لم نعتبر بالنصح منہ — علی سمع لنا کان الغطاءُ
بنٰی دار العلوم بکل سعیٍ — کما فی المکرمات لہ البناءُ
مصیبٌ رائہ فی کُلِّ خطبٍ — اَجَلّ ولا یریٰ فیہ خطاءُ
ومِلءُ فوادہ رفقٌ ولطفٌ — وطبع الصدق فیہ والصفاءُ
ومن شیم الکرام لہ کثیرٌ — فَاِحصَاءُ مدایحہ ھجاءُ
تکان المسلمی ھند المساکی — نَ عونًا، للکروب ھم کفاءُ

بفضل اللّٰہ انّا قد رزقنا
فھذا، من دعای والرّجاءُ

قطعات

مولوی احسان علی خاں شاہجہانپوری

مجلسٌ طیبٌ مع التدبیر کل قلب یؤثر التقریر
جاء نصحاء قومنا فیہ سعیہم ھہنا ھوالتصویر

قطعہ ثانی

نجم علمٍ اضاء للتعلم ذھب الجھل جاء ناالتفہیم
سیّدُ القوم ھہُنا موجود حَیّوا حَیّو مع التعظیم

قطعہ ثالث

انَّ ھذ الزمان ضیع فیہ درس علمٍ من العلوم بدیہ
فالامیرالکبیر ذو الشوکہ سیدُ القوم فخر کل وجیہ
یجمع الناس شفقۃ رحمًا ینصح الکل یفعل التنبیہ
بادروا سلموا اوا مرہٗ یصلح الحال ینتفی التکریہ
عظموا العلم ایہا الحضّار موجب النفع بالغ التنزیہ
قَدّموا العِلمَ کائنًا مّا کان سیّما للمعاش یا اھلیہ
قَلِّبُ القَلبَ جانب التعلیم اَقبِلُوا اقبلوا بلا توجیہ
خَیرُکُم فیہِ خَیرُ دُنیاکم لو ترکتم فرجلکم فی التیہ
لَیسَ الا انتفاع خلق اللہ قصد ناصح کلا منا مافیہ

رُباعیات

در ماندہ ہیں مفلس امرا ہیں غافل بیچارے مسلمان ہیں اکثر جاہل
احسان اب اس قول کی مصداق ہے قوم لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل

(۲)

امراض جہالت کے معالج وہ کہاں
اچھا ہو کسی طرح یہ فالج وہ کہاں
ڈھونڈھا ر نظر آتے ہیں دارالتعلیم
اسپین کے بغداد کے کالج وہ کہاں

(۳)

تہذیب نہ حاصل ہو تو حرفت معلوم
اخلاق نہ شامل ہو تو عزت معلوم
یک پیر جواں بخت کا سچ ہے یہ قول
تعلیم نہ کامل ہو تو دولت معلوم

(۴)

غفلت جو بڑھی باعث ادبار ہوئی
تعلیم گھٹی عقل بھی بیکار ہوئی
سید نے بہت دھوم کی بن کر ہمدرد
سب جاگے مگر قوم نہ بیدار ہوئی

(۵)

یارب تو ہمیں علم دے جاہ و فر دے
تہذیب دے اخلاق دے مال و زر دے
اوروں کی طرح جملہ مسلمانوں کو
تعلیم کی جانب متوجہ کر دے

قصیدہ قومی

غفلت بڑھی تو دور ہوا سب وقار قوم
رکھا نفاق نے نہ ذرا اعتبار قوم
تہذیب کا پتہ ہے نہ اخلاق کا نشاں
لوٹی خزانِ جہل نے کیا کیا بہار قوم
افسوس دوسرے کی نہیں ایک کو خبر
آشوب حشر کیوں نہ بنے روزگار قوم
گھیرے ہوئے ہے مثل فلک پست ہمتی
محتاج ہوتے جاتے ہیں ناکردہ کار قوم
عالم میں خاک جہل اڑی ہے ستم ہوا
بے آب ہو گیا گہرِ آبدارِ قوم
دیکھے کوئی اٹھا کے تواریخ سابقہ
غیروں کا علم کب سے ہوا ننگ و عار قوم
تعلیم سے غرض نہ تمدن کا ہے خیال
افسوس کیا تباہ ہوا سب کاروبارِ قوم

غفلت نے بیش و پس سے جو گھیرا ہے رات دن — نکبت بھی ہم قدم ہے یمین و یسار قوم
پیدا ہوئی ہیں خلق میں نا اتفاقیاں — اُٹھ جائے گا زمانے سے اب اعتبارِ قوم
افسوس اہل قوم کو یہ بھی خبر نہیں — غیروں نے ہم سے چھین لیا ہے وقار قوم
یونان کے وہ مدرسے ویران ہو گئے — مٹی کے ڈھیر رہ گئے بس یادگار قوم
صنعت کا کچھ خیال نہ حرفت کی کوئی فکر — غفلت نے کیا خراب کیا روزگار قوم
شغل شراب ناب و تمنائے بزم رقص — یہ صبح و شام ہے تو وہ لیل و نہار قوم
مر جائیں گے مگر نہ بڑھائیں گے حوصلہ — یہ رہ گئی ہے زندگیٔ مستعار قوم
ماموں ہی زندہ ہے نہ ہے ہارون جو لیں خبر — منجدھار میں ہے کشتیٔ عز و وقار قوم
پہلے کی یاد آتی ہیں علمی ترقیاں — چرخ کمال پر تھا مہِ اقتدار قوم
کیونکر سنبھال سکتے ہیں ہم بگڑے کام کو — جب اپنے حال پر بھی نہ ہو اختیار قوم
اے سونے والو جاگ کے ہشیار ہو رہو — دشمن یہ چاہتے ہیں کہ کھیلیں شکار قوم
اٹھتا نہیں قدم طلب علم کے لئے — گویا بچھے ہیں خار سرِ رہگزار قوم
ہم کیا تھے اور ہو گئے کیا دور جہل سے — سب جانتے ہیں ملک عرب ہے دیار قوم
زندہ دلی کو آ گئی فی الحال جب اجل — سید کی ذات پاک بنی سوگوار قوم
اے اہل قوم میر جواں بخت کی سنو — ق — بنگالیوں کے دل میں جما ہے غبار قوم
وہ کانگریس کہ کہتے ہیں سب جس کو نیشنل — کھونے کو ہے ترقی عز و وقار قوم
ایسی چلی ہوائے مخالف جہان میں — مٹی میں مل گیا چمن روزگار قوم
اک وقت یہ ہے جانتے ہیں ہم کو سب ذلیل — اک وقت وہ تھا کرتے تھے سب اعتبار قوم
کم ہمتی نے ہم کو بنایا ہے مردہ دل — سو دقتوں میں کیوں نہ رہے حال زار قوم
اسپین و مصر و دیلم و بغداد و روم و شام — ہر سو بلند تھا علم افتخار قوم
بے وقعتی کا حال یہاں تک پہنچ گیا — ہنستے ہیں دیکھ دیکھ کے سب انتشار قوم

نزدیک ہے کہ صرصرِ ادبار لے اُڑے — پتّے سے بھی کہیں ہے سُبک اعتبارِ قوم

نادانی و عناد و تعصب نفاق و جہل — یہ پانچ کانٹے کھوئیں گے ساری بہارِ قوم

شکر یہ اس کا چاہیے احسان اب ضرور
جو آج کل زمانے میں ہے غمگسارِ قوم

سیّد سا آج کون ہے خدمت گزارِ قوم — کیونکر کہوں نہ تاج سرِ افتخارِ قوم

کیا کیا ہمارے واسطے کیں تو نے کوششیں — اللہ خوش رکھے تجھے اے نامدارِ قوم

پنجاب میں جو ہوتی ہیں علمی کمیٹیاں — یہ تیرے ہی سبب سے ہیں بہرِ وقارِ قوم

نزدیک ہے کہ پھر بھی ترے آبِ سعی سے — سرسبز جلد ہو چمن روزگارِ قوم

اس فکر کے سوا نہیں تجھ کو کچھ اور فکر — تعلیم ہو عزیز بڑھے اعتبارِ قوم

ہم سو رہے ہیں ایک ہی کروٹ سے بے خبر — ہم کو جگا رہا ہے تو اے غمگسارِ قوم

ایسا ملے گا ناصحِ مشفق ہمیں کہاں — عمرِ عزیز اپنی جو کر دے نثارِ قوم

تعلیم کی طرف متوجہ کیا، ہمیں — دیکھا بہت خراب جو انجامِ کارِ قوم

بھولے ہوئے تھے یاد دلائی ہمیں یہ بات — کسبِ کمال ہے سببِ اقتدارِ قوم

مشورے دے طریقۂ تحصیل علم کے — یہ کانگریس خلق میں ہے یادگارِ قوم

محمود سا عقیل و خوش اطوار جانشیں — چھوڑیگا تو جہان میں اے افتخارِ قوم

بیشک پکارے جائینگے ہم تیرے بعد بھی — ہوتی رہے گی پرسشِ احوالِ زارِ قوم

احسان ہے کمال کی اس وقت کی دعا — مقبول کر لے اے مرے پروردگارِ قوم

ہم کو چھپالے دامنِ کسبِ علوم میں — تیرے سوا نہیں ہے کوئی پردہ دارِ قوم

یارب ہمارا رایتِ اسلام کر بلند — گو ملک ہند میں ہے بہت کم شمارِ قوم

سب مل کے دوڑیں کوچۂ تعلیم کی طرف — دیکھیں نہ اپنی آنکھ سے ہم انتشارِ قوم

تعلیم کی پکار علی گڑھ کا مدرسہ — مطلب میں کامیاب ہو اے کردگارِ قوم

ہر شہر و ہر دیار میں قائم ہوں مدرسے — ہم دیکھیں علم و فضل کو زیبِ کنارِ قوم
ہر سال دھوم دھام سے ہووے کانگریس — ہوتی رہے ترقی عزّ و وقارِ قوم

سیّد رہیں جہان میں زندہ بہت دنوں
حُسّاد پائمال ہوں بن جائیں کارِ قوم

جسٹس سید محمود، آغا کمال الدین سنجر

پانچواں سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد (۱۸۹۰ء)

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کا پانچواں اجلاس بھی خان بہادر سردار محمد حیات خاں سی۔ آئی۔ ای کی صدارت میں منعقد ہوا یہ اجلاس خان بہادر مولوی سید فریدالدین سب جج اور مولوی شیخ نصیرالدین رئیس (الہ آباد) نے بمقام الہ آباد مدعو کیا تھا جلسہ کا انعقاد ۲۸ دسمبر تا ۳۰ دسمبر ۱۸۹۰ء رہا خود سرسید احمد خاں اس اجلاس کے انتظام میں شرکت کی غرض سے ایک ماہ قبل الہ آباد پہنچے اور آخر وقت تک مصروف اہتمام رہے۔

کانفرنس کے اجلاس کے لئے ایک نہایت رفیع الشان ہال تیار کیا گیا تھا مہمانوں کے طعام کے جملہ مصارف شیخ نصیرالدین نے اپنے ذمے لئے تھے نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں جو اس زمانے میں ریاست حیدر آباد (دکن) میں ہوم سکریٹری تھے سب سے پہلے الہ آباد کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ نواب محسن الملک نے ایسا معرکۃ آرا لکچر دیا کہ جس کو سنکر حاضرین وجد کرنے لگے اس کے تین حصے تھے ایک حصے میں مسلمانوں کی ملکی، تمدنی اور علمی ترقی و تنزل کی مختصر تاریخ پیش کر کے ترقی و تنزل کے اسباب پر بحث کی تھی دوسرے حصے میں یونان کی ترقی اور زوال یورپ کا ذکر تھا اور تیسرے میں ان حالات سے بحث کی تھی جو یورپ کی ترقی کا باعث بنے اسی اجلاس میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی ڈیوٹی سوسائٹی نے جو حال ہی قائم ہوئی تھی چندہ جمع کرنے کی غرض سے سب سے پہلے چاء کی دکان لگائی اس موقعہ پر سرسید احمد خاں نے فرمایا

"اس سوسائٹی کے ممبر ہماری قوم کے معزز اور قابل ادب خاندانوں کے لڑکے

ہیں، آفتاب احمد خاں، محمد مصطفےٰ خاں، مظہر الحق، طفیل احمد، ممتاز حسن، اور عنایت اللہ جائے کی دکان لے کر یہاں آئے ہیں ممکن ہے کہ سخت دل جن کا دل پتھر سے بھی سخت ہے وہ ان کا تمسخر کریں لیکن پتھر دلوں کی نسبت بھی خدا فرماتا ہے "وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔ پس جو دل اس قسم کے پتھر کے بھی ہوں گے تو وہ دل بھی ضرور ان لڑکوں کو باعث افتخار قوم سمجھیں گے اور عمدہ علامت قومی ترقی کی خیال کریں گے۔"

اسی اجلاس میں "محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کا نام تبدیل کرکے" محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" رکھا گیا۔

اس اجلاس میں الہ آباد یونیورسٹی میں فارسی کورس کے قائم رہنے کی نسبت اور ٹیکنیکل ایجوکیشن کو معمولی تعلیم سے علٰحدہ رکھنے کی نسبت اتنے کامیاب ریزولیشن پاس ہوئے کہ جنکی سرسید احمد خاں نے خاص طور سے تعریف کی اور ان کو پسند کیا اس اجلاس کے مندرجہ ذیل ریزولیشن خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

(۱) شاہی فرامین میں فارسی کا جو طرز انشا اور طریق تحریر ہے اس کا تحفظ کیا جائے اور اس مقصد کے لئے ان لوگوں سے جن کے پاس قدیم شاہی فرامین ہیں، جمع کئے جائیں اور ان کو بطور انشاء ایک کتاب میں جمع کرکے کانفرنس کی طرف سے شائع کیا جائے۔

(۲) قدیم شاہی فرامین، قدیم نایاب کتابوں اور کتبہ جات کے متعلق تفصیلی معلومات اور تعارف کانفرنس کے ہر اجلاس میں پیش کیا جائے اور ان امور کو کانفرنس کی رپورٹ میں شامل کیا جائے۔

(۳) مسلمانوں نے یونانی علوم پر جس قدر اضافہ کیا ہے اس کی نسبت ایک رسالہ لکھا جائے اسی طرح مسلمانوں نے السنہ ہند پر جو قدرت حاصل کی ہے اس کی تحقیقات کی جائے اور اس سلسلے میں ایک کتاب مرتب کی جائے۔

(۴) کم عمر بچوں کے لئے نصابی کتابیں اور صاف اور سلیس اُردو میں اخلاقی مضامین لکھے جائیں جو تعلیم میں کام آسکیں۔

جب سردار محمد حیات خاں کرسی صدارت پر رونق افروز ہو چکے تو آنریبل جسٹس سید محمود اُٹھے اور جناب صدر کو مخاطب کر کے اوّل یہ شعر پڑھا

زکار بستہ میندیش و دل شکستہ مدار
کہ آب چشمۂ حیواں درونِ تاریکیست

پھر انھوں نے درج ذیل قطعہ پڑھا جس سے خان بہادر محمد برکت علی خاں اور جناب صدر، سردار محمد حیات خاں کی شکر گزاری مقصود تھی۔

خان ذی شاں کہ بہ برکت چو حیات آمدہ است | بہر سرداری ز پنجاب حیات آمدہ است
قوم ما ہست بظلمت ہمہ بیدار چنیں | چوں ازاں قوم چنیں آب حیات آمدہ است
بہر تحسین بگویم بہ ایں ملت محمود | ایں کسے کامدہ است بہر حیات آمدہ است

جناب صدر کی تقریر ختم ہونے کے بعد نواب محسن الملک ایک رزولیشن کی تائید کے لئے کھڑے ہوئے تو آنریبل جسٹس سید محمود آگے بڑھے اور کہا کہ

"نواب محسن الملک بہادر سے مجھ کو اتنی مدت سے محبت و یگانگت ہے کہ اس کی ابتدا کا یاد کرنا میرے لئے دشوار ہے میں ان کو اپنا برادر اور بزرگ سمجھتا ہوں میرا دل چاہتا ہے کہ اپنی دلی محبت کے اظہار کے لئے میں ان کی شان میں چند اشعار پڑھوں"

اس کے بعد سید محمود نے پہلے اساتذہ قدیم کے یہ دو شعر اور پھر اپنی غزل پڑھی۔

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد | وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدائی را — نمی کردم بدل روشن چراغِ روشنائی را

غزل محمود

ندارم آرزو از دل کہ از دل آرزو دارم — کہ رازِ خویش پنہانی بہ پیشِ خویشتن آرم
ہمہ سہل است و آساں ہر چہ تدبیرش ہمی سازی — دلم ایں خواہد و آں خواہد امّا من چنیں خواہم
ہمیں خواہم کہ چیزے خوب گویم بہر ہندستاں — کہ ہندستاں نژاد ہستم و ہندستان جانانم
نمی خواہم کہ از گفتار خود آتش برافروزم — کہ ہر چیزیکہ در دل آید از قرآں می خوانم
چو قیدِ قافیہ بندی نہ باشد بر زبانِ من — بدل ہرگز نمی آید کہ ایں فن را نمی دانم
مرا یاریست شیریں کار و می نازم کہ در گیتی — ندارد ہیچ کس یارے چنیں یاریکہ من دارم
الا اے مہدئ ہندی کہ مشغولِ دکن گشتی — مراہم باز پرس آخر کہ عشقت ہست در مانم
دریغ از گردشِ گردوں کہ دُور افتادہ ام از تو — کہ ہستی انتخاب از زمرۂ احباب و اخوانم

ازاں گفتم من اے محمود ایں اشعارِ رنگیں را
کہ مخدومی اخی مہدی علی شد جان و ایمانم

اس اجلاس میں آغا کمال الدین سنجر نے بھی اپنا فارسی قصیدہ سنایا جو درج ذیل ہے

۷- قصیدہ آغا کمال الدین سنجر

ضحاکِ خزاں آمد و زد خیمہ بہ بہار — با خیل سپاہ و حشم و لشکرِ جرار
افسوس الا رایت جمشید بہاراں — از حملۂ ضحاکِ خزاں گشت نگوں سار
جمشید ز ضحاک خزاں گشت فراری — صد حیف کہ شد عاقبت الامر گرفتار
بنہاد ابر تارک او ارّۂ سرما — ضحاک خزاں آں یلِ پُر ہیبت قہار
از کشتنِ جمشید نکو روے بہاراں — گشتند عزیزاں گلستاں ہمگی خوار

اوضاعِ گلستاں چو بتاراجِ خزاں رفت
زیں واقعہ شد بلبلِ خوش نغمہ دل افگار

بگرفت زگنجورِ چمن گنجِ زر و سیم
در گنجِ گلستاں نہ درم ماند نہ دینار

از آبِ خزاں آتشِ گل گشت فسردہ
بر بادِ خزاں خاکِ چمن رفت بہ یکبار

برچیدہ شد از صحنِ چمن فرشِ ستبرق
گستردہ شدش قاقمے از برف تبہ کار

خالی شدہ دستانِ جوانانِ گلستاں
از جورِ خزاں از گل و ز برگ و ہم از بار

نے سنبل و نے طرّہ نہ چین و شکن و پیچ
نے سوسن و نے لالہ نہ گل در صفِ گلزار

صد حیف کہ از ہیبتِ ضحاکِ خزاں مرد
نوبادۂ جمشیدِ چمن نرگسِ بیمار

بر ہر طرفے می نگری در صفِ گلشن
زانجا برگِ دیدہ خلد نیشترِ خار

گیتی ہمہ ماتم کدۂ گشت پُر از شور
آثارِ عزا گشتہ عیاں از در و دیوار

بر ہجرتِ آں مادرِ ایام در افسوس
بر رحلتِ ایں پیرِ فلک گشت نگونسار

پوشیدہ بتن چرخِ کہن جامۂ نیلی
گردیدہ الا دیدۂ خورشید زغم تار

چوں زمرۂ اسلام جوانانِ چمن نیز
گشتند زبیدادِ فلک جملہ عزادار

اے زمرۂ اسلام نہ مادر چمنِ دہر
بودیم ہمانا ہمہ با طلعتِ گلنار

بودیم ایا قوم نہ ما از شرفِ دیں
عالی نسب و پاک حسب مومن دیندار

تابید بہر ملکِ عجم دینِ محمدؐ
شد دشتِ زراغنگِ عرب مطلع الانوار

در رزمِ بد اندیش عدو بیرقِ اسلام
میداشتے از فتح و ظفر طرۂ طرّار

مائیم ہماں قوم کہ کردیم مسخر
روم و عجم و ہند و حبش تبّت و تاتار

بودند بجنس ہمچو غلامانِ ختائی
در خدمتِ ما جملۂ شاہانِ جہاندار

بودیم ہمانا چو نہنگانِ شناور
گر فوجِ عدو بود چنوں قلزمِ ذخار

شیرِ فلک از صولتِ ما زہرہ بیا زید
شمشیر گرفتیم اگر در گہِ پیکار

ہر یک چو یکے شیرِ خروشندہ گہِ رزم
ہر یک چو یکے شمسِ درخشندہ گہِ بار

بودے بوغا نیزۂ ما اژدرِ حمیر — برقلب عدو ناوک ما کژدم جرّار

از زہرۂ ما آب شدے زہرۂ رستم — بردشنۂ ما تشنہ دل خصم جفاکار

ہی کشتہ شد از خنجر ما پشتہ ز اعدا — ہی خستہ شد از صولتِ ما بستہ ز کفار

با جانِ عدو بیلک ما صعوہ و شاہیں — با جسم عدو نیزۂ ما کرگس و مردار

بنشست ہمانا بدل و دیدۂ دشمن — در روزِ وغا ناوکِ ما تا پرِ سوفار

کردیم بلے دیدۂ بدخواہ نشانہ — از زاغ پراندیم چو ما بیلکِ پردار

مائیم ہماں قوم کہ بودیم بہ گیتی — والا گہرِ عاقل و دانشور و ہشیار

در علم و عمل ہر یکِ ماں عالم تحریر — درگاہ سخن ہر یک ماں ناطق سحار

مائیم ہماں قوم کہ از میمنتِ دیں — مارا بہ جہاں بود نکو طالع بیدار

بر ہر طرفے حملہ نمودیم بہ گیتی — از عجز ز ما خواست عدو مہلت و زنہار

گر فوج عدو بود چنوں سدِ سکندر — باللہ شکستیمش بیک حملہ و شنقار

از نصفتِ ما امن و اماں گشت مروج — مخذول شد از سطوتِ ما ظالم و جبّار

مائیم ہماں قوم کہ در بُت کدۂ دہر — مارا بجہاں بود ہمی بُت شکنی کار

قیصر بدرِ دولتِ ما بندۂ مسکیں — کسریٰ ببر حشمتِ ما بود پرستار

در ملکت اسپین نمودیم حکومت — از میمنتِ دین نبی احمد مختارؐ

اینک بود امروز دراں ملک ز اسلام — باقی ز صنادید عرب رشمۂ آثار

زاں روئے گرفتیم جہاں را کہ بہ گیتی — بودیم بدانش ہمگی متفق و یار

بودیم بہم یک جہت از عالی و دانی — بودیم ہمہ متفق از بندہ و سالار

در دفتر ما گشت نویسندہ عطارد — مریخ ابر لشکرِ ما بود سلح دار

در محفلِ ما بود قمر مجمرہ گرداں — در مطبخ ما شمس درخشاں بدل نار

شد رشتۂ تسبیح ملک زہرۂ چنگے — بگسست چو از چنگ خود از سطوتِ ما تار

بر چنیں یکے خادمِ دیرینۂ ما بود | کیوانِ غلام حبشی لیک وفادار
یارب چہ شد آں دولت و آں حشمت و آں جاہ | کو کردہ عطا بود بما حضرتِ دادار
یارب چہ شد آں جوش و جوانمردئ اسلام | یارب چہ شد آں ولولہ و شیمہ و اطوار
یارب چہ شد از ما کہ بدیں خفت و خواری | امروز نکو ملّت ما گشت سزاوار
یارب چہ خطا سر زدہ از ما کہ بہ گیتی | از جملۂ ما روحِ پیمبر شدہ بے زار
یارب چہ شد از ما کہ بدیں گونہ بہ عالم | گشتیم بدرد و الم و رنج و محن یار
اے قوم چہ کردیم کہ بر کامِ دلِ ما | امروز نگردد فلک بیہدہ کردار
افسوس کہ دولاب فلک باز بگردید | از شومئ ما خاص بکامِ دلِ اغیار
صد حیف کہ امروز نداریم بہ گیتی | جز اخترِ منحوس یکے محرمِ اسرار
افسوس کہ رسوا شدۂ جہل و نفاقیم | با ایں ہمہ گوئیم کہ النّار ولا العار
صد حیف کہ بر معصیتِ ایزدِ منّان | ما را بکبائر بود از جان و دل اصرار
افسوس منافق صفتانیم بگیہاں | از جہل و نفاق است بما گرمئ بازار
القصہ بدیں شیوۂ و ایں شیمۂ و ایں خو | بالجملہ بدیں فطرت و ایں طینتِ ہنجار
آسودگئ دنیوی امروز نداریم | خواہیم بفردائے جزا جنّت الانہار
شرمندہ ز کردارِ خود آئیم و خداوند | گیرد اگر از دیدۂ ما پردۂ پندار
بہتر بود اے امّتِ مرحومہ نمائیم | امروز ز ہر معصیتِ رفتہ ستغفار
وانگہ پئے اندوختنِ دانش و بینش | گردیم ہمانا بہم از مہر و وفا یار
سرسبز شود باز گلستانِ محمدؐ | البتّہ شود باز گل و لالہ پدیدار
امروز باندوختنِ علم شتابیم | تا آں کہ بفردا بفزائیم بمقدار
واللہ کہ امروز عزیزانِ گرامی | آساں بود آموختنِ علم نہ دشوار
کز کوششِ سر سیدِ عالی نسب نژاد | آں پیرِ جواں بخت کہ ما را شدہ غمخوار

وز ہمت والا گہرانی کہ دریں بزم / جمع اند چنو دُر بفلک ثابت و سیار

دیدہ خرد آگاہ کسانے کہ ز پنجاب / با شوق کشودند دریں بزم نکو بار

امروز رہِ کسب کمال و ہنر و علم / بے خوف و خطر بہر دل ما شدہ ہموار

المنّت للّٰہ کہ ز یمنِ و کرمِ او / شد دیدۂ من روشن ازیں بزم دگربار

ایں بزم ہماں بزم بود کز اثرِ دیں / بارد ہمہ علم و خردش از در و دیوار

ایں بزمِ ہمانست کہ نادیدہ بہ گیتی / ایں گونہ کسے بزم نکو میمنت آثار

برخیز مغنّی تو ز آہنگ ہمایوں / یک غلغلہ انداز دریں گنبد دوّار

ساقی تو ازاں آتش بے دود بیاور / باز آئینۂ دل بزداید غم زنگار

ہنگام خزاں تا بجیم سر بسر دوش / از جور خمار اے بُت شنگول بود بار

بر فتوئ مفتی خرد داروئے جمشید / بر دفعِ خمار اے بُت فرخار ز خُم آر

فصلِ دی و ہنگام خزاں ست بدہ مے / زاں مے کہ شود چہرہ ازاں مے چو گلِ نار

در مجمر رخ ریز ز موعنبرِ سارا / در آتش رخسارہ بنہ نافۂ تاتار

یعنی بگل سرخ بنہ خال معنبر / یعنی کہ ببفشاں بقمر زلفِ سیہ کار

آتش کفِ من بادۂ آتش صفت آور / کاتش زنم از شوق بر ایں جبّہ و دستار

خواہم کشم اے شوخ ازاں آب چو آتش / تا سینۂ من گردد ازاں آب شرر زار

برخیز دریں بزم بدہ بادۂ خلّر / از روئے نشاط و طرب اے لعبتِ فرخار

برخیز و بدہ بادہ کہ با عشرت و شادی / خواہم کہ دریں بزم شوم سرخوش و سرشار

وانگاہ دریں بزم بصد شوق نشانم / از مدح و ثنا دلبر من لولوئے شہوار

در مدحتِ آں صدر ملک خو کہ بعالم / در ملّتِ اسلام بود سیّد و سردار

در صدر رئیس بزم جواں حوصلہ پیرے / بنشستہ بصد دبدبہ چوں آصف جمدار

سر سید والا گہر و راد و مکرم / کو ہمچوں فلاطوں بود از دانش و ہنجار

آں پیرِ جواں دل کہ بصد حشمت و تمکیں — بیماریِ ما را بود او از پے تیمار

آں جو ہر دانش کہ بہ غم خواری و ہمت — جاں در رہِ اولاد وطن می کند ایثار

آں صدر قدر قدر کہ از پر تو ذاتش — بہبودیٔ ملّت شدہ امروز نمودار

پیرِ خرد آگاہ کہ بر موعظۂ قوم — در بزم گہربارد ازاں نطق گہربار

باجان عدو می کند از خامۂ مشکیں — آں کار کہ با تیغ دو دم حیدر کرار

از ہمتِ آں میر فلک مرتبہ را داد — امید نگر دیم دگر مضطر و ناچار

کز یاریٔ اشخاص قلیلے بزمانہ — یا للعجب او مدرسہ کرد سیتوار

از ہمتِ ایں چند تنِ از ملتِ اسلام — المنّت للہ کہ شد ایں مدرسہ طیّار

اُمید کہ از ہمتِ ایں چند تن کم — گیریم ازیں مدرسہ ما فائدہ بسیار

گشتے خجل از ساختن قصرِ خورنق — گر فی المثل ایں مدرسہ را دید سنمار

اے قوم زہے ہمّت مردانۂ سیّد — بر شوکتِ اسلام نکو آمدہ معیار

زیں ہمت مردانہ بود آں کہ بہ گیتی — گر دیدہ بصد دبدبہ سر حلقۂ ابرار

گو حامیٔ ملت شود و باز بہ بیند — ہر کس کند ایں مسئلہ را از حسد انکار

اینہا ہمہ کو سید ما کرد بعالم — بنود بجز از معدلت دولت سرکار

شاہنشۂ جو ئیس خدم قیصرۂ ہند — کز حال رعایا بود از مہر خبردار

زیباست کہ ما فخر نمائیم بگیہاں — بر دولت و اقبال سہ دارائے جہاندار

یک قیصرۂ ہند و یکے حضرتِ سلطاں — یک وارثِ جم ناصر دیں خسرو قاچار

سنجر بدعا کوشش دریں بزم مقدس — تا بیشتر از ایں نشود قافیہ تکرار

تا نام بہ گیتی بود از کعبہ و از دیر — تا ذکر بعالم بود از سبحۂ و زنّار

تا قائل تثلیث بمانند نصارا — تا ہست خداوند جہاں واحد و ستّار

تا دائرہ در دہر زند دور بہ مرکز — محتاج بود تا کرہ بر گردشِ پرکار

بر کوششِ خود سیّد ما باد موفق — تا رونقِ اسلام شود قطرہ لبقطار

———×———

مولانا حالی

چھٹا سالانہ اجلاس منعقدہ علی گڑھ (۱۸۹۱ء)

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا چھٹا سالانہ اجلاس ۲۷ تا ۳۰ دسمبر ۱۸۹۱ء بمقام علیگڑھ زیر صدارت نواب محمد اسحاق سی، ایس، آئی منعقد ہوا پہلے یہ اجلاس خان بہادر قاضی رضا حسین[1] اور شمس العلما مولوی عبد الرؤف[2] کی دعوت پر پٹنہ میں منعقد ہونا تجویز ہوا تھا مگر اوّل الذکر کے انتقال کی وجہ سے ایسا نہ ہوسکا اور اجلاس علی گڑھ میں منعقد ہوا۔

سر سید احمد خاں نے تحریک انتخاب صدر کے متعلق جلسہ میں فرمایا

"ہم کو نواب محمد اسحاق خان بہادر کے پریسیڈنٹ مقرر ہونے سے بہت کچھ افتخار ہے نواب صاحب کے ذاتی اوصاف اور ان کے اخلاق حمیدہ اور ایشیائی اور انگریزی علوم کی استعداد اور قومی بھلائی کا خیال جو کچھ ان میں ہے میرے بیان کا محتاج نہیں، سب سے بڑی خوشی اس میں ہے کہ نواب صاحب ممدوح ہمارے ویران شدہ وطن دہلی کے جو ایک زمانہ میں علمار فضلار اور نوابان و رئیسان عالی درجہ کا مخزن تھی اعلیٰ سے اعلیٰ خاندان کی نشانی ہیں، جو پشت در پشت نواب چلے آئے ہیں اور پشت در پشت علمی مذاق میں معروف و مشہور رہے ہیں پس ایسے خاندانی اور عالی مرتبہ

---

[1] خان بہادر قاضی رضا حسین ولد تفضل حسین (پیدائش ۱۸۳۰ء انتقال ۱۸۹۱ء)، پٹنہ کے رئیس اور سر سید احمد خاں کی تحریک کے مبلغ و مناد تھے۔ انھوں نے بہار میں تعلیم کی اشاعت میں خاصا حصہ لیا اور مسلمانوں کی نمایاں خدمات انجام دیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے (حیات رضا مؤلفہ مولوی عبد الغنی بہاری علی گڑھ ۱۹۳۵ء)

[2] شمس العلما مولوی عبد الرؤف ولد فرحت حسین صادق ایک مشہور زمانہ خاندان کے معزز رکن تھے ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۰ء میں انتقال ہوا۔ بہار میں انھوں نے سر سید کی تحریک کو آگے بڑھایا اور ۱۳۰۷ھ میں محمڈن اینگلو عربک اسکول (پٹنہ) کے سکریٹری مقرر ہوئے، گورنمنٹ سے خلعت اور شمس العلما کا خطاب ملا۔ ہمیشہ وائسرائے کے جلسے میں مدعو ہوتے تھے ملاحظہ ہو (تذکرہ صادقہ از مولوی عبد الرحیم (پٹنہ ۱۹۶۴ء) ص ۲۶۸-۲۷۰

پریسیڈنٹ کا منتخب ہونا بلاشبہ ہماری کانفرنس کے لئے باعث افتخار ہے۔ اب میں اجلاس کی طرف سے درخواست کرتا ہوں کہ جناب ممدوح صدر انجمن کی کرسی پر اجلاس فرمائیں"

نواب محمد اسحاق خاں ابن نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم و تربیت گھر پر ہوئی آگرہ کالج سے اول درجے میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا ۲۳ سال کی عمر میں سول سروس کے لئے انتخاب ہوا اور ضلع مظفر نگر میں اسسٹنٹ مجسٹریٹ مقرر ہوئے پھر ترقی کرکے مستقل طور پر سشن جج کے عہدہ پر پہنچے۔ پانچ سال تک ریاست رام پور میں مدار المہام رہے۔

۱۹۱۳ء میں نواب وقار الملک کے مستعفی ہونے پر مدرستہ العلوم علی گڑھ کے آنریری سکریٹری منتخب ہوئے اسی زمانے میں ۱۹۱۶ء میں حضور نظام عثمان علی خاں محمڈن کالج علی گڑھ میں تشریف فرما ہوئے یونیورسٹی میں عثمانیہ ہوسٹل کی رفیع الشان عمارت اسی دور ہمایوں کی یادگار ہے کالج کی مسجد کی تکمیل بھی نواب صاحب کے زمانے میں ہوئی۔ نواب محمد اسحاق خاں کا سب سے بڑا کارنامہ امیر خسرو (۷۲۵ھ) کی مثنویات اور دیگر تصانیف کو تحقیق، تفتیش اور صحت کے ساتھ طبع و شائع کرانا ہے جس کی وجہ سے نواب محمد اسحاق خاں کا نام علمی دنیا میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔

۱۹۱۷ء میں حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے نواب محمد اسحاق خاں کا انتقال ہوا نعش میرٹھ سے دہلی پہنچائی گئی اور درگاہ نظام الدین اولیاء میں اپنے بزرگوں کی ہڑواڑ میں دفن ہوئے۔

کانفرنس کے پچھلے اجلاس منعقدہ الہ آباد (۱۸۹۰ء) میں ایک تجویز اس امر کی پاس ہوئی تھی کہ مسلم سلاطین کے فرامین اور نادر کتابوں کے قلمی نسخے فراہم کئے جائیں چنانچہ اس اجلاس میں چند ایسی نادر چیزیں پیش ہوئیں؛ ایک فرمان محمد سلیمان رئیس کاندھلہ کے خاندان سے دستیاب ہوا یہ فرمان ابو الفتح محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق کے زمانے، مورخہ ۲۲ شہر رجب

سنہ ۷۹۳ ہجری (۱۳۹۰ء) کا تھا اسی طرح ایک دوسرا فرمان بابر کے عہد کا سنہ ۹۳۳ھ (۱۵۲۶ء) کا ملا ان کے علاوہ کئی فرامین اکبر، شاہجہان عالم گیر اور فرخ سیر شاہان مغلیہ کے دستیاب ہوئے[1] نادر کتب کی فراہمی کے سلسلے میں منشی واحد علی کاکوروی[2] نے ریاست بھوپال کے کتب خانے سے حجۃ الاسلام امام غزالی کی ایک نادر کتاب فضائل الامام من رسائل حجۃ الاسلام نقل کر کے بھیجی اس کتاب کو امام غزالی کے بھائی احمد غزالی نے جمع کیا تھا۔

اس اجلاس کے مندرجہ ذیل ریزولیشن خاص طور سے قابل ذکر ہیں

(۱) مردوں کی تعلیم کے ساتھ عورتوں کی تعلیم میں بھی کوشش کرنی لازم ہے کیونکہ قوم کی اصلی ترقی زیادہ تر اس پر منحصر ہے اور یہ تعلیم ایسی ہونی چاہیئے کہ عورتوں کی مذہبی، علمی اور اخلاقی زندگی میں ترقی ہو۔

(۲) عربی تعلیم کی طرف خاص طور سے توجہ دینی چاہیئے کیونکہ عربی تعلیم کا رواج روز بروز کم ہوتا جارہا ہے جس سے اسلامی فرائض کی انجام دہی اور ترقی اشاعت میں نقص کا اندیشہ ہے (۳) اسلامی تاریخ کے بعض اہم امور کی نسبت یورپ میں شدید غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں لہٰذا ان کے ازالے کے لئے اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ سے متعلق رسالے لکھے جائیں۔

اس اجلاس میں خواجہ الطاف حسین حالی نے مندرجہ ذیل نظم پڑھ کر سامعین کو محظوظ فرمایا۔

---

[1] حافظ محمد سلیمان ولد مولوی نورالحسن سنہ ۱۲۵۷ھ میں پیدا ہوئے، کاندھلہ کے مشہور علمی خاندان کے رکن اور صاحب علم وفضل تھے قصیدہ بردہ پر عربی میں حاشیہ لکھا اور ایک کتاب فقہ پر عربی میں لکھی تفصیل کے لئے دیکھیئے۔ حالات مشائخ کاندھلہ از مولوی احتشام الحسن (دہلی سنہ ۱۹۵۷ء) ص ۲۰۱ - ۲۰۲

[2] منشی واحد علی بسمل ابن منشی محمود علی، سنہ ۱۲۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی کی اچھی استعداد تھی۔ اردو و فارسی میں شعر کہتے تھے منشی امیر احمد مینائی کے شاگرد تھے۔ بھوپال اور ریاست حیدرآباد میں ملازم رہے سنہ ۱۳۳۰ھ میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو۔ تذکرہ مشاہیر کاکوری از محمد علی حیدر (لکھنؤ سنہ ۱۹۲۷ء) ص ۴۷۰

نظم خواجہ الطاف حسین حالی

مجمع تعلیم کا گو یہ چھٹا اجلاس ہے
ہم مسلماں اور وہی نکبت وہی افلاس ہے

منزلِ مقصود تک اپنی رسائی ہو چکی
یاں تو پہلے ہی قدم پر پاؤں میں آماس ہے

لالہ بھائی کوئی ڈپٹی ہوں کوئی صدر الصدور
اُن کو کیا جن کے مقدر میں لکھی چپراس ہے

امتحانوں میں ہیں انگریزی کے جتنے کامیاب
یا کوئی پرشاد ہے یا چند ہے یا داس ہے

شاذ گر کوئی مسلماں ہے تو اس کا کیا حساب
جوں ہمالہ میں کہیں ایک ریزۂ الماس ہے

کیا چمن کا حکم رکھے گا وہ میدانِ فراخ
جس میں اک غنچہ ہے باقی گھاس کتنا گھاس ہے

گر کسی کو ہو مسلمانوں سے اُمید فلاح
ہم پکارے کہتے ہیں ہم کو توکلّی یاس ہے

جب تلک مذہب ہے ہر اک بات میں انکے دخیل
جب تلک اسلام یہ ہے جو کہ عندالناس ہے

جب تلک ان پر مسلّط ہے بلائے رسم و راہ
جب تلک ان پر مؤثر وہم اور وسواس ہے

جب تلک ہے حاکمانِ وقت سے ان کو گریز
گویا یہ ہندو ہیں، انگریزی گئو کا ماس ہے

جب تلک اسلاف پر ہے ان کو اپنے فخر و ناز
جب تلک ان کے دماغوں میں بھرا خنّاس ہے

جب تلک نفسی و ہزاتی ہے ہر ایک کا شعار
جب تلک ہر اک کو اپنی ہی غرض کا پاس ہے

زید کو پروائے درد و محبت خالد نہیں
اور نہ خالد کو کسی کے رنج کا احساس ہے

جب تلک یہ لوگ ہیں جف القلم کے معتقد
یعنی جو ہونا ہے سب مکتوب فی القرطاس ہے

جب تلک یہ ہیں بزرگوں کی لکیروں کے فقیر
اُن کا فرمانا علی العینین فوق الراس ہے

ختم ان پر ہوگئے جتنے تھے سب فضل و کمال
اُن کے آگے بولنا ہذیان ہے بکواس ہے

ان سے بڑھ کر کیا کوئی سمجھے گا کس کو آتی عقل
وہ جو کہہ گزرے وہی اصل اور وہی مقیاس ہے

جب تلک لوگوں کے ہیں اغراض ایسے مختلف
یہ اگر پنجاب ہے تو دوسرا مدراس ہے

نام کو ایک قوم ہیں جس سے کہ یہ مفہوم ہو
ایک گروہ صاحب قوۃ شدید الباس ہے

ایک معبود ایک پیغمبر ہے اور اک ہے قرآن
سورۂ الحمد سے تا سورۂ الناس ہے

پر نگاہِ غور سے دیکھو تو کل افراد میں
وحشت و نفرت بجائے حُب و استیناس ہے

بھائیوں کا گوشت تھوڑا ہے کہ اسکو بھوک ہے
خون کا لوگوں میں تو ڑا ہے کہ اسکو پیاس ہے

جب تلک القصہ یہ حالت مسلمانوں کی ہو
بس خدا ہی سے ہے انکی آس اگر کچھ آس ہے

کارسازی کو تری اُسباب کی حاجت نہیں
وہ جو ہم سے دُور ہے قدرت سے تیری پاس ہے

ہم وہی ہیں اور وہی حالت وہی لیل و نہار
آش ویسی ہے وہی اگلا پُرانا کاس ہے

وہ جو بیماری تھی اب بھی ہے ذرا خفت نہیں
یہ مریض جاں بلب مہمان چند انفاس ہے

ہاں مگر بچ جائے تیرے فضل سے تو کیا عجب
یہ دَوا ایسے مریضوں کو سدا سے راس ہے

منشی سراج الدین و شبلی نعمانی

ساتواں اجلاس منعقدہ دہلی (۱۸۹۲ء)

ایجوکیشنل کا ساتواں اجلاس ۲۹ر دسمبر ۱۸۹۲ء کو بمقام دہلی زیر صدارت مولوی حشمت اللہ ایم اے، آئی۔ سی۔ ایس منعقد ہوا۔ استقبالیہ کمیٹی کے دو سکریٹری مسیح الملک حکیم اجمل خاں اور خان بہادر منشی الٰہی بخش مقرر ہوئے۔

اجلاس کے انعقاد کے لئے نواب غازی الدین خاں مرحوم کے مدرسہ کی عالیشان تاریخی عمارت منتخب کی گئی تھی۔ عمارت کے اطرافی کمروں میں مہمانوں کے قیام کا انتظام تھا۔

مولوی حشمت اللہ ابن مولوی عظمت اللہ، بریلی (روہیل کھنڈ) کے ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے وہ ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے انٹرنس کے امتحان میں تمام طلبہ میں اوّل آئے الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے اور کلکتہ یونیورسٹی سے ایم اے (عربی) پاس کیا اس کے بعد وکالت کا امتحان پاس کیا، دو سال تک وکالت کی پھر ۱۸۷۶ء میں انڈین سول سروس میں داخل ہو گئے اور جوائنٹ مجسٹریٹ، کلکٹر اور سشن جج کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ کر ۱۹۱۶ء میں پنشن یاب ہوئے مولوی حشمت اللہ نے ۱۱ر نومبر ۱۹۱۹ء کو آگرہ میں وفات پائی اور متصل مزار شاہ ابوالعلاءؒ سپرد خاک ہوئے۔

مولوی حشمت اللہ نہایت رحم دل، منکسر المزاج، با اخلاق اور فیاض تھے اکثر انگریزوں سے ان کی اَن بن رہتی تھی وہ ججی کے زمانے میں انگریز کلکٹروں کی تجویزوں اور فیصلوں کو مسترد کر کے ان کی قانونی غلطیاں نکالتے تھے، بسا اوقات ان کو نقصان بھی ہوتا تھا مگر کسی بات کی پروا نہیں کرتے تھے۔ ٹرکی اور یونان کی جنگ کے موقع پر انھوں نے

اپنی کوٹھی کا سارا سامان چندے میں دے دیا۔ جب ۱۸۹۲ء میں سرسید نے حیدرآباد کا مشہور سفر کیا تو ان کے رفقاء میں مولانا حالی مولانا شبلی اور مولوی حشمت اللہ وغیرہ تھے امیر کبیر نواب سرآسمان جاہ بہادر وزیر اعظم کے یہاں جب سرسید اور ان کے رفقاء کی دعوت ہوئی تو مولوی حشمت اللہ نے تقریر کے ساتھ مندرجہ ذیل قطعہ سُنایا

شب کے بیمار کو مہلت بھی ملے یا نہ ملے	کس کو معلوم ہے اسلام پہ کل کیا گزرے
پھر خدا جانے یہ صحبت بھی ملے یا نہ ملے	حالت زار کو احباب سے کہہ دو حشمت

اس اجلاس کے موقعہ پر ایک نئی بات یہ پیش آئی کہ دہلی کے چند مولویوں کی طرف سے کانفرنس کے انعقاد کی مخالفت کی گئی بازاروں میں وعظ کہے گئے، جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد مسلمانوں کو اس جلسہ میں شرکت کرنے سے منع کیا گیا، گلی کوچوں میں اس مضمون کے اشتہارات شائع ہوئے اور چسپاں کئے گئے مگر مخالفین کی یہ تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئیں باشندگان دہلی، کانفرنس کے اجلاس میں جوق در جوق شریک ہوئے اور اجلاس کو ہر طرح کامیاب بنایا۔

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیوشن پاس ہوئے

۱۔ دیسی فنون کے متعلق کتب علمیہ مدوّن کی جائیں

۲۔ انجمن حمایت اسلام لاہور نے مبتدیوں کے لئے جو درسی رسالے تالیف کئے

لے (صنہ) مولوی حشمت اللہ کے دادا مولوی کفایت اللہ حیدرآباد دکن کے باشندے، اپنے زمانے کے ممتاز خوشنویس اور فارسی و عربی کے لائق اُستاد تھے۔ درس و تدریس ان کا مشغلہ تھا۔ وہ ترک وطن کرکے بریلی (روہیلکھنڈ) آگئے تھے ان کے بڑے صاحبزادے عظمت اللہ صاحب نے انگریزی زبان اور مغربی علوم وفنون کو نہایت محنت اور تندہی سے حاصل کیا وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بریلی کالج میں پروفیسر اور پھر انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے تعزیرات ہند کا جو ترجمہ اُردو میں ہوا اس کے مترجمین ڈپٹی نذیر احمد اور عظمت اللہ بریلوی تھے چنانچہ اس کے بدلے میں ان کو ڈپٹی کلکٹری ملی۔ ان کے لائق فرزند مولوی حشمت اللہ ایم۔ اے آئی سی ایس تھے (ملاحظہ ہو خطبات عالیہ حصہ اول از انوار احمد مارہروی علی گڑھ ۱۹۲۷ء ص ۶۵ و حیات النذیر از افتخار عالم مارہروی دہلی۔ ۱۹۱۲ء ص ۵۹-۶۰)

تھے کانفرنس نے ان کو پسند کیا اور ان کی اشاعت کی سفارش کی۔

(۳) جو مسلمان طلبہ گورنمنٹ اسکولوں اور کالجوں میں پڑھتے ہیں ان کی مذہبی تعلیم کا مناسب اور مستحکم بندوبست ہونا چاہیئے۔

(۴) جو مسلمان طلبہ بغرض تعلیم یورپ جاتے ہیں اور وہاں شادی کر لیتے ہیں اس بات کو کانفرنس نامناسب، قومی نقصان اور قومی تنزّل کا سبب سمجھتی ہے۔

(۵) ملک اور قوم کی ضروریات کے لحاظ سے طب یونانی کو ترقی دینی چاہیئے اور تجربات و معلوماتِ جدیدہ سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

اس اجلاس میں منشی سراج الدین سپرنٹنڈنٹ محکمہ تار و ڈاک ریاست جموّں نے صدر کی اجازت سے مندرجہ ذیل فارسی اشعار پڑھے جو انھوں نے اسی وقت موزوں کئے تھے۔

دوش در سر داشتم از حالِ این و آں جنوں
حیرتے می کرد در پہلو دلم را غرقِ خوں

از کجا ئیم و چہ بودیم و چہ ماگشتہ ایم ما
آں چہ بود ایں چہ باشد آں چرا ایں چگوں

اہل مشرق تیرہ بخت و اہل مغرب نیک روز
خفتگاں بیدار و بیداراں بہ غفلت سرنگوں

ہمچو خرِ دارست پُر دامان جمع خوشہ چیں
باغباں خر دار زیر مزبلہ ماندہ زبوں

غوطہ خور انِ سبک‌ راں نزد ساحلہا شدند
ناخدایاں غرق دریائے دہم لا یرجعون

گمرہاں بر منزل و بہرا دراز خیر قریں
نیک رہ گم گشت زیں اخلاف آں خیر القروں

کف تہی دامن تہی و سر تہی و پا تہی
باہمہ ایں بے نوائی، ہم تہی سوز دروں

وادریغا حرکت ما ننگ و نام حرکت است
وادریغا از سکون ما خجل نام سکوں

صبح دم نالہ درائے سار بانِ ہوشیار
وائے بر حالِ کسے کز خوابگہ نا ید بروں

در چنیں حالِ تباہ ما بگوش من رسید
از علی گڑھ نالۂ یالیتَ قومی یعلموں

سیدے دیدم بدل صد حسرت و افسوس و غم
لب بصد شور و فغاں چشمے و صد دریائے خوں

دست ساعی و کمر چست و قدم ثابت براہ
در دِ قوم خود رفیق و فضل داور رہنموں

دیدمش پر شکوہائے بانگاہش پُر غضب
بر شکایات زماں چشم خلافش پُر ز خوں

لا یغیر ما بقوم خواند و تفسیرش نمود
گفت بر ما ہر چہ ہست از ماست از ننگ و زبوں

باز تدبیرش بفرمود و بنا کاخ نہاد
راست ناساز و بفضل اللہ بخت واژگوں

باز مرتب نمود ایں بزم اخوانُ الصفا
تا شود سوئے سعادت قوم ما را رہنموں

یا الٰہی در جہاں تا دور مہر و ماہ است
باد ایں اجماع را رحمت فزون برکت فزوں

رات کو احباب کے ایک جلسے میں مولانا محمد شبلی نعمانی نے ایک نظم بعنوان "موکب سلطانی" سنا کر حاضرین کو محظوظ کیا۔

نظم مولانا محمد شبلی صاحب نعمانی مسمّٰے بہ موکب سلطانی

مہر چو از جیب افق سر کشید — خاست ز ہر ناحیہ گلبانگ عید

دیدہ پُر از خواب چو برخاستند — پیر و جواں جملہ تن آراستند

طفل کہ ایں شیوہ نداند درست — مادرش از مہر تن و روئے شست

شیوہ و آئین طرب تازہ گشت — کوچہ و بازار پُر آوازہ گشت

مژدہ رسید ایں کہ شہ چارہ ساز — زود برآید بادائے نماز

تا برد از خوان کرم توشہ — خلق بروں ریخت ز ہر گوشہ

بس کہ عنانِ طلب انگیختند — طفل و جواں بر سر ہم ریختند

پیکِ نظر راہ تماشا نیافت — نقش قدم ہم بزمیں جا نیافت

جملہ بصد شوق و بصد آرزو — سوئے بشکطاش نہادند رو

سرمۂ خاک رہِ شہ خواستند — جا بگذرگاہِ سپہ خواستند

از دو سوئے راہ بکسب شرف — خلق بآئین ادب بست صف

مہر چو در ہر جہت افشاند نور — کوکبۂ شاہ عیاں شد ز دور

گشت رواں از پے ہم خیل و فوج — موج تو گوئی کہ شکستے بموج

بود شعار ہمہ از ہم جدا — بر ہمہ را رایت و پرچم جدا

پرتو آں اسلحۂ تابناک — نور ہمی ریخت بدامانِ خاک

باہمہ تمکیں چو گذشت ایں گروہ — گشت بیک بار زمیں پُر شکوہ

غلغلہ برخاست کہ بادا نوید — مہر جہاں تاب خلافت دمید

داغ بہ جبہۂ خورشید و ماہ | حضرتِ خاقان خلافت پناہ
قاعدۂ دولت و دیں را مدار | آئینۂ رحمت پروردگار
پیکر لطف و کرم کبریا | سایۂ یزداں شہِ کشور کشا
خسروِ لشکر شکن و قلعہ گیر | شاہِ فلک عتبہ و گردوں سریر
فاتحۂ دولت و طغرائے دیں | زیب دہ افسرِ و تاج و نگیں
شاہ فلک کوکبہ عبدالحمید | اید ہ اللہ بنصر مزید
قرۂ شاہی زجبیں آشکار | حاشیہ بوساں بہ یمیں و یسار
مرکب شہ پیش چو بگزاشت پائے | خلق بیک بار درآمد ز جائے
طلعتِ شاہ باز چو پرتو فگند | بانگِ دعاگشت زہر سو بلند
شور برآمد کہ بود تا جہاں | باد بکام تو زمین و زماں
چرخ بدانماید کہ گر زندہ است | زندہ بماں کز تو جہاں زندہ است
زیب و طرازِ ہمہ عالم توئی | سایۂ یزداں بجہاں ہم توئی
جملہ بدانند کہ در غرب و شرق | ہست ترا تاجِ خلافت بفرق
آں توئی امروز کہ در روزگار | ہست بہ دولت و دیں را قرار
تازگیٔ بدر و حنین از تو ہست | زیب و طراز حرمین از تو ہست
قرۂ دینِ نبوی از تو ہست | بازوئے اسلام قوی از تو ہست
شرع بجاہ تو چو شد ارجمند | باد بفرمان تو چرخ بلند

سکۂ اقبال بنام تو باد
ہرچہ بگیتی ست بکام تو باد[1]

---

[1] مولانا شبلی نے یہ نظم قسطنطنیہ میں سلطان عبدالحمید خلیفۃ المسلمین کی سواری کے موقع پر لکھی تھی۔

مولوی رفعت علی، شبلی نعمانی، خوشی محمد ناظر، داؤد بھائی امروہوی

آٹھواں سالانہ اجلاس منعقدہ علی گڑھ (۱۸۹۳ء)

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا آٹھواں سالانہ اجلاس ۲۷ تا ۳۰ دسمبر ۱۸۹۳ء زیر صدارت نواب محسن الدولہ، محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں بمقام علی گڑھ منعقد ہوا۔

نواب محسن الملک مولوی مہدی علی خاں ۹ دسمبر ۱۸۳۷ء کو اٹاوہ میں پیدا ہوئے عربی و فارسی کی مروجہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اٹاوہ کی کلکٹری میں محرر تلف مقرر ہوئے ان کی ذہانت اور مستعدی دیکھ کر مسٹر ایس ہیوم کلکٹر نے درجہ بدرجہ جلد جلد ترقیاں دیکر انھیں اپنی پیشی کا سررشتہ دار بنا لیا ۱۸۶۱ء میں تحصیلدار اور ۱۸۶۷ء میں ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے۔ اس عہدے کے فرائض نہایت نیک نامی کے ساتھ انجام دینے کے بعد ۱۸۷۴ء میں مستعفی ہو گئے اور سر سالار جنگ کی خواہش پر دولت آصفیہ سے وابستہ ہو کر حیدرآباد (دکن) چلے گئے۔ بیس برس تک دولت آصفیہ کی خدمات انجام دیں۔ ۱۸۹۳ء میں فنانشل اور پولٹیکل سکریٹری کے عہدے سے سبکدوش ہوئے اور آٹھ سو روپے ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا۔ اعلےٰ حضرت حضور نظام دکن نے محسن الدولہ محسن الملک منیر نواز جنگ کے خطاب سے سرفراز فرمایا دولت آصفیہ کی خدمت انجام دینے کے سلسلے میں نواب محسن الملک نے انگلستان کا سفر بھی کیا اور اپنی مفوضہ خدمات کو باحسن وجوہ انجام دیا۔

نواب محسن الملک صرف ایک اعلیٰ مدبر ہی نہ تھے بلکہ وہ ایک فصیح البیان مقرر اور کامل انشاپرداز بھی تھے قوم کی اصلاح کا خیال اور مدرستہ العلوم علی گڑھ کو ترقی دینے کے سلسلے میں سر سید احمد خاں کو نواب محسن الملک سے درمے قدمے قلمے سخنے ہر طریقے سے مدد ملتی تھی۔

جب ۱۸۸۶ء میں سرسید احمد خاں نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کی بنیاد ڈالی تو نواب محسن الملک نے اس تحریک کو دل سے خوش آمدید کہا کیونکہ وہ مسلمانان ہند کے خیالات کو ایک مرکز پر لانے کا ذریعہ اسی کانفرنس کو سمجھتے تھے سرسید احمد خاں کی وفات اور سید محمود کی سبک دوشی کے بعد وہ مدرستہ العلوم علی گڑھ کے آنریری سکریٹری منتخب ہوئے۔ اور مدرستہ العلوم کی بہبودی اور مسلمانوں کی اصلاح و ترقی کے لئے انھوں نے اپنی بہترین قوتیں اور کوششیں صرف کیں۔

۱۹۰۰ء میں جب سرانٹانی میکڈانل لفٹنٹ گورنر یوپی نے دفاتر سرکاری میں دیوناگری حروف جاری کرنے کا فیصلہ کیا تو اس سلسلے میں نواب محسن الملک نے قیصر باغ لکھنؤ کی بارہ دری میں ایک عظیم الشان جلسہ کیا جس میں "اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن" کی بنیاد پڑی یہ جلسہ مسلمانوں کے لئے سیاسی نوعیت سے نہایت اہم تھا۔ ۱۹۰۲ء میں جب کونسلوں کی اصلاح کا مسئلہ پیش ہوا تو نواب محسن الملک نے فوراً ایک ڈیپوٹیشن مرتب کیا جس نے یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو لارڈ منٹو کے سامنے ہز ہائی نیس سر آغا خان کی قیادت میں ایڈریس پیش کیا جس کی بنا پر منٹو مارلے اسکیم میں مسلمانوں کا جداگانہ حق نیابت تسلیم کیا گیا۔

نواب محسن الملک نے ۱۹۰۷ء میں بمقام شملہ انتقال فرمایا نعش علی گڑھ لائی گئی اور مدرستہ العلوم کی مسجد میں سرسید احمد خاں کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

کانفرنس کے آٹھویں اجلاس منعقدہ علی گڑھ کی پہلی خصوصیت یہ تھی کہ مہمانوں کی فرودگاہ کی پاسبانی مدرستہ العلوم کے طالب علموں نے اپنے ذمے لی اور اس مقصد کے لئے ایک جماعت "نیشنل پولیس" کے نام سے قائم کی گئی۔

اس اجلاس کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ اسی اجلاس کے دوران میں سید راس مسعود کی رسم تسمیہ خوانی ادا کی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ عملی طور پر لوگوں کو بتایا جائے

کہ ایسی تقریبات کے موقعوں پر جو روپیہ فضول اور بے کار رسموں میں صرف کیا جاتا ہے وہ قومی بھلائی کے کاموں میں صرف ہونا چاہیئے۔

تقریب بسم اللہ سے پہلے سرسید احمد خاں نے ایک تقریر فرمائی جس میں انھوں نے بتایا کہ

"میں اس رسم کو شعائر مسلمین میں سمجھتا ہوں جس کا نام بسم اللہ رکھا گیا ہے"

اور

"یہ بچہ مجھ کو سب سے زیادہ پیارا ہے اور میرے کل خاندان میں بھی ایک لڑکا ہے میں چاہتا تو دو چار ہزار روپیہ اس تقریب میں غریب ہونے کے باوجود خرچ کرسکتا تھا اور اپنے عزیزوں کو اس تقریب میں بلا کر شریک کرسکتا تھا لیکن میں نے اپنے لڑکے سید حامد اور اپنے لخت جگر سید محمد احمد تک کو نہیں بلایا"

یہ کہہ کر موصوف نے میز پر پانچ سو روپے کی تھیلی کانفرنس کے صدر (نواب محسن الملک) کے سامنے رکھی اور سید راس مسعود سے جو نواب محسن الملک اور راجہ جے کشن داس کے بیچ میں بیٹھے تھے پوچھا

"میاں یہ روپیہ کس کو دیا جائے"

انھوں نے بے ساختہ جواب دیا کہ

"مدرسہ کو دے دیجئے"

چنانچہ سرسید احمد خاں نے فرمایا کہ

"میں اس تقریب کی خوشی میں یہ تھیلی مدرستہ العلوم کی نذر کرتا ہوں"

سرسید کے بعد اس خوشی میں پانچ سو روپے نواب محسنُ الملک نے اور پانچ سو روپے راجہ جے کشن داس نے جو سرسید کے مخلص دوستوں میں تھے مدرستہ العلوم کو دئے اس طرح یہ تقریب انجام کو پہنچی۔

اس اجلاس میں نواب محسن الملک نے ایک جامع اور پر مغز خطبہ صدارت ارشاد فرمایا اس میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی اور ان اعتراضات کے جوابات دیئے جو سر سید کی تحریک پر کئے جاتے تھے مغربی تعلیم اور علوم و فنون کی اہمیت و ضرورت اور اس سے مسلمانوں کی عام بے اعتنائی کو واضح طور پر بیان فرمایا

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل دو خاص ریزولیوشن منظور ہوئے

(۱) گورنمنٹ اسکولوں اور کالجوں میں جو مسلم طلبہ پڑھتے ہیں ان کو عربی بطور سیکنڈ لینگویج لینے کے لئے مسلمانوں کی طرف سے وظیفے مقرر کئے جائیں۔

(۲) مسلمانوں میں ترقی تعلیم کے لئے جمہوری کوشش کی ضرورت ہے۔

اس اجلاس میں مولوی رفعت علی رئیس پیلی بھیت نے ایک فارسی نظم سنائی جو درج ذیل ہے

نظم فارسی مولوی رفعت علی رئیس پیلی بھیت

یاد آں روزے کہ ما اقبال یاور داشتیم
در تہ پا تخت بالائے سر افسر داشتیم

رائے ورایت برز و گر زو باج و تاج و بخت و تخت
ہرچہ می بائیست دنیا را میسر داشتیم

شرع و ورع فضل و بذل و علم و حلم و جد و جود
آنچہ دیں را بود شایاں زاں فزوں تر داشتیم

بازبانِ سازباں می داد فرمان شہی
مہرِ سلطانی رہین مہرِ خنصر داشتیم

بود قصرِ قیصر و منتر فریدوں طور تور
ارج ایرج داشتیم و سنج سنجر داشتیم

قہرِ ما را قاہرہ مقہور بود در روم رام
ہند و سند ایران و توراں زا مسخر داشتیم

تار و مار از تیرِ ما صد بار می گشتے تتار
شام را شامِ اجل از تیغ بر سر داشتیم

بود تبت در تپ از ما بود چیں چیں بر جبیں
تیغ بازی در جہاں چوں مہرِ خاور داشتیم

گاہ مغرب بود بازی گاہ شمشیر و سناں
گاہ مشرق تختۂ مشق تگاپور داشتیم

کوہ را کردی شکوہِ تیغ تیز ما ستوہ
لرزہ در البرز از گرز گراں سر داشتیم

بود از ما اتفاق و بود از ما انتساق
اتحاد یک دگر بے حد و بے مر داشتیم

گر نشانِ شانِ بزم ما ہمی پرسی ز ما
ساقی و مے مطرب و نے چنگ و مزمر داشتیم

در خبر از نظمِ رزمِ ما ہمی جوئی ز ما
رمح و ناوک تیغ و خنجر درع و مغفر داشتیم

بود ہر فرماں روا فرماں بر ما در جہاں
بسکہ ما سر بر خطِ فرمانِ داور داشتیم

دانش و دین و دلیری در دو دیہیم و درفش
فر و فوج و فتح و فرماں فرّہ و فرداشتیم

بود از اسلام در اقوام نامے نام ما
اے خوشا اللہ اکبر شوکت اسلام ما

علم دارد جملہ عالم انچہ از ما شد علم — با انام انعام داد اسلام بر وضع اُمم
بست نقش تازہ در بر بست پیشیں بر شکست — بر بسیط ربع مسکوں صیت دین محترم
خشک و تر را عہد ما پُر کرد از فن و ہنر — بحر و بر را عہد ما پرداخت از ظلم و ظلم
گاہ محکم ساختیم احکامِ حکمت را بحکم — گہ مقال فلسفی را صاف کردیم از قلم
کرد دار العلم قائم سعی ما در ہر مقام — ساخت برپا کوشش ما خانقہ در ہر قدم
ما رواں از سنگ ہا کردیم جوی و نہر را — ما عیاں فرسنگ را کردیم میل در راہ ہم
ما درونِ ملک آوردیم شرع و احتساب — ما بروں کردیم از بت خانہ ناقوس و صنم
تا فوائد رود ہر طرح قواعد ریختیم — تا بسازد آں و ایں کردیم آئیں منتظم
از حجاز آمد بروں و شد دروں اندر جہاز — در سیاحت قوم ما گو برد از اصنافِ اُمم
دُرّة التاج تجارت بود جستِ نفع ما — گوئیا تاراج می کردیم گنج و کان و یم
رائج از ما شد فلاحت در جہاں بہر فلاح — ظاہر از ما حرف حرفت گشت بر وجہ اتم
جسر و قصر گونہ گون و باغ و راغ رنگ رنگ — یادگار ماست در اسپین و بغداد و عجم
جوشِ ہمت فرطِ غیرت حسنِ نیت صدق قال — عمرہا در چشم عالم داشت ما را محتشم
بود چوں تیغ دو دم اندر دہاں ما را زباں — بود چوں رمح دو سر اندر بناں ما را قلم
قرنہا صاحبقراناں رشک بر ما بردہ اند — در شجاعت در فراست در امارت در کرم
بار در گفتار ما حرف تعلّی راسخ — انچہ بسیارش بگوئی نیست جز بسیار کم

ہیچ میدانی کہ بر ما از فلک زیں پس چہ رفت
شعلہ را بنگر کہ از دستش بہ مشت خس چہ رفت

حیف در اسلام آخر بر کشود ادبار بار / نو بہار ما خزاں گشت و گلِ ما گشت خار

بُرد از ما چرخ چوں رہزن زر از ابن السبیل / احترام و احتشام و اعتبار و افتخار

زو شبیخوں جیش عیش و تاج و رتاراج بُرد / کرد ما را کارزار اے یار ترک کارزار

شد نہاں از ما وفاق و شد عیاں در ما نفاق / جہل آمد در کنار و علم کرد از ما کنار

جز تہی دستی نہ یابیم انچہ ما را دست زرد / غیر کرد و فر نہ بینیم انچہ کرد از ما فرار

کس بقید غفلت ست و کس بکید نخوت است / کس ز می خواریست خوار و کس ز تبذیرست زار

آہ ایں گردوں کہ گردیدے بگرد حکم ما / برد اے دوں کار ما از دست و دست ما ز کار

آہ ایں ہندی کہ ما را بود کمتر ہندوے / بر سرِ ما می کشد صد بار تیغ گیر و دار

در کفِ اسلامیاں لے کاش بودے نقد علم / تا فزودندے وقار خویش پیش شہریار

آں کہ جاہ اوست مسجود جباہ مہر و ماہ / آں کہ جود اوست معبود سحاب نوبہار

آں کہ صد سال ست از مین قدومش ملک ہند / قطعہ قطعہ گلشن ست و خطہ خطہ مرغزار

آں کہ تا لندن رسانید ست حد ہند را / از کیاست از سیاست از حشم از اقتدار

فوج او از موج بیش و اوج او از چرخ بیش / اقتدار اوست شانِ قدرت پروردگار

بذل او یکساں فشاند سیم و زر بر خشک و تر / عدل او یک جا نشاند شیر و طفل شیرخوار

بسکہ لطفش تشنہ نپسند د بگیتی ہیچ چیز / تر نماید ہر شب از شبنم زبان خشک خار

دیدہ ور را نیست دوری گاہ از درگاہ او / بے ہنر را نیست در دربار او زنہار بار

شاہ مستغنی ز مدح و راہ مدحش بس دراز / می کنم زاں اختیار اینک طریق اختصار

نوحۂ قومی نوازم باز از چنگ زباں / زخمۂ دیگر زنم بر تار ساز کلک زار

ہے از و رفتار زشت و ہے ز ما کردار بد / منفعل گردوں ز ما و باز گردوں شرمسار

سلطنت گر خیر بادی گفت چنداں بد نبود / بد بود ایں کز سر ما گشت دانش رہ سپار

از گروہے راہ می جوئیم و از قومی رفاہ / وہ کہ ما گشتیم از خواری گدائی گدیہ خوار

برق بر خرمن فتاد و کشتها را اثر اکشت — گشت بحرِ بے کنار از سیل ما را کشت زار
داغ سوزاں در جگر داریم و اشک تر بچشم — درد پنہاں در درون و در بروں غم آشکار

رہگذر باریک و شب تاریک و پیش پا خلاب
وائے گر پیدا نگردد ہادیٔ راہ صواب

مژدہ اے یاراں کہ ما را یار می خواہد شدن — دیگر آں بخت جوان و باز ایں چرخ کہن
آں زبیل سید احمد خاں بہادر کردہ است — در علی گڈھ از کمال حزم بر پا انجمن
مجلس تعلیم را ایں گونہ باری بودہ است — حبذا ہادیٔ قوم و فرخا فخر زمن
مجلس زیبا کہ زیبد گفتنش رشکِ ارم — از شکوہ کوشک و انبوہ ارباب فطن
مجلس حکمت توانش نام کردن زانکہ او — ہست مملو از محاسن ہست خالی از فتن
مہتران و سروراں جمعند دروے جوق جوق — ہم ز بنگال و بہار ہم ز پنجاب و دکن
می برآرد ہر یکے تدبیر اصلاح عمل — می نگارد ہر کسے تفسیر کسب علم و فن
آں یکے نالاں کہ یاراں وقت بیداری سید — وائے گر گریاں کہ باشد خواب سنگین دل شکن

کس دہد ترغیب تحصیل علوم مغربی — کس کند تعلیم طرز خدمت شاہ زمن
کیست دانی آں کہ استاد ست اندر صف صدر — جوش در دل کاغذ اندر دست و لب گرم سخن
کیست دانی آں کہ دل از دست آہنگش برد — قلزم معنی ست شبلی عندلیب ایں چمن
ہر چہ ریزد از زبانش نیست جز آب حیات — ہر چہ خیزد از دہانش نیست جز دُرِ عدن
وانکہ دارد قال خود آئینہ دار حال قوم — حضرت حالی ست از شیریں مقالی نغمہ زن
واں دو یکتا محسن الملک ست و مولانا نذیر — ملک را از راہِ احساں بے نظیر اند ایں دو تن
ہر دو آں را حکم ناطق ہست بر نطق و بیاں — ہر دو آں را امر واثق ہست در ہر علم و فن
وانکہ بے تابانہ خواند شعر در وصف تعال — وانکہ بیباکانہ می نازد بہ نظم خویشتن
لاابالی شیوہ رفعت ہست کاندر درد قوم — درمیاں بزم آمد نوحہ خوان و نالہ زن

آں چناں کرد ست شرح درد با سوز و گداز | ہمچو شمع اندر لگن سوزد ز بالش در دہن
پائمالی ہائے قوم از بس ز فریادم گزشت | روز فردا ہم کند فریاد از چرخ کہن
شعر شعرش شعر در دست و اندوہ و ملال | بیت بیتش ہست بیت حسرت و بیخ و محن

وقت آں آمد کہ تاں در گوش فریادش کنید
حسبۃً للہ ز بند درد آزادش کنید

نظم مولانا محمد شبلی نعمانی جو اس اجلاس میں پڑھی گئی

گئے وہ دن کہ ہم محتاج تھے عبرت دلانے کے
ہمارا حال خود عبرت فزا ہے آج سرتا سر

گیا وہ وقت جب تھا بس اسی کا نام ہمدردی
کہ دو آنسو بہالیں قوم کی درماندہ حالت پر

ضرورت اب ہے گر ہم کو تو بس ہے ان بزرگوں کی
کہ جن میں خیر سے کچھ کر دکھانے کے بھی ہوں جوہر

فقط باتیں نہوں کچھ کام بھی بن آئے ہاتھوں سے
کہیں جو کچھ وہ منہ سے کر دکھائیں اس سے کچھ بڑھکر

نہیں گر یہ تو بس اک گرمئ صحبت کے ساماں ہیں
یہ قومی مرثیئے یہ وعظ یہ اسپیچ یہ لکچر

طلب اور سعی سے کچھ کام بن آئے تو بن آئے
فصاحت اور بلاغت کا بس اب چلتا نہیں منتر

تمھیں جو کام ہیں در پیش گو مشکل سے مشکل ہیں
مگر کرنے پہ آجاؤ تو آساں سے ہیں آساں تر

مندرجہ ذیل اشعار منشی محمد خان ناظر بی۔ اے نے اپنی تقریر کے دوران میں پڑھے

اس دبستاں کا ہے یہ پہلا سبق — درد دل ہے درد قومی کی دوا
ہر سحر سنتے ہیں اک آواز غیب — لیس للانسان الا ما سعیٰ
گرم جولاں ہیں طلب میں رات دن — یونین - الفرض و اُخوان الصفا
جلد وہ دن ہو کہ بزم قوم کو — جگمگا دے ان چراغوں کی ضیا
خود خدا آباد کرتا ہے وہ گھر — جس کی رکھتے ہیں اخوت پر بنا

اے قوم کے مسیحا مُردے جلائیے گا — اے ناؤ کے کھویّا ڈوبے ترائیے گا
منزل کٹھن ہے اپنی اور راہ پیچ در پیچ — اس کارواں کو رستہ سیدھا بتائیے گا
آفات دہر ہر سو آنکھیں دکھا رہے ہیں — ان حادثوں کی زد سے ہم کو بچائیے گا
آپس کے تفرقوں نے پامال کر دیا ہے — اے چارہ ساز اپنی بگڑی بنائیے گا
قسمت کے فیصلے سے مایوس ہو گئے ہیں — ہم بیدلوں کو کوئی ڈھارس بندھائیے گا
ڈالی تھی ناؤ اپنی بحر طلب میں تو نے — اب آپ ہی کنارے اس کو لگائیے گا
جس باغ کو لگایا جاں کاہیوں سے تو نے — سر تیزی خزاں سے اس کو بچائیے گا
جو لوح دل پہ تیرے جذوں سے کھچ رہے ہیں — کالج میں ان کا نقشہ ہم کو دکھائیے گا
جو دردِ دل تھا پنہاں سینہ میں تیرے اب تک — اب انجمن میں پردہ اس سے اُٹھائیے گا

خدمت میں ان کے حالی کہتا ہے یہ ادب سے — اس وقت محفل آرا یاں جتنے مہرباں ہیں
مدت ہوئی کہ ہم کو آنکھیں دکھا رہے ہیں — قدرت کے قاعدے جو دنیا پہ حکمراں ہیں
گھڑیال اور مگرمچھ ہیں ان کو نگلے جاتے — دریا میں مچھلیاں جو کمزور و ناتواں ہیں
سنبھلو وگرنہ رہنا یاں اس طرح پڑے گا — بھیل اور گونڈ جیسے گمنام و بے نشاں ہیں
یہ غفلتیں مبادا اب روز بد دکھائیں — دھندلے سے کچھ نشاں ہیں ڈر ہے کہ مٹ نہ جائیں

مندرجہ ذیل نظم مولانا شبلی نعمانی نے حاضرین جلسہ کے خیر مقدم کے موقع پر پڑھی

بجا ہے آج اگر اس بزم میں یہ زیب و ساماں ہیں
یہ ان کی بزم ہے جو یادگارِ نسلِ عدناں ہیں

خلیل اللہ سے مہماں نوازی جن کو پہنچی ہے
ہزاروں کوس سے آ کے وہ اس گھر میں مہماں ہیں

فقط اک جذبۂ قومی انھیں واں کھینچ لایا ہے
جہاں زورِ حکومت ہے نہ حاجب ہیں نہ درباں ہیں

ہماری خدمتوں کا وہ اُٹھانے آئے ہیں احساں
کہ اسلامی جماعت پر ہزاروں جن کے احساں ہیں

ہنر میں ۔ علم میں ۔ اخلاق میں مجد و شرافت میں
یہی وہ صورتیں ہیں جن پہ ہم تم آج نازاں ہیں

خدا نے ان کو بخشی ہے حکومت اور سطوت بھی
کہ جسم سلطنت کے یہ جوارح اور ارکاں ہیں

مگر ان کو کسی عزت پہ نازش ہے تو اس پر ہے
کہ یہ اسلام کے ہیں نام لیوا اور مسلماں ہیں

نہ عہدوں کا تفاوت ہے نہ کچھ فرق مراتب ہے
یہاں جس سادگی سے یہ شریک بزمِ اخواں ہیں

معمّر بھی ہیں ان میں نوجواں بھی اور کم سن بھی
مگر شانِ اخوت میں مدارج سب کے یکساں ہیں

یہ وہ ہیں جن میں ہے اسلاف کا اب تک اثر باقی
یہ وہ ہیں جن میں جوہر نسلِ عدنانی کے پنہاں ہیں

ان ہی کے بازوؤں میں زور تھا کشور ستانی کا
ان ہی کی یادگاریں جا بجا اب تک نمایاں ہیں

یہ وہ ہیں جان و دل سے جو فدائے قوم و ملت ہیں
یہ وہ ہیں نام پر اسلام کے جو دل سے قرباں ہیں

نہ ہوگا ایک بھی دل۔ درد قومی سے جو خالی ہو
بظاہر گرچہ سب مسرور ہیں خرم ہیں شاداں ہیں

انھیں احساس ہے آئین و ملت کی تباہی کا
یہ واقف ہیں کہ بیڑے قوم کے اب غرق طوفاں ہیں

انھیں معلوم ہے جس تاک میں ہے گردشِ گردوں
انھیں محسوس ہے جس گھات میں ایام دوراں ہیں

خبر ہے ان کو جس آزار میں چھوٹا بڑا ہے اب
یہ واقف ہیں کہ پہلے قوم کیا تھی اور کیا ہے اب

علاج اپنا ہم ابتک تو سمجھتے تھے کہ آساں ہے
مگر وہ درد نکلا جس کو ہم سمجھے کہ درماں ہے

دوا ہر بار جب اپنا اثر اُلٹا ہی دکھلائے
تو بس سمجھو کہ اب بیمار کوئی دم کا مہماں ہے

جو سچ پوچھو تو ہے اسلامیوں کی اب یہی حالت
مرض دُونا بڑھا دیتی ہے خود وہ شے جو درماں ہے

سلف کا تذکرہ جو ہمت اور عزت کا ہے افسوں
ہمارے حق میں وہ سرمایۂ خواب پریشاں ہے

یہ افسانے بڑھاتے ہیں ہماری نیند کی شدّت
یہ افسوں حق میں اپنے اور مدہوشی کا ساماں ہے

ہمیں احساس تک ہوتا نہیں اپنی تباہی کا
کہ سب پیشِ نظر اسلاف کی وہ شوکت و شاں ہے

ہماری کلفتیں سب دُور ہو جاتی ہیں یہ سُن کر
کہ دُنیا آج تک اسلام کی ممنونِ احساں ہے

مزے لیتے ہیں پہروں تک کسی سے جب یہ سنتے ہیں
کہ یورپ دولتِ عباس کا اب تک ثنا خواں ہے

نہیں رہنے کو یاں گھر تک مگر چرچے یہ رہتے ہیں
کہ اب تک قصرِ حمرا قبلہ گاہِ رہ نورداں ہے

ہیں خود اَن پڑھ مگر اس زعم میں اترائے پھرتے ہیں
کہ دنیا میں ہمیں سے زندہ اب تک نامِ یوناں ہے

نظر آتے ہیں ہم کو عیب اپنی خوبیاں بن کر
ہم اپنی جہل کو بھی یہ سمجھتے ہیں کہ عرفاں ہے

بسر ہوتی ہے گر اوقات فیاضی پہ غیروں کی
تو سمجھے ہیں کہ بس زہد و توکل کی یہی شاں ہے

حمیت اور خودداری نہیں ہے گر طبیعت میں
تو اچھا ہے کہ مسکینی تو اوّل شرطِ ایماں ہے

طبیعت میں اگر ہیں فتنہ پردازی کے کچھ جوہر
تو دعوا ہے کہ تدبیر اور سیاست فرضِ انساں ہے

وہ قوم اور وہ جماعت جس میں یہ اخلاق محکم ہیں
بلائیں اس پہ جو آئیں وہ کم ہیں اور بہت کم ہیں

یہ جو کچھ سُن چکے ہو قوم کی تم حالت ابتر
نہ سمجھو یہ کہ ہے اس داستاں کا خاتمہ اِس پر

ہماری سب سے بڑھ کر بدنصیبی جو ہے وہ یہ ہے
کہ بے پروا ہیں وہ بھی قوم کے جو آج ہیں لیڈر

گیا وہ وقت جب تھا بس اسی کا نام ہمدردی
کہ دو آنسو بہالیں قوم کی درماندہ حالت پر

گیا وہ وقت ہم کو ناصحوں کی جب ضرورت تھی
فلک نے کر دیا اک اک کو آپ اپنا نصیحت گر

گئے وہ دن کہ ہم محتاج تھے عبرت دلانے کے
ہمارا حال خود عبرت فزا ہے آج سرتاسر

ضرورت اب ہے گر ہم کو تو بس ہے ان بزرگوں کی
کہ جن میں خیر سے کچھ کر دکھانے کے بھی ہوں جوہر

فقط باتیں نہوں کچھ کام بھی بن آئے ہاتھوں سے
کہیں جو کچھ وہ منہ سے کر دکھائیں اس سے کچھ بڑھ کر

نہیں گر یہ تو بس اک گرمیٔ صحبت کے ساماں ہیں
یہ قومی مرثیے، یہ وعظ یہ اسپیچ یہ لکچر

طلب اور سعی سے کچھ کام بن آئے تو بن آئے
فصاحت اور بلاغت کا بس اب چلتا نہیں منتر

تمہیں جو کام ہیں درپیش گو مشکل سے مشکل ہیں
مگر کرنے پہ آجاؤ تو آساں سے ہیں آساں تر

ابھی تک تم میں ہے اسلاف کا کچھ کچھ اثر باقی
شرر گو بجھ چکے پر گرم ہے اب تک وہ خاکستر

ابھی کچھ کچھ مہک باقی ہے ان مُرجھائے پھولوں میں
ابھی کچھ کاٹ ہے اس تیغ میں گر مٹ چکے جوہر

کمی جس بات کی یا نقص جو تم میں ہے وہ یہ ہے
کہ تم ان قوتوں کو صرف بے جا کرتے ہو اکثر

وہی فیاضیاں تم میں ہیں جو تھیں معن و حاتم میں
مگر بے ہودہ رسموں کے لئے وہ وقف ہیں یکسر

کچھ اس سے کم ہوا تھا صرف تجہیز اُسامہ میں
لٹا دیتے ہو تقریبوں میں جتنا تم زر و زیور

فقط آپس کے جھگڑوں میں تم اس سے کام لیتے ہو
وہ جودت اور ذہانت جس میں اب بھی تم ہو نام آور

سنبھلنا اب بھی گر چاہو تو ہے وقت اور ضرورت بھی
دگرنہ پھر نہیں رہنے کی جو کچھ ہے یہ حالت بھی

مندرجہ ذیل عربی نظم مولوی داؤد بھائی (امروہوی) نے بوقت شب حاضرین کے رُوبرو پڑھی۔

یا اُمتہ المختار یا خیرُ الامم — یا زبدۃ العرب الکرام والعجم
یا عصبۃ اللہ القدیر المالک — یا فاتحی الملوک والممالک
یا اسد غاب الحرب لا اسد الشری — تغذ و علی التبع لا علی القری
یا انجم السمٰو لا السماء — انوار ہا للظلم لا الظلماء
یا حافظی الاسلام والایمان — یا حامی الحدیث والقرآن
قال کتاب اللہ یا اہل الصفاء — ان لنا لا سوۃ فی المصطفٰے
وہو الذی انقذنا من الرّدی — ودلنا علے الرشاد والہدی

وہو الامین الطاہر الجیوب　　اطلعہ اللہ علے الغیوب
لولاک یا رسول رب الکرسی　　ماکان من بدر ولا من شمس
ما انفک رکن الشرک غیر منہدم　　وتعبدالاوثان دھرا فی الحرم
وکانت القلوب حقا غلفا　　لم تدو غیرالمنکرات عرفا
بجدک العالی وبالجہاد　　فزنا بدنیانا وبالمعاد
لولم تبادر یوم بدر للعدی　　مالاح بدر الرشد والغی دجی
لولم تعصب فی السن یوم اُحد　　ماکان من یکسر الا حد
لولم یجدل منوک القرم الکمی　　عمرواشجاعا لم یکن من مسلم
لولم تقاس الحین فی الحنین　　ماونخ الصبح لذی عینین
ایفیالنا فی صحبہ الکرام　　والتابعین السادت العظام
لعبرۃ تشجع الجبانا　　ولوعتہ تہیجی الجنانا
فبعضہم قد رکبوا الاہوالا　　وبعضہم قد بذلوا الاموالا
وبعضہم قد شردوا عن الوطن　　وصبروا علے البلاء والفتن
لم یخلو بالنفس والنفیس　　براسہم فدوا علے الرئیس
کانوا حماۃ وحماۃ الدین　　اعلوا غبار الحق والیقین
یامن عزوا الیہم نجارا　　لاعزوان تقفوا الہم اثارا
یاقوم من میراثکم جہاد　　والسعی فی العلاء واجتہاد
فاتخذوا منہم مسلکم　　وعظموا مشعرہم منسکم
لاتقعدوا عن ابتغاء المجد　　فالجد باللہ زعیم الجد
لاتلہکم بیض الوجوہ والطلی　　عن ناعمات المکرمات والعلی
ولاتکن راحتکم فی الراح　　بل فی اغتباق العلم واصطباح

ودعوا ان شئتم المداعبة　　بيض النهى والعقل لا الملاعبة

وليكن التشبيب للمعارف　　لا للحسان الجمد والمعاطف

اما ترون يا اولى الابصار　　تصرف الدهور والاعصار

قد ادبر الدهر الخؤن ولى　　وغيركم عليكم تولى

وسبقوكم اكثر الاقوام　　فى المال والعلوم والاحلام

واستوعبوا هندسة باسرها　　تمتعوا بحلوها ومرها

واستنبطوا يا قوم من فنون　　مالم يدر والله فى ظنون

وسبروا غور المحيط الاعظم　　كمثل عمان ومثل قلزم

ثم ارتقوا عقلا الى الخضراء　　ومسحوا مساحة الغبراء

واوجدوا للخلق من آلات　　ما ينفع الورى على علات

راضوا رياضا للرياضيات　　وطبعوا على طبيعيات

واخذوا يوم الرهان الفلسفى　　قصب السابق بالقومى اسفى

وركبوا البحور للتجارة　　فربحت وامنوا الخسارة

وفتشوا جزائر لم تعلم　　وملكوها كالمليك الاعظم

وحفروا معادن الجواهر　　فوجدوا انفائس الذخائر

واخرجوا النضار من تراب　　واللؤلؤ الثمين من عباب

تنبهوا تبصروا يا قومى　　ما فاتكم فى غفلة والنوم

ينزعكم من سوء دا منازع　　وهو لكم فيما مضى لناصح

يا ليت شعرى لم رضيتم بالدنى　　وانتم والله اولى بالعلى

كنتم اشم العالمين انفا　　اكثرهم فطانة وظرفا

تقدموا اسلوا سيوف العزم　　تحزموا فتياتنا بالحزم

شمروا علے اجتہاد جدا — فجزرکم یبدل حقا مدا
لا باس ان سبقتم اخوانی — لا تقنطوا من رحمۃ الرحمٰن
اما سمعتم یا اولی المناقب — للمتقین احسنُ العواقب
للّٰہ در السید المجد — سر سید القرم الکریم المجتد
فاق اذ ساد اتنا فی سکرۃ — فادا تنا فی حیرۃ و غمزۃ
فایقظ القوم النیام الهجعا — لیو فضوا الے المعالی سرعا
دعی الے اقتباس کل حکمۃ — والسعے فی علم بعالی ہمتہ
عاذنہ علیم عنز بیض — شم کرام در ہم یفیض
لم یال کل منہم فی جہدہ — بنفسہ و مالہ و جدہ
فہیئوا الاسباب للتہذیب — والدرس والتعلیم والتادیب
فاغتنموا بہذہ الاسباب — وزینوا الانساب بالاحساب
تنافسوا فی العلم والکمال — فانکم فتیان ذو الجمال
واغتنموا الفرصۃ یا اولی النہے — ولیس للانسان الا ما سعے
والحمد للّٰہ العزیز القادر — سلامہ علے النبی الطاہر

وآلہ الاطہار اہل العصمۃ
وصحبہ الغر ہداۃ الامۃ

محمد راضی مختار، صادق حسین صادق، سید علی یاور، شفیق الرحمٰن

نواں سالانہ اجلاس منعقدہ علی گڑھ (۱۸۹۴ء)

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا نواں اجلاس زیر صدارت خاں بہادر جسٹس محمد شاہ دین، بمقام علی گڑھ دسمبر ۱۸۹۴ء میں منعقد ہوا۔

میاں محمد شاہ دین باغبان پورہ (لاہور) کے معزز تعلیم یافتہ "میاں خاندان" کے چشم و چراغ تھے میاں صاحب ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے درجوں سے بی۔ اے تک تمام امتحانات میں امتیاز کیساتھ کامیابی حاصل کی ۱۸۸۵ء میں قانون کی تعلیم کی تکمیل کی غرض سے انگلستان گئے شرع محمدی میں ان کی قابلیت مسلّم تھی چنانچہ اسی بنا پر وہ ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ شعر و شاعری کا بھی ذوق رکھتے تھے تخلص ہمایوں تھا۔ میاں صاحب نے دو مرتبہ ۱۸۹۴ء اور ۱۹۱۳ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی صدارت فرمائی۔ پچاس سال کی عمر میں ۱۹۱۸ء میں اُن کا انتقال ہوا۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کہا ہے

در گلستانِ دہر ہمایونِ نکتہ سنج — آمد مثال شبنم و چوں بوئے گل رمید

می جست عندلیب خوش آیند سال فوت — علامۂ فصیح ز ہر چار سو شنید

میاں محمد شاہ دین کے لائق فرزند میاں بشیر احمد بیرسٹرایٹ لا ہوئے انھوں نے اپنے والد کی یادگار میں ایک علمی و ادبی ماہنامہ "ہمایوں" لاہور سے نکالا جو اب بند ہو چکا ہے۔

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیوشن منظور رہوا

(۱) اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ جلسہ ندوۃ العلماء جو بمقام کانپور منعقد ہوا تھا اور جس میں علماء اور اکابر دین جمع ہوئے تھے تمام مسلمانوں کی توجہ کے

لائق ہے اور اس کے مقاصد یعنی اصلاح طریقہ تعلیم اور رفع نزاع باہمی نہایت عمدہ اور مفید ہیں اور تمام مسلمانوں کو ایسی عمدہ اور مفید مجلس کی جس سے مسلمانوں کی دینی اور دنیوی بہبودی مقصود ہے بدل وجاں قلم سے، قدم سے، درم سے مدد کرنی چاہیئے۔

میاں محمد شاہ دین نے بڑا عالمانہ خطبہ صدارت ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد منشی محمد راضی مختار اٹاوہ نے ایک رباعی اور ایک مناجات پڑھی جو درج ذیل ہے۔

دادیم بباد جاہ و اجلال | از جہل و نفاق و سوء اعمال
کن روزیٔ ما ز فضل یارب | علم و عمل و عروج و اقبال

مناجات

خدایا تری قدرتیں جلوہ گر ہیں | تری صنعتوں سے بھرے بحر و بر ہیں
صدف سے کئے تو نے گوہر ہویدا | کئے لعل و یاقوت پتھر سے پیدا
درختوں میں پھل پھول تو نے لگائے | کہ پھر وہ نہ جامہ میں پھولے سمائے
گلوں سے کہیں تو نے گلشن سجایا | کہیں تو نے صحرا میں سبزہ جمایا
کوئی چیز تیری نہ بے کار دیکھی | جڑی بوٹیوں میں بھی تاثیر بخشی
پتہ تیرا ہر برگ بتلا رہا ہے | تری شان ہر نخل دکھلا رہا ہے
بسی تیری پیراہن گل میں بو ہے | زبان عنادل پہ بس تو ہی تو ہے
کھلائے ہیں وہ پھول تو نے چمن میں | کہ ہر اک نرالا بنا بانکپن میں
پیاری سحر کی سہانی ہوائیں | نہ کیوں طوطیاں دیکھ کر چہچہائیں
گل و برگ پر دیکھ شبنم کے قطرے | نگہ کہہ رہی ہے کہ موتی ہیں بکھرے
تماشے یہ سب ہیں تری قدرتوں کے | یہ سب روپ ہیں تیری ہی صنعتوں کے
کوئی شے نہیں تیرے جلوے سے خالی | وہ موجود ہو یا ہو شکل خیالی

یہ نادر صنائع دکھائے جو تو نے
تری قدرتوں کے ہیں ادنےٰ نمونے

بشر کو کیا تو نے جگ کا اُجالا
کہ سب سے وہ افضل ہوا اور اعلیٰ

خدایا بڑا تیرا احساں ہے، ہم پر
کہ بخشا محمدؐ سا ہم کو پیمبر

نبیوں کا سرتاج و سردارِ عالم
ترا خاص محبوب و ہم راز و محرم

محبت کے گُر جس نے ہم کو سکھائے
کہ اغیار بھی ہم نے اپنے بنائے

ہمیں کج روی کی بلا سے بچایا
نشاں جادۂ راستی کا بتایا

جو تھا حُسنِ اخلاق میں فردِ کامل
غریبوں کے دکھ درد میں دل سے شامل

عنایت ہے تیری خداوند عالم
ہدایت کو بھیجی کتابِ معظم

خزینہ فصاحت بلاغت کی ہے وہ
ذخیرہ ہر اک علم و حکمت کی ہے وہ

کتاب ایسی کس قوم کو تو نے دی ہے
تری ذات جس کی محافظ بنی ہے

نبی گر یہ ہم میں ہمارا نہیں ہے
مگر رہنما وہ کلام مبیں ہے

جو اَسلاف ذی قدر گزرے ہمارے
کمالات علمی کے پُتلے تھے سارے

بھلائی کے جویاں ترقی کے خواہاں
وہ قومی فوائد پہ تھے دل سے قرباں

وہ ترویجِ علم و ہنر پر فدا تھے
وہ شہرت میں خورشید سے بھی سوا تھے

جہاں داری و ملک گیری میں فائق
اصول تمدن میں ہر طرح لائق

جہاں کو وہ رونق تھی اُن اہل دیں سے
کہ جیسے ہو خاتم کو زینت نگیں سے

وہ گنجینۂ فن تو زیر زمیں ہیں
مگر اُن کے آثار خاطر نشیں ہیں

اُن ہی کی ہے لائف ترقی کی رہبر
جسے قدر سے دیکھتے ہیں ہنرور

مگر اب وہی اُمتِ احمدی ہے
کہ چھائی ہوئی جس پہ یہ بیکسی ہے

نہ ترویجِ مذہب سے کچھ اس کو الفت
نہ تحصیل علم و ہنر کی ہے رغبت

کہاں جوشِ ہمدردیٔ قوم باقی
کہ پھیلی ہے اب ہم میں نا اتفاقی

کسی پر ہے الزام لامذہبی کا
کسی پر لگا حکم ہے نیچری کا

کسی کو ہیں مشرک سے تعبیر کرتے
غرض ہیں ہر اک طرح تحقیر کرتے

نہ احکام سے تیرے ان کو غرض ہے
بڑھا اب جہالت کا ایسا مرض ہے

نہ کچھ اتباع نبیِّ مکرم
کہ جس نے سہے تھے ان ہی کیلئے غم

درستیِ دنیا و عقبےٰ سے کاہل
پڑے کبر و نخوت میں ہیں آج غافل

الٰہی عطا کردہ جوشِ اخوت
کہ یک جاں دو قالب بنے پھر یہ امت

پیمبر کا پیرو خدایا بنادے
الٰہی طریقِ صحیح یہ سکھادے

الٰہی مٹا دے یہ آپس کے کینے
اُسی طرح بھر دے محبت سے سینے

اسی اجلاس میں مندرجہ ذیل قصیدۂ فارسی منشی صادق حسین صادق مختار آمادہ نے پڑھا۔

قصیدہ فارسی

از گزشتہ شوکت و جاہ و جلال و اقتدار
یاد ہر کس می کند با صد ہزاراں افتخار

لیک ایں افسانۂ پارینہ و عبرت فزا
عقل می گوید کہ باشد باعث صد ننگ و عار

با پریشاں حالئ خود فخر جاہ رفتگاں
پیش دانش پروراں خوش تر نباشد زینہار

ہم چنیں ایں نوحۂ افلاس و بربادئ قوم
کرد چوں ماہ محرم صد گریباں تار تار

ہیچ نکشاید مگر زیں نالۂ و آہ و فغاں
چوں زناں باشیم گرچہ تا قیامت سوگوار

اے عزیزاں در عمل کوشید با عزم درست
ورنہ ایں اسپیچ و وعظ و لیکچر ناید بکار

شکر یزداں را ولے گویم کہ از الطاف او
قوم ما راہِ عمل کردہ است اکنوں اختیار

تخمہا افشاندہ شد تا سبز گردد کشت قوم
نورہا گستردہ شد تا قوم تابد بہر وار

مشکلے پیش آمدہ الاکہ چند اصحاب قوم
از خیالاتِ پریشاں می فزایند انتشار

آں یکے گوید کہ ما را بس بود علم عرب
قوم ما تا از بلائے جہل گردد رستگار

واں دگر گوید کہ بس باشد زبان فارسی
قوم خواہد یافت از وے صوتے رشک بہار

آں یکے مشغول در ترویج عقد بیوگاں
تا ازیں حیلہ بجوید نصرتِ پروردگار

واں دگر گوید بہ ترک رسم و راہ سابقیں
چوں ترقی را بود در زعم او بروے مدار

آں یکے گوید کہ انگلش طرز لائف لازم است
ورنہ در اقوام وحشی قوم ما یابد شمار

واں دگر گوید تشابہ با نصاریٰ خوب نیست
کوٹ پتلون را ز ممنوعاتِ شرعی می شمار

آں یکے گوید کہ در تقلید خود را محو کن
واں دگر گوید کہ از تقلید خود را دور دار

آں یکے گوید کہ وقفِ محفلِ میلاد شو
واں دگر گوید کہ او را در معاصی می شمار

آں یکے گوید بگو آمیں بآواز بلند
پنبۂ غفلت زگوشِ ہوشِ خود یکدم برار

واں دگر گوید کہ نے ایں شور و غوغا خوب نیست
لب ببند و کارِ خود با حضرتِ بے چوں سپار

آں یکے گوید کہ بحثِ شیعہ و سنّی خوش است
واں دگر خواہد بدل باشند ہر دو یارِ غار

آں یکے گوید تجارت را توجہ لازم است
واں دگر خواہد زراعت را بود سرسبز کار

آں یکے گوید کہ تعمیرِ مساجد خوش تر است
واں دگر بہرِ مساکیں و ضعیفان غم گسار

آں یکے یوروپین لیڈی چو آوردہ بہ عقد
یافتہ بہرہ ترقی نزد بانِ استوار

واں دگر تعلیمِ نسواں را شمارد فرضِ عین
تا وزد در گلستانِ قوم بادِ نو بہار

آں یکے گوید بامریکہ فرستد عالماں
تا بتابد مہرِ اسلامی باہلِ آں دیار

لیک زیں آراے ناقص برنیاید ہیچ سود
گر فلاحِ قوم خواہید اے سرانِ روزگار

بہ ازیں نبود کہ باصد جان و دل کوشش کنید
بہرِ تعلیمے کہ بخشیدہ است یورپ را وقار

باچنیں تعلیم لازم شد ولے تعلیم دیں
تاکہ در دنیا و دیں یابیم جاہ و اقتدار

نیشنل فیلنگ در اطفال خود پیدا کنید
تا درختِ قوم آرد از سرِ نو برگ و بار

گر کسے پرسد ز من ایں کار را تدبیر چیست
گویم ایں کالج کہ حکمت را بود دار القرار

خانۂ فیضان رحمت ایں کہ می آید نظر
مجمع طفلاں بنور شمعش پروانہ وار

در چنیں کالج بیارید اے سران قوم ما
از پئے تعلیم طفلاں را بصد عزّ و وقار

جوش آرید اے مسلماناں برائے اتفاق
قوتِ مجموعۂ ما تا نیابد انتشار

زود برخیزید ایں خواب تغافل تا بکے
جلوہ افروز است در عالم کہ خود نصف النہار

اے مسلماناں بہ اسلامی حمیت رُخ کنید
اے مسلماناں ز عالی ہمتی گیرید کار

نقد ہمت را برون از کیسۂ جاں آورید
تا بود ایں مدرسہ راسخ و بنیاد استوار

المدد اے حامیانِ دین و ہمدردانِ قوم
المدد اے در فلاح خلق یزداں جاں نثار

در چنیں مجلس بیائید اے بہی خواہانِ قوم
تا رسد باران رحمت بر شما از کردگار

درعمل آرید تدبیرے کہ باشد سُود مند
کار برگیرید زاں رائے کہ باشد استوار

گفتگو سازید باہم بہر حلِّ مشکلات
تا شود آساں بایں تدبیر ہر دشوار کار

قدر سر سید شناسید اے خردمندانِ قوم
ذات او شد در حق ما رحمتِ پروردگار

غم خورد ایں پیر دانا دل ہمیشہ بہر قوم
فکرِ بہبودی ما او را بود لیل و نہار

پُر اثر تقریر او مفتاحِ گنج شائگاں
خامۂ پُر زور او زریں رقم جادُو نگار

ناخن تدبیر او ہر عقدۂ مشکل کُشا
شاہباز عقل او اَو ہام را کردہ شکار

از طفیل اوست ایں جلوہ کہ می آید نظر
اے خداوندا ازل تا دیر او را زندہ دار

ذیل کی نظم سید علی صاحب، یاؔور طالب علم مدرستہ العلوم نے پڑھی

اشہبِ فکر دیکھ تیز قدم
نظم کے ختم تک نہ لینا دَم

چُنوں گُل زارِ نظم سے وہ گُل
جن کے اہلِ سخن بنے بلبُل

جن سے ہوں باغ باغ سب احباب
ہوں معطّر دماغ سب احباب

خوش ہوں سب داد فکر بھی مل جائے
باغ اوصاف مدرسہ کھل جائے

طول اس میں نہ چاہیے کہ ہو بار
ہوئے مُشتے نمونہ از خروار

انڈیا میں ہے فرسٹ جو کالج　　جس کو کہتے ہیں ایم اے او کالج
درس و تدریس کا ہے یہ گلزار　　ہیں علوم و فنون جس کی بہار
اس کے طلاب ہیں وہ سرو سہی　　جن سے ہوئے گی انڈیا کو بہی
تخم نیکی سے وہ اگائیں لے سیب　　دُور کر دیں گے ملک کے آسیب
کیوں نہ یہ مدرسہ ہو رشک جناں　　کون اس باغ کا بنا رضواں
وہ کہ ہے سیّد بلند حسب　　وہ کہ ہے سیّد خجستہ نسب
وہ کہ ہے سالکِ رہ علّام　　وہ کہ ختم رسل پہ جس کا نام
یہ سلامت رہیں ہزاروں سال　　تا قیامت رہے فزوں اقبال
مزرع علم سبز ہو تا کب　　گر نہ ہوتے یہاں پہ بک صاحب
ہیں یہ اس باغ پُر بہار کی نہر　　ان سے ہر ایک کو ملا اک بہر
میرا ممدُوح ہے وہ اسپیکر　　جس کے شاگرد تک ہیں بیرسٹر
چشمۂ فیض ایک اور ہیں اب　　نام نامی ہیں ماریسن صاحب
جو ملا ان سے فیض یاب ہوا　　جو پڑھا ان سے کامیاب ہوا
آرنلڈ ہیں یہاں فلاطون جاہ　　آسمانِ علوم کے ہیں یہ ماہ
پڑ گئی ان کی فیض کی جو نظر　　گلشنِ مدرسہ ہوا اخضر
ہیں وہ کیتری یہاں اب اک استاد　　جن سے کرتے ہیں ہسٹری سب یاد
مولوی شبلیٔ خجستہ سیَر　　آج کالج کے ہیں جو رُوح و جگر
ہیں سپہر علوم اختر بخش　　ہیں یہ جیحونِ علم گوہر بخش
ہوتے گر انوری و خاقانی　　سامنے ان کے بھرتے وہ پانی
مہر در عالماں ہندستاں　　بدر در عاقلان ہندوستاں
ہمہ داں ایک اور ہیں استاد　　ہیں خجستہ لقب بلند نژاد

ہے جو عباس اور حسین پہ نام | اس لئے آگئے ہر ایک کے کام
عربی فارسی کے ہیں دریا | ان سے ہر ایک فیض یاب ہوا
ہو گیا سبز سر بسر گلشن | کھلکھلانے لگا ہر ایک چمن
ہیں وہ چکرا ورتی ریاضی داں | کہ دبیر فلک بھی ہے حیراں
ان کے شاگرد سب ہوئے اکمل | سب ریاضت کا پاگئے اک پھل
ہورسٹ صاحب جو ہو گئے اُستاد | نونہالاں مدرسہ ہوئے شاد
ہیں سکنڈ ماسٹر کے وہ الطاف | جنکے وصف وثنا ہیں خود وصاف
خوشۂ چینِ ریاضِ علم وعمل | دل سے کرتا ہے اب دعا ہر پل
کہ خدایا بحق شاہ انام | اس گلستاں کو ہو قیام ودوام

یہ گلستاں سدا ہو بار آور
نہ خزاں آئے یاں کبھی یاور

غزل ومسدس فارسی جو مولوی شفیق الرحمن صاحب رامپوری نے پڑھ کر سنائی۔

غزل

یا ایہا الکرام بدانید من کیم | زاں پیشتر کہ در طرف نظم روکنم
زاہد نیم کہ جبہ و دستار بجگاہ | در جامعے بیارم واز نو وضو کنم
قاضی نیم کہ نص وخبر پیش او نہم | تا عیب در لباس کسے جستجو کنم
واعظ نیم کہ بحث مذاہب در آورم | لعنت بریں بگویم و بر آں تفو کنم
شاعر نیم کہ در صفت خط وخال و زلف | تحسین وآفریں بہ سخن آرزو کنم
ہم مستشار ملک نیم تا بہ مجلسے | از نظم ونسق سلطنتے گفتگو کنم
آنم کہ بہر گرمیٔ ہنگامہ صبح گاہ | خود شعر چند خوانم و خود ہائے ہو کنم

آنم کہ بہر سیّد قوم از خدائے خویش
عمرِ دراز خواہم و سر را فرو کنم

مسدّس فارسی

یاد ایامیکہ طیبہ مہبط جبرئیل بود — شاد ہنگامیکہ درسِ کفر را تعطیل بود
حبذا روزے کہ در وے وحی را تنزیل بود — فرخا وقتے کہ ہر اجمال را تفصیل بود
ہر چہ جز یاد خدا از صفحۂ دل محو بود
دینِ حق می بست نقش و کفر باطل محو بود

دینِ حق ہمچوں شجر شد سایہ افگن بر جہاں — بیخ او اندر زمین و شاخ او بر آسماں
میوہ اش شیریں تر از جان در مذاقِ انس و جاں — آبیارش رحمت و فخرِ دو عالم باغباں
گر بگوئی رحمۃ للعالمیں می زیبدش
آرے آرے باغبانی ایں چنیں می زیبدش

بر بساطِ دہر یادیک خدا را نقش بست — کعبتین کعبہ را ہم مہرہ از ششدر برست
عزتِ عزیٰ ببرد و نائلہ را کرد پست — واں ہبل را خوار کرد و لات را درہم شکست
پاک کرد از لوث اوثان ارض بیت اللہ را
از بتان آزاد فرمودہ عبادُ اللہ را

خیرہ بود از آفتابِ حق دو چشم بندگاں — بر ہر خاطرے وسواس شیطاں در جہاں
تیرہ از سنگِ بتاں سرچشمۂ نورِ نہاں — بت پرستی را رواجے بیش از حدِ بیاں
پردہ از حق بر کشادہ روئے باطل بستہ شد
با چنیں بست و کشادی دیں کامل بستہ شد

از عمرؓ عہدِ خلافت زیب و زیور یافتہ — انتظام تازہ محراب و منبر یافتہ

تن سرو سر افسر و افسر گہر دریافتہ   لشکر اسلام خیلے ملک و کشور یافتہ

تخت ہا بستاندی و بالیں زخشتے می نمود

وہ چہ زیبا بادشاہی در لباس فقر بود

کس نمی سنجید در میزان ما روز نبرد   پیش ما شیر ژیاں سر بر نمی دانست کرد

ہندئ ما از زمین پارس برانگیخت گرد   سوئے ترکستاں ہمی بگریخت از ما یزدجرد

روز ہیجا بحر را چوں آفتابی کردہ ایم

خصم باغی را ز آب شرم آبی کردہ ایم

ہیر بد اندر خزیدہ در کنشت برہمن   برہمن در سومنات و سومنات اندر لجن

ہر یکے را گریہ می آمد بحالِ خویشتن   جملہ عشرت خانہا زیں غم شدہ بیت الحزن

خاکِ ذلت بر سرِ زرتشت و آتش ریختیم

ژند را بر باد در دادیم و آبش ریختیم

روم بر بوم و برش بگریست از شبگیر ما   ہندو بر سند افتاد از سہم تیغ و تیر ما

نیل نیلی جامہ شد از نالۂ تکبیر ما   فارس فارس سپر افگند از شمشیر ما

موج در قنوج می زد فوج اوج آرائے ما

ترک ترکاں ترک خورد از فرق فرقد سائے ما

کوسِ دولت بر فراز قصر قیصر می زدیم   بر سر بطریقہا محراب و منبر می زدیم

خیمۂ اقبال را آں سوئے اختر می زدیم   ساغرِ عشرت بکام دوستاں در میزدیم

ایں جہان کہنہ از تو گلستاں تازہ بود

رنگ خون غازیاں بر عشوۂ گیتی غازہ بود

چوں بغریدیم در میداں بساں شیر بر   لرزہ می افتاد ہمچوں بید در جسم ہزبر

برق تیغ ما رسیدے از زمیں بالائے ابر   نیستے کس را پناہے جز درون حصن قبر

دہ چہ زیبا بُد کمان و تیر بر بازوئے ما
آفریں می خواند چرخ پیر بر بازوئے ما

ہیچ سلجوق ما قدر مہ انور شکست
تیغ ما بازار برق و رونق گوہر شکست
بازوئے پُر زور ما صد چوں در خیبر شکست
گرز ما البرز را دوش و میان و سر شکست

گوش گردوں بود کر از غلغل تکبیر ما
بود اندر روز میداں شیرہا نخچیر ما

حبذا روزیکہ چوں خور تاج بر سر داشتیم
ما ہُما بودیم و دولت زیر شہپر داشتیم
تخت عزم جزم چوں جم روئے صرصر داشتیم
بندۂ فرماں خود خاقان و قیصر داشتیم

فال نیکو می گرفتند از رُخ اقبال ما
حبذا - یاد ش بخیر اقبال نیکو فال ما

مور ما در اندلس تخت سلیماں داشتے
طرح صرح انداختے و قصر ایواں داشتے
مہر را بر نص خاتم نص قرآں داشتے
صد سبا را از سپے بر باد خذلاں داشتے

آصف ار در صدر صفہ خواستے بلقیس را
از خرِ شیطاں بزیر انداختیم ابلیس را

در بنائے قصر چوں رنگِ عمارت ریختیم
گنجہائے رنجہا ہنگامِ صنعت ریختیم
آب طاق کسروی بر خاک ذلت ریختیم
خاکہا بر فرق مانی از ندامت ریختیم

شاہد دعویٰ من ہستند آں اطلالہا
قصر احمر می کند تفصیل ایں اجمالہا

حزم ما آں بزم را صد زیب و آئیں بستہ است
عزم جزم ما صبا را پائے در طیں بستہ است
رزم ما پہلو و دست آں خستہ و ایں بستہ است
بزم ما از زنگہا ار ژنگ در چیں بستہ است

وحشی اللہ آں زماں کاں حزم و عزمے داشتیم
بارک اللہ آں مکاں کایں رزم و بزمے داشتیم

دولتے ار بود آرے دولت عباس بود — جم بہ پیش تخت او موئے درون طاس بود
راہدارش خضر بود و آبدار الیاس بود — ساکنانش را شراب عیش اندر کاس بود

فضل یحییٰ بود در روشن ہمچو شاہ خاوری
کار دولت بود از جعفر چو زر جعفری

یک دمے با چشم عبرت حضرت مامون ببیں — پیش او سقراط و جالینوس و افلاطون ببیں
آں یکے سیحوں شمر واں دیگرے جیحون ببیں — ہر یکے را در ہنر از دیگرے افزون ببیں

حضرتے نے بلکہ بودہ عالمے بر عالمے
ہر یکے از حاضرانش عالمے در عالمے

خامہ را بر نامۂ ما بود نازے دیگرے — نامہ را از خامۂ ما امتیازے دیگرے
جامہ را بر جامہ از خامہ طرازے دیگرے — آمدہ رائید باچکامہ سازو بانے دیگرے

کلک می نازید بر لوح حبذا تحریر ما
گوش می بالید بر لب فرخا تقریر ما

بستہ ایم از ہر فنے نقش کتابے تازۂ — کردہ ایم از ہر کتابے انتخابے تازۂ
ہر سوالے را ز ما آمد جوابے تازۂ — بر رخ ہر نکتہ بکشودیم بابے تازۂ

ہر کسے از مشک علم بوعلی بومی گرفت
واں غزالی برسطالیس آہو می گرفت

در زمیں علم ما حکمت پناہے کردہ ایم — بر سریر عقل و دانش بادشاہی کردہ ایم
ہر کجے را راست از مہ تا بماہی کردہ ایم — نظم و نسق بہر طبعی و الٰہی کردہ ایم

کوس علم از بام قصر ما بلند آوازہ شد
سکّہ و خطبہ بنام دولت ما تازہ شد

در بطا یونان بمجلس از صدا افتادہ بود — محفل کلدانیاں ہم از صفا افتادہ بود

مجلس ایرانیاں خود بے نوا اُفتادہ بود　　قصہ کوتہ جملہ ساماں جابجا افتادہ بود

ما ز نو بزم شکستہ را طرازی بستہ ایم

نغمۂ در ساز کہنہ از حجازی بستہ ایم

خود ار وپا را چراغ علم و دانش مردہ بود　　ظلمت بے دانشی نور و ضیا را بردہ بود

جہل اندر خاطر ہر کس قدم افشردہ بود　　دل ز علم و فضل از دل ہمچو تخ افسردہ بود

شمع بر کردیم و اینہا را فرا رہ داشتیم

گمرہاں را در طریق علم مارہ داشتیم

واں گریک از طارم رفعت بزیر افتادہ بود　　ہر کسے اندر مغاک تار و تیر اُفتادہ بود

در کمند دیو خذلاں سخت اسیر افتادہ بود　　یعلم اللہ در عجب اشکال گیر افتادہ بود

از زمینش بر گرفتہ چرخ سامی کردہ ایم

خود خدا داند کہ ما کار خدامی کردہ ایم

ہم جہاز مصریاں در چار موج افتادہ بود　　بادبانہا بستہ وُلن گمر زہم بگشادہ بود

واں میر البحر ہم در خواب غفلت دادہ بود　　تا حبابے بشکند کشتی بہ غرق آمادہ بود

در چنیں طغیان طوفاں ناخدائی کردہ ایم

از پئے بیگانگاں ما آشنائی کردہ ایم

کارگاہ صنعت از ما دست گاہی داشتے　　دست ما بر دعوئی حرفت گواہی داشتے

روز بازار تجارت عرضہ گاہی داشتے　　کاروانِ ما ز چیں تا شام راہی داشتے

زیں سعادت حکم بر اقلیم و کشور راندہ ایم

درس دانش دادہ ایم و ملکہا بستاندہ ایم

جام اندر آستیں جم بر فسر از آستاں　　دہ چہ نیکو بود کار ما بعہد باستاں

گر مخالف کج بیند یشد بذکر راستاں　　از زبان گبن می باید شنید ایں داستاں

گبن دادہ راست گوئی را گواہی دادہ است
فضل را نازم کہ دشمن ہم گواہی دادہ است

از شرِ عفریتہا آں ملک جم بر باد رفت — مسند آصف شد و مہر و قلم بر باد رفت
کار شکر شد تبہ طبل و علم بر باد رفت — حور و غلماں قصر و رضواں با ارم بر باد رفت

فتنۂ چنگیز غارت ساختہ بغداد را
ہمچو آں بادے کہ برہم کرد قوم عاد را

بر زوال شوکتِ بغداد می باید گریست — بر خرابی ہائے علم آباد می باید گریست
رادمرداں بر رجال راد می باید گریست — آخر اے احفاد بر اجداد می باید گریست

بر چنیں ملکے ز چشم ار خوں بریزی حق بود
بلکہ از خوں دجلہ و جیحوں بریزی حق بود

یکسر از کار صناعت دستہا برداشتیم — از زمیں تخم زراعت مطلقاً برداشتیم
واں تجارت را بچہ انگندہ پا برداشتیم — کس نبرد ارد الٰہی آنچہ ما برداشتیم

علم و دولت رفت بنگر تا چہا بر باد رفت
ایں ہمہ از ماست بر ما نہ از خدا و بیداد رفت

کس نمی پرسد کہ ما از دودمانِ برتریم — پیر و مرزائیم یا اسکندریم و قیصریم
قاضئ رومیم یا مفتئ شہر دیگریم — از حجاز استیم یا از ہند یا از بربریم

تا بفرض وقت ما لی اسے وایم لے نیستیم
نیستیم و نیستیم آرے و آرے نیستیم

کارواں بگذشت و بیں راہ ما در ماندہ ایم — از بلائے گرگ اخواں آہ ما در ماندہ ایم
یوسفے بودیم و اندر چاہ ما در ماندہ ایم — دست گیر اے قوم ما و اللہ ما در ماندہ ایم

چوں زلیخا بر سر بازار رسوا تا بکے
اے عزیزاں ذلّت طعن زلیخا تا بکے

خواب تا کے دولت بیدار ما را خواب برد　　　بخت و تخت و رخت را یک تو گوئی آب برد
پنجۂ پر زور افلاس از تن ما تاب برد　　　دزد آمد خانہ را آتش زد و اسباب برد

چشم بکشائید کاینک صبح محشر بردمید
دوزخ افلاس می گوید کہ ہاں ہل من مزید

ہر طرف طوفان و ما در راہ طوفاں خفتہ ایم　　　رہزناں بیدار و ما زیر مغیلاں خفتہ ایم
ہمچو راقص بے خبر در کام ثعباں خفتہ ایم　　　ہرچہ می گویند برخیزید مایاں خفتہ ایم

چشم رحمے کو کہ روئے خواب ما آبے زند
دست خشمے کو کہ سیلے بر رخ خوابے زند

از پئے اصلاح قوم ایں انجمنہا کردہ ایم　　　واعظان و شاعراں را بر سرپا کردہ ایم
بہر بیماران غم فکر مدا وا کردہ ایم　　　قوم خود ایں چارہ ہا کر دست نے ما کردہ ایم

پس چرا سر از کار خویش بیروں می زند
تیشہ بر پائے درخت خویشتن چوں می زند

ہیچ فہمیدی چہ باشد آں درخت بارور　　　بیخ او اندر علی گڑھ شاخ در ہر بوم و بر
میوہ اش نے از انار و سیب نے از نوع دگر　　　بلکہ از جاہ و کمال و عزت و علم و ہنر

آں درخت تازہ باشد درس گاہ مسلمیں
درس گاہے نے کہ جائے عزّ و جاہ مسلمیں

ایں درخت تازہ با آب زر پروردنی است　　　نہ بآب زر کہ با آب جگر پروردنی است
بیخ او نے در زمیں در چشم سر پروردنی است　　　ہر درختے را کہ شیریں ست بر پروردنی ست

ایں درخت تو اگر طوبےٰ شود طوبےٰ لکم
ورنہ آبش می دہید اے باغباناں ما لکم

زاں ہمی ترسم کہ چوں ہنگامۂ محشر شود　　　دست مسکیناں بجیب ہر تونگر پر شود

داد ریہا پیش حق از بخل سیم و زر شود ... دیں تونگر از جوابش عاجز و مضطر شود

اے تونگر بر کشا بہر غریباں مشت دست

ورنہ در محشر بخای از ندامت پشت دست

آخر اے منعم برادر را گدا دیدن رواست ... کاسہ در دست پیش ہر سرا دیدن رواست

سینہ اش را چاک از تیغ جفا دیدن رواست ... زیر دست ناکسانش تا کجا دیدن رواست

از شماتت تا یکے خندند بر رفتار ما

دشمناں را گریہ می آید بحال زار ما

للہ اے چرخ ستم کردار بر ما رحمتے ... تا کجا بیداد اے خوں خوار بر ما رحمتے

اے زمیں اے دشت اے کہسار بر ما رحمتے ... اے در و اے سقف و اے دیوار بر ما رحمتے

سوختیم الغرض آتش در دو کسے دل سوز نیست

یا مگر بعد از شب تنہائی ما روز نیست

یا رسول اللہ سرگردان و مضطر گشتہ ایم ... خوار و رسوا و ذلیل و زار و ابتر گشتہ ایم

عاجز و حیران و سراسیمہ و سرگشتہ ایم ... بے زر و بے زور و بے پر واز و بے پر گشتہ ایم

یک نظرے از رحم سوئے حال زار ما ببیں

دردمند ما ببیں اے غم گسار ما ببیں

اے بقربان جمالت دیدہ بیدار ما ... اے بلا گردان آلت خاطر بیمار ما

اے فدائے آں ملالت ایں سر و دستار ما ... صدقہ خاک نعالت ہمتے در کار ما

ہمت ار یار گردد کار با ساماں شود

اے کہ ہر مشکل ز فیض ہمت آساں شود

سید غم خوار قوم از گذشتہ برخوردار باد ... مہدی و محمود را ہم رونق بازار باد

نظم شبلی نطق مولانا علے التکرار باد ... حاضران را جملۂ الطاف ایزد یار باد

خانۂ برکت علی خاں دائما آباد باد
چشم زین العابدین خاں روشن و دل شاد باد

حبذا مسیو بک آں فرزانہ در ہر علم و فن ــــ فرخا آں جامع اوصاف مسیو مارین
مرحبا آں مسیو کیری نیک خو شیریں سخن ــــ شاد مسیو آرنلڈ آں فلسفئ موتمن

تا بود کون و فساد آب و آتش خاک و باد
طبع کالج زیں چہار عنصر ہمیشہ چاق باد

ہر کسے گوید شفیق ایں نظم محکم خوب گفت ــــ رزم را ہم خوب گفت و بزم را ہم خوب گفت
تانہ زر توجیہ گردد من نگویم خوب گفت ــــ زاں کہ بے زر ہر کہ شعرے گفت او کم خوب گفت

وقت تحسیں نیست نے از خندہ شکر ریختن
وقت اشک افشاند نست در مجلس زر ریختن

حسب ذیل مسدس منشی عنایت حسین صاحب کیفی نے پڑھ کر حاضرین کو محظوظ فرمایا۔

وہ قوم کہ جس میں تھا مروت کا قرینہ ــــ وہ قوم جو تھی خاتم عالم کا نگینہ
وہ قوم کہ جو علم و حکم کا تھی خزینہ ــــ اور ڈھونڈھ کے لائی تھی فلاطوں کا دفینہ

وہ قوم جو ہر علم و ہنر میں ہوئی ماہر
پوشیدہ علوم اس نے بہت سے کئے ظاہر

جس قوم میں ہمدردی و الفت کا چلن تھا ــــ جس قوم کے اقبال کا سرسبز چمن تھا
وہ قوم جہاں نخل ولا سایہ فگن تھا ــــ وہ قوم کہ غربت میں جسے لطف وطن تھا

وہ قوم سفر اور حضر تھا جسے یکساں
محنت سے مشقت سے ترقی کی تھی جویاں

وہ قوم زمانہ میں جو سرتاج امم تھی ــــ وہ قوم کہ جو بحر سخا ابر کرم تھی
وہ قوم کہ جو شیفتۂ علم و علم تھی ــــ وہ قوم کہ جو زیب دہ سیف و قلم تھی

جو تیغ کا لیتی تھی سدا کام زباں سے
پتھر کا بھی دل موم کیا حسنِ بیاں سے

وہ قوم کہ جو مرکزِ اخلاق و وفا تھی — وہ قوم جو مشہور بصد صدق و صفا تھی
وہ قوم جو بہبودیٔ انساں پہ فدا تھی — جو اُس میں ادا تھی وہ شرافت کی ادا تھی

ہر بات میں ثابت قدمی تھا چلن اس کا
ٹالے نہ ٹلا بھول کے کوئی سخن اس کا

وہ قوم کہ جو مایۂ اعزاز و شرف تھی — وہ قوم جو مشہور ترین چار طرف تھی
وہ قوم کہ جو تیرِ مودت کی ہدف تھی — وہ قوم جو دُر ہائے معانی کی صدف تھی

وہ قوم جو مشہور تھی ہر علم و ہنر میں
جز بے ہنری کچھ نہیں اس قوم کے گھر میں

جاتے رہے اس قوم سے آدابِ ترقی — غارت ہوئے اور بٹ گئے اسبابِ ترقی
مسدود زمانہ نے کیا بابِ ترقی — مرجھا گیا ایسا گلِ شادابِ ترقی

جس باغ میں پیدا تھیں ترقی کی ہوائیں
چلتی ہیں تنزل کی وہاں گرم ہوائیں

وہ قوم جو دشمن سے بھی کرتی تھی بھلائی — جس قوم میں ذرہ بھی نہ تھی کوئی برائی
آپس میں اب اس قوم کے یہ برہمی آئی — جھگڑے ہیں نئے روز نئی روز لڑائی

ہیہات کہ اس قوم میں اب پھوٹ پڑی ہے
ہے قہرِ خدا برقِ غضب ٹوٹ پڑی ہے

وہ قوم سخاوت میں جو تھی ابرِ گہر بار — تھی ہمتِ مردانہ سے اوروں کی مددگار
غیروں کی اعانت طلبی سے تھی جسے عار — بے ہمتی و جہل سے اس میں ہے یہ ادبار

ہر در پہ ہے پھیلا ہوا دستِ طلب اس کا
دریوزہ گر خلق ہوا ہے لقب اس کا

پوچھے کوئی ان سے کہ تمھیں کچھ بھی خبر ہے　　اب ظلمتِ شب چھا گئی یا نورِ سحر ہے
رُخ آج زمانہ کی ہواؤں کا کدھر ہے　　تیار ہو ہوشیار رہو اب وقتِ سفر ہے

یہ بے خبری ہو چکی اب ہوش میں آؤ
غیرت کا تقاضا ہے کہ کچھ جوش میں آؤ

اس قوم کی بہبودی سے مایوسی تھی بالکل　　تھا اس کی ترقی میں نہایت ہی تامل
امید بہت کم تھی کہ شاداب ہو یہ گل　　پیدا ہو پھر اس قوم میں وہ جاہ و تجمل

لیکن ہے بہت شکرِ خداوندِ ازل کا
ہمدردوں کی کوشش سے ہے کچھ دل کا بھروسا

اس وقت بھی ہیں قوم کے ہمدرد فدائی　　جو چاہتے ہیں قوم سے ہو دُور برائی
کرتے ہیں ترقی کے لئے کارروائی　　امید ہے اب قوم کی ہو عقدہ کشائی

جو خواب میں ہیں ان کے جگانے کی ہے تدبیر
بگڑی ہوئی حالت کے بنانے کی ہے تدبیر

پھر اس کی ترقی کے کچھ آثار عیاں ہیں　　پھر اس کے اُبھرنے کے طبیعت میں گماں ہیں
وہ چند اکابر ابھی موجود یہاں ہیں　　اس قوم کے حق میں جو مسیحائے زماں ہیں

اُمید ہے جاں اس تنِ مُردہ میں وہ ڈالیں
بہبودی کی اس کی کوئی تدبیر نکالیں

وہ قوم کا ہمدرد مسلمانوں کا غم خوار　　یا مردِ اُولوالعزم خدا ترس نکوکار
وہ حامیٔ اسلام خدا اس کا مددگار　　مخدوم ہے پر خدمتِ قومی کو ہے تیار

گو پیر ہے ہمت ہے جوانوں سے زیادہ
ہمدرد ہے غیروں کا یگانوں سے زیادہ

یعنی وہ مرا سیّد مخدوم و معظم　　بہبودیٔ قومی پہ نظر جس کی ہے ہر دم

جو دل کے ارادے ہیں کسی وقت نہیں کم — ہے فکر وہی اور وہی کوششِ پیہم

یک دم کو غمِ قوم فراموش نہیں ہے
اس پیرِ خردمند میں کب جوش نہیں ہے

جب اُس سے نہ دیکھی گئی یہ حالت ابتر — اس مجلس قومی کو کیا اس نے مقرر
سب جمع ہوں آپس میں کریں مشورہ مل کر — کام آئے مصیبت میں برادر کے برادر

یہ قوتِ مجموع ہو وجہ مدد قوم
دیکھیں نظرِ غور سے یاں نیک و بد قوم

اس مجمع قومی کی غنیمت ہے ہر اک بات — اچھا ہے یہاں موقع اصلاح خیالات
کس شوق سے ہیں جمع بزرگان خوش اوقات — بہبودئ قومی ہو یہی فکر ہے دن رات

ذاتی کوئی مطلب نہیں ان اہل صفا کا
کچھ قوم کا غم اور ہے کچھ خوف خدا کا

گو آج بزرگوں سے ہے اس ہال کو زینت — لیکن ابھی کالج کی ادھوری ہے عمارت
امداد کی حاجت ہے اعانت کی ضرورت — پورا کریں تعمیر کو اب صاحب ہمت

مصروف توجہ ہو ادھر اہل نظر کی
تکمیل کریں مل کے سب اس قوم کے گھر کی

نظامی بدایونی، ڈپٹی نذیر احمد، رضی الدین بسمل، امجد علی اشہری، ابراہیم حسین، رفعت علی سلیم پانی پتی

دسواں سالانہ اجلاس منعقدہ شاہجہانپور ۱۸۹۵ء

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کا دسواں اجلاس ۲۷ تا ۳۰ دسمبر ۱۸۹۵ء بمقام شاہجہانپور (یوپی) منعقد ہوا۔ اس اجلاس کے داعیان میں مولوی محمد اسمٰعیل وکیل اور منشی رفعت علی خاں رئیس شاہجہاں پور خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اجلاس کی صدارت کے فرائض نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں نے انجام دیئے۔

نواب محسن الملک نے اجلاس کی صدارت کے دوران خطبہ صدارت میں فرمایا

"ہمارے نزدیک تعلیم کا مقصود یہ ہے کہ تمام قوتیں جو خدا نے انسان میں رکھی ہیں وہ نمو پائیں اور نہ صرف انہیں قوتوں کو نمو دیا جائے جو ہماری جسمانی آسائش کے کام آئیں بلکہ روحانی قوتوں کو کام میں لانا اور دماغ کو غذا پہنچانا تعلیم کا اصلی مقصود ہے بلاشبہ اس قسم کی تعلیم جس سے ہم معاش پیدا کرنے کے لائق ہوں ضروری ہے اور ہماری دنیاوی ذلت دور ہونے کے لئے اس کا سیکھنا بھی لازم ہے لیکن اس کے علاوہ ہم وہ تعلیم بھی چاہتے ہیں کہ جس سے ان کے دل و دماغ روشن ہوں اور علم کو علم کے لئے حاصل کریں علاوہ جسمانی آسائش کے جو فنا ہونے والی ہے ان چیزوں کو بھی حاصل کریں جو ان کی روحانی حالت کے لئے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے کام آوے۔ ان میں سچی ہمدردی اور کامل انسانیت پیدا ہو۔ ان کی زندگی کا مقصد زیادہ اعلیٰ اور زیادہ پاک ہو اور جس طرح ہمارے بزرگوں نے علم کو علم کے لئے حاصل کیا اور ہمارے لئے وہ اپنے دل و دماغ کو ترکہ میں چھوڑ گئے اسی طرح ہم علم کو علم کے لئے حاصل کریں اور اپنے بزرگوں کے ترکہ میں کچھ بڑھا کر آئندہ نسلوں کے لئے چھوڑ جائیں۔ ...... ہم اس قوم کے آدمی ہیں جنہوں

نے یونان کے علوم زندہ کئے جنہوں نے یورپ کو علم وحکمت کا سبق دیا جو صدیوں
تک فرنگستان کی استادی کرتے رہے ..... معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ہم اس قوم کے
آدمی ہیں جن کی عزت واقبال کے پھریرے ایشیا اور یورپ کے میدانوں اور
پہاڑوں پر اُڑتے تھے اور جن کے نام سے سلاطین روئے زمین کے کلیجے دہل
جاتے تھے"

اس اجلاس کے دو ریزولیوشن خاص طور سے قابل ذکر ہیں

۱۔ ہر انگریزی داں مسلمان جو اس امر کی اہلیت رکھتا ہو وہ اپنے مذاق کے موافق
کم سے کم ایک کتاب کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرے یا ایسی کتاب تالیف
کرے جس میں مفید علمی مضامین ہوں جو انگریزی کتابوں سے ماخوذ کئے گئے ہوں۔
اور مسلمانوں میں یورپین علوم کی آگاہی پھیلانے کے لئے مفید ہوں۔

۲۔ ندوۃ العلما نے جو عربی دارالعلوم بنانے کی تجویز کی ہے اس کانفرنس کے
نزدیک اس قسم کے دارالعلوم سے عربی علوم کی ترقی کی امید ہے لہٰذا یہ کانفرنس
بھی ایسے دارالعلوم کی ضرورت کو تسلیم کرتی ہے اور اس معاملے میں ندوۃ العلما
کے ساتھ متفق الرائے ہے۔

اس اجلاس کی دوسرے دن کی نشست میں مولوی نظام الدین حسین نظامی
بدایونی نے ایک نظم پڑھی جو درج ذیل ہے۔

نظم

ہوں مبارک تجھ کو روہلکھنڈ یہ صبح ومسا — دیکھتے ہیں آج ہم بدلی ہوئی تیری ہوا
اس ہوا کی کچھ عجب فرحت فزا تاثیر ہے — غنچۂ دل خود بخود سب کا ہوا جاتا ہے وا
اس ہوا نے بھر دیا دل اپنا قومی جوش سے — جس کا ڈھونڈے سے کہیں ملتا نہ تھا ہم کو پتا
سرزمین ملک روہلکھنڈ میں جلسہ ہو یہ — ہو یقیں اس کا کسی کو۔ ہم کو تو باور نہ تھا

تو نے پرائے شاہجہانپور بات رکھ لی اپنی آج
آفریں صد آفریں. شاباش . اور صد مرحبا

سچ بتا اے شاہجہانپور! اس سے پہلے بھی کبھی
ایسا تو ہی جشن تھا تجھ میں ہوا کوئی بپا

یاد ہے ہم کو جہانتک یہ ہے اک پہلی مثال
اس سے پہلے تھا ہوا ایسا نہ کوئی واقعا

یہ تری تاریخ میں قائم رہے گی یادگار
آنے والی نسلوں میں اس کا رہے گا تذکرا

کم سے کم اتنا تو تیرا نام آدے گا ضرور
شہجہاں پور میں بھی تھا اک سال یہ جلسہ ہوا

صدر تھے اس کے جناب سید مہدی علی
بمبئی سے چل کے آئے یہ بزرگ باصفا

قوم کی خدمت میں اپنی ہر طرح تھے مستعد
باوجودے آجکل اُن کا مزاج اچھا نہ تھا

حضرت سید بھی آئے اور لکچر بھی دیا
تھا وہ پُر تاثیر اس کا اک اثر سب پر پڑا

سید محمود فخر قوم تھے اس میں شریک
صدق دل سے آپنے اس کام میں حصہ لیا

ہر طرح ہر وقت تھے ہر کام کو تیار وہ
اپنی اوروں کی سب خدمات کرتے تھے ادا

شکر ہے اس سال کا یہ جلسۂ تعلیم قوم
مولوی حافظ نذیر احمد سے بھی خالی نہ تھا

ہے غنیمت اُن کا دم جو قوم میں ہیں مفتخر
سحر ہے تقریر جن کی ہے بیاں جادو بھرا

اس طرح سے اور بھی آئے تھے سب اعیان قوم
تھا ہر اک جن میں سے اپنی قوم پر دل سے فدا

اک طرف الفرض ئے خدام آتے تھے نظر
خوب سرگرمی سے اپنا فرض کرتے تھے ادا

یہ بیانیے کالج کے تھے بچے کچھ بے والنٹیر
مستعد تھا اپنے اپنے کام پر ہر اک کھڑا

یہ خلاصہ ہے جو ہوگا ہسٹری کا تیری جزو
اُس کو پڑھ کر تیرے بچے سب اُٹھا دینگے مزا

ان میں ہوگا جوش پیدا دلمیں ہونگے اپنے خوش
گو نہ ہونگے ہم مگر وہ ہم کو دیویں گے دُعا

مجلس علمی کا اپنی ہے یہ اجلاس دہم
کیا بتائیں دس برس میں اُسنے کیا کیا کچھ کیا

بعض کہتے ہیں کہ لا حاصل ہیں ایسی مجلسیں
رکھتے سرسید پہ ہیں الزام وہ اس کا بڑا

پر نہیں یہ قوم کی اک کارآمد چیز ہے
کچھ دنوں میں ہم یہ سمجھیں گے ہوا کیا فائدہ

ہے اسی کا یہ اثر جو جمع ہم اس جا ہوئے
ورنہ یہ بستی کجا!! یہ جلسۂ قومی کجا!!

مطلعِ ثانی

مرحبا صد مرحبا۔ اے میرِ مجلس مرحبا — اے معزز حاضرین! ہے آپ کا احساں بڑا

آپ آئے قوم کی حالت پہ رونے کیلئے — رکھے اس قومی محبت کو خدا تم میں سدا

پیارے کالج کو مدد دو، جو کہ قومی فرض ہے — اور اپنا آپ سے مطلب نہیں اسکے سوا

عرض کرنے کو ہیں بس۔ یہ چار حرف آرزو — گر بڑھاؤں میں تو ہو جائے یہ اک قصہ بڑا

ختم کرتا ہوں دعا پر۔ آپ سب آمیں کہیں — دے ہمارے ناخدا کو عمرِ نوحی یا خدا

سید محمود بھی زندہ رہیں لاکھوں برس — جو کہ سب کاموں میں اُن کا ہاتھ لیتے ہیں بٹا

یہ نظامی آپ کی خدمت میں کہتا اور کچھ

ہے مگر مجبور وہ اب وقت ہے تھوڑا رہا

شمس العلماء مولوی نذیر احمد نے اپنی حسب ذیل نظم پڑھی۔

بچایا ڈوبنے سے کشتیِٔ دینِ محمدؐ کو — الٰہی نوح کی سی عمر دے سر سید احمد کو

ہمیں احساں شناسی شکر پر مجبور کرتی ہو — وگرنہ ہم کمینہ پن سمجھتے ہیں خوشامد کو

تعصب ہی ترقی میں مسلمانوں کی حارج تھا — جزاک اللہ کس خوبی سے سر کا یا ہے اس سد کو

کسی ڈھب سے انھیں تعلیم کے رستے پہ لا ڈالا — اگر اب بھی نہ سمجھیں یہ تو روئیں قسمتِ بد کو

کیا تھا پاک اس کے جدِ امجد نے سُنا ہوگا — بتوں کی گندگی سے خانۂ کعبہ کے معبد کو

سو اسنے بھی دلوں سے دھو دیا اوہامِ باطل کو — کہ اس کا فرض تھا پھر زندہ کرنا سنتِ جد کو

مسلمانوں نے آپ اسلام کو ایسا بگاڑا تھا — کہ ہم اس کی بدولت آخر آ پہنچے ہیں اس حد کو

کہ ہم کو آج دنیا میں ہے وہ رسوائی ذلت — جو ہونی چاہیے انجام میں کافر کو مرتد کو

جو عالم تھے انھوں نے صرف دستارِ فضیلت کی — بنا کر دھجیاں اس پاک پیغمبر کی مسند کو

امام الناس فہمِ رازِ دیں سے عاجز و قاصر — لئے بیٹھے تھے رسم و راہ و تقلیدِ شدآمد کو

خدا ہی جانے کیا اسلام کو لوگوں نے سمجھا تھا — چلے آتے تھے سب تکذیب کو ابطال کو رد کو

ادھر سائنس کا پتھراؤ کہتا تھا کوئی دم میں — کئے دیتا ہوں چکنا چور اس شیشے کے گنبد کو

سو اس نے اپنے زورِ عقل سے وہ پائداری دی — کہ اب جنبش نہیں تا حشر اس قصرِ مشید کو

خدا کی شان وہ اب بیچلر آف آرٹس ہوتے ہیں — جو کفر و زندقہ کہتے تھے انگریزی کی ابجد کو

بہت سنتے رہے ہیں جذر اسلامی سمندر کے — اب آگے دیکھنا طغیان و جوش و شورش مد کو

یہ کنکوے ہیں ان میں قوت پرواز خلقی ہے — انھیں تعلیم کی دریائی پہنچائے گی فرقد کو

عزیزو یہ عملداری بڑی رحمت خدا کی ہے — غنیمت بس غنیمت جانو اس کے فضل بےحد کو

نہ کچھ تخصیص مذہب کی نہ کچھ تعیین ملت کی — جو اسود کو وہ ابیض کو جو ابیض کو وہ اسود کو

باطمینان اسباب ترقی جمع ہیں سارے — اگر تم کام میں لاؤ طلب کو جہد کو جد کو

علی گڑھ ہو کے سیدھی راہ نکلی ہے ترقی کی — ہمارے ساتھ ہو لو جلد تر پہنچو گے مقصد کو

بچو ٹکر سے حتی الوسع وقتِ نامساعد کی — اُٹھایا ہے کسی نے یا اُٹھا سکتا ہے اس زد کو

اب آزادی نے اپنا سکہ عالم میں بٹھایا ہے — نکالو مطلقاً فرہنگ سے لفظ مقید کو

کسی کی بات بھی مانا کرو ضد کی بھی اک حد ہے — خدارا چھوڑ دو اس جاہلانہ کاوش و کد کو

اگر اب بھی نہ تم نے قدر و قیمت وقت کی جانی — تو بس پتھر پہ کھدوا رکھنا اس قولِ مؤکد کو

کہ مٹ جاؤ گے اور برباد ہو جاؤ گے بالآخر — پچھڑ پاؤ گے کیا تم ناتواں اس چودھویں صد کو

بس اپنی شاعری موقوف کر برخود غلط مت ہو — اگرچہ روکنا مشکل ہے مضمونوں کی آمد کو

کہیں اس شاعری کے خبط میں عادت نہ کر لینا
خلافِ وضع وصف خط و خال و عارض و خد کو

مولوی رضی الدین بسمل بدایونی نے اس اجلاس میں مندرجہ ذیل دو نظمیں پڑھیں، پہلی نظم میں ذوق کی غزل پر اور دوسری میں مومن کی غزل پر تضمین کی گئی ہے۔

(۱)

آج گل بھی باغ میں کچھ اے صبا کہنے کو ہیں — خیر مقدم حبذا یا مرحبا کہنے کو ہیں

یا کہ سر سید کی کچھ مدح و ثنا کہنے کو ہیں ہیں دہن غنچوں کے وا کیا جانے کیا کہنے کو ہیں
شاید اُس کو دیکھ کر صلّ علیٰ کہنے کو ہیں

قوم تھی خوشحال و خرّم اسمیں تھے جب اہلِ دل دیکھ سکتے حالت افلاس ہیں کب اہل دل
مجھ کو بتلاؤ کہ تم میں کون ہے اب اہل دل مٹ گئے جو ہر وفا کے اُٹھ گئے سب اہلِ دل
اب فقط بے نام کو اور باوفا کہنے کو ہیں

نام لیوا تیرے جو باقی ہیں اے اسلام پاک اس زمانہ میں ہے ان کا مسکن و ما وا مغاک
ہاتھ سے اپنا گریباں آپ کرتے ہیں وہ چاک گاہ دامن گیر جاؤ گہہ گریباں گیر خاک
ابتو تیرے عاشقوں کے دست و پا کہنے کو ہیں

مٹ گیا علم و ہنر اور اٹھ گئے سب اتقیار تب ہماری قوم کے سید ہوئے ہیں پیشوا
حسرت و افسوس سے اسلام نے اُس دم کہا وہ جنازے پر مرے کس وقت آئے دیکھنا
جبکہ اذن عام میرے اقربار کہنے کو ہیں

صاف کہتا ہوں اگرچہ ہو کسی کو ناگوار ظاہرا ہیں قوم کی حالت پہ اپنے اشکبار
ایک خرمہرہ نہیں کرتے مگر اس پر نثار ہے صفائے دل وہی جس میں عیاں ہو شکل یار
یوں تو آئینوں کے دل بھی باصفا کہنے کو ہیں

قوم کی تیری ہوئی جب غدر میں کچھ دار و گیر تو نے دلوائی نجات اے سید روشن ضمیر
کام کرتا ہے جوانوں کے اگرچہ تو ہے پیر میں ترے ہاتھوں کے قرباں واہ کیا مارے ہیں تیر
سب دہانِ زخم تجھ کو مرحبا کہنے کو ہیں

(۲)

آج ہم اس بزم میں کچھ ماجرا کہنے کو ہیں قصۂ رنج و الم درد و بکا کہنے کو ہیں
یعنی اپنی قوم کا ہم مرثیہ کہنے کو ہیں نالہ ہی نکلے ہے گو ہم مدعا کہنے کو ہیں
لب نہیں کھلتے ہیں اب کیا جانے کیا کہنے کو ہیں

حالِ دل کہتے ہوئے آتی ہے ہمکو شرم و ننگ　　اسلئے ہیں شمع ساں خاموش اور جینے سے تنگ
پر ہمارے عرضِ مطلب کا نیا ہے رنگ ڈھنگ　　ترجمانِ التماس شوق ہے تغیّرِ رنگ
جوں زبانِ شمع عاشق بے صدا کہنے کو ہیں

جو ترے بندے ہیں لے اسلام وہ ہیں پادشا　　زندۂ جاوید ہو جاتے ہیں مر کر اولیا
خاک میں ملنے سے اُن کو رتبۂ اعلےٰ ملا　　دیکھو تو کس حال سے کس حال کو پہنچا دیا
بخت تیرے عاشقوں کے نارسا کہنے کو ہیں

سید والا نسب نے قوم سے اپنی کہا　　میں نے کی اصلاح تیری اور یہ پایا صلا
کوئی ملحد مجھ کو بتلاتا ہے کوئی دہریا　　دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلا
کیا قیامت ہے مجھی کو سب بُرا کہنے کو ہیں

حبذا خوش آمدی صد مرحبا صلِّ علےٰ　　بعض نے جب منع یاں آنے سے سیّد کو کیا
قوم نے رو رو کے مایوسی سے تب اُسدم کہا　　وہ نہ آتے ہیں نہ آئیں مرگ ظالم تو تو آ
یاں لبِ شوق و تمنا مرحبا کہنے کو ہیں

بختِ برگشتہ ہماری قوم کا بولا یہ بات　　مجتمع ہیں یاں جو سب لے سیدِ والا صفات
میرے شکوے سب کے سب ینگے نہ ہو دیں بااتفاق　　میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سُن غیروں کی بات
ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں

جورِ گردوں سے بھلا اسلام مٹ سکتا ہی کب　　شیر میداں سے کہیں ہٹتا ہے گو ہو جاں بلب
پھر تو انا ہو اگر اسلام تو کیا ہے عجب　　جل بجھا دل تو بھی اٹھتا ہے دھواں سر کر اب
مرثیہ ہم اس چراغ کشتہ کا کہنے کو ہیں

سُنکے لکچر سب کے مجھ سے میرِ مجلس نے کہا　　حضرت بسمل تمہیں بھی آج کچھ کہنا ہے کیا
عرض کی میں نے اجازت ہو اگر اے پیشوا　　شکوہ حرف تلخ کا یا شورِ بختی کا گلا
ہم جو کچھ کہنے کو ہیں سو بے مزا کہنے کو ہیں

منشی امجد علی اشہری نے حسب ذیل رباعیات، قطعہ اور نظم سے سامعین کو محظوظ کیا۔

رباعیات

خالق نے بنائے کام ہونے والے　　پیدا ہوئے کچھ قوم پہ رونے والے
افسوس کہ چھ کروڑ کی گنتی میں　　بیدار ہوئے ہیں چند سونے والے

اسلام میں کام عین کا دیکھا ہے　　بقراطِ زماں ہے اس کو جو سمجھا ہے
میں عین ہوں اشہری زمانہ کے لئے　　میں جس کو بُرا کہوں بہت اچھا ہے

آدم میں خدا۔ خدا میں آدم دیکھا　　پر رمزِ خلافت میں اک عالم دیکھا
جبتک نہ خلافت کو ملا حرفِ خلاف　　آدم کو فرشتوں نے بہت کم دیکھا

جب مدرسۂ قوم کی بنیاد ہوئی　　ہر سمت سے امداد پہ امداد ہوئی
صد شکر کہ وہ تخمِ عمل پھل لایا　　اس باغ کو دیکھ طبع کیا شاد ہوئی

سیّد کو مثالِ بے مثالی پایا　　محسن کا خیال سب سے عالی پایا
شبلی و نذیر بے نظیر آئے نظر　　مقبولِ سخن کلامِ حالی پایا

نظم (جس میں تین پردے ہیں)

پہلا پردہ

نیچرل رنگ کا اک پردہ جو آنکھوں سے اُٹھا　　دیکھا اک جسم میں آباد ہے میرے دنیا

انڈیپنڈنٹ ہوں اقلیم میں اپنے بالکل / حکم بردار مرے جسم میں سارے اعضا

سلطنت مجھ کو ہے اقطاع بدن میں حاصل / جانتا ہی نہیں میں مثل کسی کو اپنا

رایت قد ہے مرا رایت اقبال شہی / کاسۂ سر ہے مرا چترِ قبا و دارا

تختِ طاؤسی شاہی ہے مرا دل مجھکو / مورچھل بالوں کا ہے سر کیلئے بال ہما

عقل پیری ہے وزیر اور سفیر اس کی زباں / بابِ عالی ہے دہن دانتوں کا اس پہ پہرا

فارن آفس ہے دماغ اور جو اسپیس حواس / ظاہر و باطن عالم میں ہیں وہ کام روا

سامعہ افسر پولیس ہے بے شبہ و شک / باصرہ سلطنت افروز شہی ہے میرا

سامعہ نے جو سنا مجھ کو خبر دی اس کی / باصرہ نے وہ بتایا جو نظر نے دیکھا

دخل کیا ایک بھی پر یہ کوئی جھوٹا گزرے / دخل کیا کوئی بنا کر جو کہے بات ذرا

آنکھ جو دیکھے نہیں کان کو اس کی ہے خبر / جو سنے کان تو آنکھوں سے ہے اس کا پردا

چند ارکان پہ قائم ہے پریوی کونسل / خمسۂ مشترکہ اس کے ہیں رکنِ اعلا

چارج میں کشور شاہی ہے مفوّض انکے / انتظامات سے سب کام ہے ان کے چلتا

خمسۂ ظاہرہ کرتے ہیں حکومت باہر / سب فرائض یہ ادا کرتے ہیں حسبِ منشا

ہو جو کھٹکا کوئی باہر تو خبر ہو اندر / اور اندر کی خبر ہو نہ کسی کو اصلا

دشمن و دوست سبھی رہتے ہیں اس کشور میں / ہے زباں دانتوں میں آنکھوں کو مژہ کا کھٹکا

خواہشیں مختلف الحال ہیں ان کی باہم / اس پہ ہر ایک کو لاشئ نہ کا دعوی

اتفاق اور محبت کا یہی معدن ہے / نخوت و جہل و عداوت کا یہی ہے مادا

ہے یہ مجموعۂ ایجاد خداوند ازل / سارے اشکال عجیبہ سے بنا یہ ڈھانچا

ہیں رؤسا حصص تحت میں شاہی کے کئی / دل دماغ اور جگر سب میں رئیس الاعضا

علم تشریح سے جغرافیۂ تن کو دیکھو / کتنے انہار نظر آئیں تو کتنے دریا

بحرِ احمر کی طرح خوں کی رواں ہیں موجیں / ہیں شرائین بدن دجلہ و بحر الخضرا

ہیں غضاریف و تجاویف کی راہیں ایسی — پیچ در پیچ ان کے و ماوند و ہمالہ سے سوا

قصر کو دیکھ کے حیراں ہیں مہندس سارے — کیا ہوا دار ہے اس قصر کا ہر اک کمرا

سارے دروازے ہیں محفوظ ہر اک دشمن سے — وقت پر بند ہوں وہ وقت پر اپنے ہوں وا

قصر شاہی کے در و بام منقش ایسے — جن کی گل کاری پہ نقاش کو نازش زیبا

کشورِ جسم میں ہے رُوح مدبّر ایسی — جس کی قائل ہمہ دانی کا ہے پورِ سینا

علم میرا وہ خزانہ ہے نہ ہو جو خالی — جس قدر خرچ کروں اس میں ترقّی ہو سوا

مظہرِ جملہ شیونات ہے ذاتِ آدم — ہے ضمیرِ خرد آگاہ سے سب نشو و نما

علم و تمکیں ہیں مصاحب خرد و ہوش رفیق — جو ہیں شہزادۂ و نواب و امیرالاُمراء

میرے نزدیک یہی سلطنتِ شخصی ہے — ایسے شاہوں سے بھری دیکھ لو ساری دُنیا

یہ تو سب کچھ ہے مگر پاس ملا ہے دیکھو — نخوت و کاہلی و جہل سے ڈنڈا ملینڈا

دیکھتا ہوں کہ دبائے ہیں نفاق اور حسد — میری اقلیم کا اطراف میں کونا کونا

روز روشن میں یہ شبخوں ہیں لگاتے پھرتے — اِن سے برباد ہوا کشورِ ہستی سارا

آج شاہانِ اُولی العزم جو بیٹھے ہیں یہاں — کوشش متفقہ سے یہ کریں گر پیچھا

کیا عجب ہو جو مدد سے ہمیں ان کے حاصل — وہ جو مقصود ترقی ہے جہاں میں ٹھیرا

سب جوارح یہ رعایائے شہی ہیں لیکن — کام اُنسے جو نہیں اسمیں ہے کیا ان کی خطا

کانگرس کے لئے آمادہ ہے ہر اک ان میں — عقل کہتی ہے خبردار نہ ایسا کرنا

للہ الحمد کہ یہ نکتۂ دانش پرور — اہل اسلام پہ سعیٔ سر سیدؔ سے کھلا

یعنی نیچر سے ہوئی بات یہ ثابت ہم کو — عقل نقّال ہے انٹی کی طرف راہ نما

دُوسرا پردہ اُٹھاتا ہوں جو دیکھے کوئی
یہ سراپردہ ہے آئینۂ اللہ نما

دُوسرا پردہ

بادشاہی کے سزاوار ہے یزداں یکتا ۔ جو نرا کار ہے جو گاڈ ہے جو ہے یکتا

اس کی شاہی کے سزاوار یہ القاب ہوئے ۔ آسماں موکب و مہ رایت و خورشید لوا

تاج یکتائی و توحید کا اس کو شایاں ۔ تخت اُس خسروِ عالم کا ہے عرش اعلا

آسماں قلعۂ محفوظ حوادث دیکھو ۔ برق شمشیرِ غضب رعد ہے اس کا ڈنکا

فارن آفس میں ہیں جبریل امیں ایک سفیر ۔ جو سنا جاتے ہیں احکام کو بالا بالا

پلٹکل میں ہوئے وابستۂ عفو و عصیاں ۔ حضرتِ آدم و ابلیس و جناب حوّا

غور سے دیکھو تو وہ ایک پولیٹیشن ہے ۔ پالسی اس کی ہے ہر ایک کو راضی رکھنا

دیکھ سکتا نہیں وہ اور کسی کی شاہی ۔ شرک کرنے سے رعایا پہ وہ ہوتا ہے خفا

اقتدارات ہیں سب ہاتھ میں اپنے رکھے ۔ دیکھتا سب کو ہے اور سبکی ہے باتیں سنتا

اس کی پولیس فرشتوں سے مرتب دیکھو ۔ پلٹنیں اس کے فرشتوں کی ہیں قائم ہر جا

جابجا گوہر شہوار سے دریا پر ہیں ۔ ہیں معادن وہ خزانہ کہ نہیں مثل اُنکا

ڈھیر چاندی کے لگے دیکھ لو ہر معدن میں ۔ دیکھ لو جا کے معادن میں تم انبارِ طلا

ہیں ولی عہدِ خدائی کے جناب آدم ۔ جن کو شاہنشہِ عالم کی خلافت زیبا

یاں خلافت کے معانی میں عجب مزے ہیں ۔ دُوسرا لفظ بلاغت میں نہیں ہے ایسا

اشتقاقِ لغوی میں جو اسے تم دیکھو ۔ کس قدر پائی ہے اس لفظ نے جائے زیبا

کیا مقالات ہوئے شاہ و ولیعہد میں ہیں ۔ کیا خیالات ہیں کیا ان میں ہے وسعت پیدا

اُس کا فرمان ہیں توریت و زبور و انجیل ۔ اس کا قرآں ہے تمدن کے لئے راہ نما

ہے وزیر اُس شہ کونین کا اسلام پناہ ۔ اُس کے منشور و فرامین نقوش طغرا

جو ہوئیں شاہ و منسٹر میں ہیں باتیں مخفی ۔ راز اُن کا نہ کھلے گا نہ کسی پر ہے کھلا

جو پیام آئے ہیں پبلک میں اشاعت کیلئے ۔ ان کو جبریل امیں لائے ہیں بالا بالا

لائے ہیں خاص اشارات میں راز مخفی
تا نہ ہو عام میں اسرار شہی کا افشا

اُس نے شاہانِ زمانہ کو سکھانیکے لئے
ایک طاقت کو مقابل میں کیا ہے پیدا

اس شہنشاہ کا دشمن بھی ہے کس درجہ حریف
جو ضلالت کی طرف ملک کو ہے راہ نما

لیک بیداری و حکمت یہ نظر آتی ہے
ملک پر کر نہیں سکتا ہے وہ اسکے قبضا

ہم کو پابندیٔ قانون ہے اس کی واجب
چاہے جی چاہے نچاہے یہ نہیں حق اپنا

کانگرس کیلئے اس نے ہمیں خواہش دی ہی
لیک قانون میں اس نے ہمیں اس سے روکا

ہر طرح چاہیئے بندوں کو اطاعت اُس کی
دخل جو دے وہ سزاوار غضب ہے اسکا

دیکھئے ہوگئی مذہب سے بھی اتنی ثابت
مذہبِ فطرت و انساں کا ہے یکساں نشا

کھولا مذہب نے ہے دروازۂ ایجوکیشن
چاہیئے ہم کو ہر اک علم سے لیں ہم حصا

جہل سے ساری خرابی ہے بشر پر نازل
خود کو جانے نہ اُسے آئے نظر اپنا خدا

تیسرا پردہ یہاں اور اُٹھانا ہے مجھے
جس سے ہو جائے ابھی ہال منوّر سارا

تیسرا پردہ

بعد شاہنشہِ عالم کے ہماری دنیا
اور شاہوں کو مفوّض ہے بفرمانِ خدا

ان میں اک قیصرۂ ہند ہیں منظورِ ازل
ہفت اقلیم میں چلتا ہے اب ان کا سکّہ

ان کا قانون ہے قانون سراپا نصفت
اُن کا آئین ہے ہر باب میں نصفت سے بھرا

عدل سے ان کے ہے آبادیٔ کشور ہر سو
فیض سے اُن کے ہمیں حصۂ کافی ہے ملا

کانگرس کو نہیں کرتی ہے گورنمنٹ پسند
جس سے عقل بشر و ملّتِ اسلام خفا

بہرِ تعلیم جو ہیں نیچر و مذہب کہتے
اس میں اُن کی بھی حکومت کا ہے اچھا منشا

قوم نے اُن کی ترقی کے دکھائے جوہر
ہمنے بھی اس سے ہے اک نام کو حصّہ پایا

قوم میں اُن کی ترقی کے ہیں دریا جاری — ہمنے گو فیض کرم سے ہے اُٹھایا قطرا
ہم کو وہ پیاس کہ سیراب نہوں دریا سے — اس کا یہ فیض کہ بخشے ہمیں دریا دریا
اُن کی اقلیم میں قانون ہیں سب پر نافذ — آریہ۔ بودھ ہو یا کوئی یہود و ترسا
چھ کروڑ آج مسلمانوں کی آبادی ہے — غیر مذہب کے تشدد سے ہیں مصئون ہرجا
ہند میں چرچے ہیں تعلیم کے پھیلے ہرسو — علم یورپ کی ترقی کا ہے سب میں چرچا
پہلے بنگال کو انگلش نے کیا ہے روشن — پھر چلی کشور پنجاب میں انگلش کی ہوا
لیک یہ خطۂ پامال حوادث اب تک — جو دوآبے سے ہے مشہور میان اشیا
نازپروردۂ شاہی جو کبھی تھا وہ اودھ — فیض شاہی سے برابر نہیں اُنکے پہونچا
سب تھے بے فکر کسی کو نہ خبر تھی اس کی — آگے کیا ہووے گا اس ملک کا انجام بھلا
کوئی تھا عیش میں مصروف کوئی نخوت میں — تھا کوئی جہل پہ نازاں کہ نہیں مثل مرا
اس میں اللہ کی قدرت سے ہوا وہ سائل — آپ ہی آپ اسی ملک سے اک شخص اُٹھا
اور سیدھا وہ گیا جانب یورپ یاں سے — دیکھ کر واں سے ہر اک چیز کو ہم تک آیا
ہم کو دکھلائیں وہ چیزیں جو نہ دیکھی تھیں کبھی — ہم سے وہ باتیں کہیں جو نہ سُنی تھیں اصلا
وہ مدارس کے نمونے ہمیں دکھلائے گئے — اکسفورڈ کا وہ کیمبرج کا نقشا کھینچا
جسکے سننے سے ہوئی دل کو ترقی کی ہوس — دیکھ کر جس کو ہوئی ملک میں جنبش پیدا
یہ وہی حضرت سید ہیں فروغ مجلس — دم سے چلتی ہے انھیں کے یہ ترقی کی ہوا
ہیں گورمنٹ میں یہ صاحب اسٹار گر — ملک کے چاند ہیں اور قوم کے شمس اضحے
یہ تصرف ہے انھیں کا جو ہوئی یوں اُردو — رُوشناس سخن نیچر و نظم و انشا
ورنہ پہلے بھی یہ اُردو ہی کہی جاتی تھی — جس کی ترکیب بلاغت تھی طلاقت سے سدا
نظم نے ان کی ہدایت سے سلاست پائی — نثر میں بھی یہ ہوئے ملک کو فخر انشا
علم و تہذیب و ترقی کے وسائل سارے — ذات سے ان کے ہوئے ملک میں جا بجا

یہ جو اس وقت ہے سرسبز نہال مجلس
ہند میں خاص اُنھی نے یہ لگایا پودا

ملک میں آج ہے ممتاز علی گڈھ کالج
ہند کا اکسفورڈ دکھتی ہے اس کو دنیا

للہ الحمد پھلا پھولا نظر آتا ہے
قوم کی ایک جماعت کا سرافراز جتھا

سیکڑوں نکلے ہیں اس قوم میں لائق ہو کر
سیکڑوں دیکھئے کالج میں ہیں پڑھتے اک جا

ہو گئے کتنے ہی مامور بڑے عہدوں پر
پڑھ گئے کتنے ہی قانون میں ہر قسم کے لا

ہے کتب خانہ بھی اک حسب ضرورت قائم
ہیں مقرر کئی تعلیم کو شمسُ العلماء

انتظام ایسا ہے معقول جو ہو سکتا ہے
بلکہ یوں کہئے نہ ہو ایک سے ہرگز اتنا

کون کر سکتا ہے ہمدردئی قومی ایسی
کس کو آرام نہیں خلق میں اپنا بھاتا

کون مشغول ہوا قوم کے یوں کاموں پر
کون مصروف رہا کام میں یوں صبح و مسا

صبح سے شام تک اور شام سے نصف شب تک
کون یوں منہمک قوم ہے رہتا کس جا

قوم کی ایسی حمایت کو گیا کون کہاں
کون یورپ کو گیا ہند سے اور کون آیا

خدمتِ قوم کہاں کرتا ہے ایسی کوئی
کون مخدوم ہے اس خدمت عالی سے بنا

کس جگہ آتے ہیں سالانہ گورنر جنرل
خدمتِ قوم سے یہ نام ہے کس نے پایا

قیصر ہند معرّف ہوئیں ایسی کس کی
ڈاکٹر ہند کا یورپ نے ہے کس کو لکھا

ہند میں کس کے لئے شوق سے یوں آئے گئے
آسماں جاہ دکن اور وقارُ الامرا

قوم میں ہوتی ہے اس طرح کہاں کانفرنس
جمع ہوتا ہے کہاں قوم کا ایسا جلسا

ایسی تبدیلی خیالات کہاں ہوتی ہے
یہ مقالات کسے ملتے ہیں سننا کس جا

وضع میں صاف ہمیں فرق نظر آتا ہے
طرز فیشن کا ہے حضرت کی بدولت بدلا

پہلے جو لوگ بھبک اُٹھتے تھے وہ نرم ہوئے
اب نہیں شرک کا ان باتوں پہ ہوتا فتوا

آپ سب صاحبوں سے عرض ہی میری اتنی
ہو جو مقبول تو فرمائیے اس پہ اچھا

مجھ کو شرم آتی ہے اس بزم میں اے صدر نشیں
گرچہ ممبر ہوں میں اس انجمن عالی کا

یعنی انگریزی میں کچھ دخل نہیں ہے مجھکو
میرے نزدیک مڈل بھی ہی ال الڈی سکھوا

نہ ہنر سے مجھے حصہ نہ سخن میں قدرت
نہ علوم متعارف میں مجھے کچھ دعوے

لیک جبتک نہ کہوں کچھ تو کوئی کیا جانے
ہے مرض ملک کو کیا اور ہے کیا اسکی دوا

ہند میں اب عربی شمع سر تربت ہے
فارسی بھی ہے چراغ لحدِ صبح قضا

کاش ان شمعوں سے اُردو کی ہو بتی روشن
اور اس شمع کو ان شمعوں سے لیں آپ جلا

تو عجب کیا ہے چراغاں کا مزہ ہو اس میں
ہر کنول علم کا روشن ہو میانِ انشا

ہانڈیاں اس میں لگیں فلسفہ و دانش کی
اور فانوس بھی دیں حکمت و ہیئت کے لگا

ہو ادب باصرہ افروز کتاب و جدول
جگمگا دے انھیں نقاشیٔ حرفِ انشا

ترجمے ہوں وہ ہراک علم کے اسمیں داخل
جن سے ہو جائے قبولیت علمی پیدا

جب یہ کاشانۂ انگلش میں لگے جھاڑ یہاں
اور ہوں روشنی علم کے شعبے پیدا

بات کرنے کی طلاقت اسے حاصل ہووے
اور انگلش کی ترقی سے ملے اس کو ضیا

دیکھیے پھر اسے کیا چیز یہ بن جاتی ہے
السنہ میں جو نظر آئے نہ ثانی اسکا

کیونکہ ہے یہ وہ زباں جسمیں ہراک داخل ہے
فارسی و عربی انگلش و لیٹن بھاشا

جامعیت کی جو تعریف ہے اس کو حاصل
وہ کسی کو بھی میسر نہیں ان میں اصلا

حرف اسّی سے زیادہ ہیں جو گنیے اسکے
سب کے ملنے میں نہیں اس کو پس و پیش ذرا

جس زبانمیں ہیں حروف اتنے کہ اوروں میں نہیں
اسکے ہو وینگے لغت سب سے زیادہ پیدا

اور جب ڈکشنری سب سے بڑی ہو ویگی
ہوگا اتنا ہی تفوق اسے اوروں پہ سوا

السنہ کے جو اصول حکمی ہیں قائم
اور کرتی ہے سخن ان میں زبان گویا

انمیں تعداد کو حرفوں کے ہے اک دخلِ عظیم
جس سے بہتایت لفظی ہو سخن میں پیدا

گر علوم متعارف میں رسالے لکھیں
تو ابھی بنتی ہے اُردو میں بھی اخوان صفا

اور جو اپنی زباں میں نہیں لکھ سکتے ہیں
تو نہ بچے گا یہ کہاں غیر زباں میں دعوا

سیجئے ہو جئے تیار جو کچھ کرنا ہے
تاکرے کانفرنس ایک نتیجہ پیدا

چاہیئے ہم کو مقرر کریں اس پر انعام
تاکریں حوصلہ اُردو میں ادیب انشاء

اور جب تک نہ زباں میں یہ ترقی ہوگی
مشکلیں آئیں گی پیش اور ہمارے صدہا

بس مرا آپ کے آگے یہ رزولیوشن ہے
ہو جو مقبول تو فرمایئے اس پر اچھا

اشہری ختم کرو اس کو دعا پر اپنے
محسنُ الملک کے نزدیک مؤثر ہے دعا

یاخدا قوم ہو اقلیم میں سب سے لائق
دُور ہوں جہل و نفاق و حسد و بغض و ریا

ہو مسلمانوں کو وہ بات جہاں میں حاصل
جس سے خوش آپ ہوں خوش قوم ہو راضی ہو خدا

مندرجہ ذیل نظم ایک صاحب نے شاہجہاں پور کے اجلاس میں پڑھی جن کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

نظم

اپنے گریہ پر نہیں ہے بے سبب رونا ہمیں
یہ ڈبو دے گی کسی دن چشم طوفاں زا ہمیں

کیا یہی دل کی امنگیں تھیں یہی تھے سب خیال
جانتی تھی ساری دنیا سب سے جب اعلیٰ ہمیں

گر یہی تھیں سب امنگیں اور یہی تھے سب خیال
تو پھر اب کیوں جانتی ہے خلق یوں ادنیٰ ہمیں

ہم میں کیا تھا جو نہیں ہر کیا نہ تھا جو اب ہے اب
جس نے عالم میں کیا ہے اس طرح رسوا ہمیں

ہاتھ پاؤں سر کمر دندان ولب ابرو و چشم
جو ملے تھے سب وہی حاصل ہیں اب اعضا ہمیں

ہاں مگر ہمت کہ تھی جو اب ہم میں کچھ باقی نہیں
جسکے آگے ایک ساں تھے دشت اور دریا ہمیں

ہاں مگر غیرت جو ہم میں تھی وہ اب جاتی رہی
کر گئی ہے ساری قوموں میں جو یوں رُسوا ہمیں

حال اسلاف گزشتہ پر اگرچہ ہے نظر
پر ذرا ویسا ہی بننے کا نہیں یارا ہمیں

اتفاق قوم میں جیسے تھے ہم ممتاز خلق
ویسے ہی نا اتفاقی کا لگا دھبا ہمیں

بس اسی نے کر دیا ہے آج ہم کو وہ ذلیل
جسکی کچھ حد بھی نظر آتی نہیں اصلا ہمیں

ملک و دولت علم و جوہر وہ ہمارے کیا ہوئے
جن کے کھو جانے پہ آتا ہے بہت رونا ہمیں

کھو دیا نا اتفاقی نے انھیں بھی ہاتھ سے
اس ہیں سے مشکل ہے حاصل ایک کا ہونا ہمیں

جب تلک نا اتفاقی کے بھنور میں ہیں پھنسے
علم و جوہر کس طرح حاصل بھلا ہوگا ہمیں

جہل کی تاریکیوں سے کس طرح نکلیں گے ہم
اور یہ افلاس دیکھیں کیسے چھوڑے گا ہمیں

ہاں مگر سید سا پیدا ہو گیا ہے پیشوا
دست و بازو سے ہوا ہے جسکے کچھ یارا ہمیں

کیوں نہ ہو کس کا نواسہ ہے جو تھا ہادی خلق
دے گیا جو دولت دیں دولت عقبےٰ ہمیں

اسکی امت ہو گئی تھی خستہ و حرماں نصیب
اسلئے اس وقت بے شک یہ پڑا کہنا ہمیں

کون تھا اس کے سوا جو آج ہوتا پیشوا
ایک بھی تو اب نہیں ایسا نظر آتا ہمیں

رہنمائی امت گمراہ کی تھا اس کا فرض
فرض کو اپنے ادا کر کے کیا بندا ہمیں

کھول کر کالج دیا ہے قوم کو صیت علوم
چاہیئے شکر عطا اس کا ادا کرنا ہمیں

زندہ ہوتے ہیں جہاں سے سب علوم مردہ آج
مل گیا ہے قوم کی خاطر عجب عیسیٰ ہمیں

اب بھی ہے گر قوم کو غفلت تو پھر افسوس ہے
چاہیئے ہے قوم کی حالت پہ اب رونا ہمیں

اے خدا تو پھیر دے اس امت عاصی کے قلب
تا نظر آنے لگے اچھا برا اپنا ہمیں

ذوق سے سیکھیں جہاں میں سب کے سب علم مفید
پھر دکھائی دے سما پچھلا سا کچھ اپنا ہمیں

یہ ترقی ہو طفیل سید عالی مقام
تاکہ ہو افلاس و نکبت کا نہ پھر رونا ہمیں

قوم کو پوری ترقی ہو نہ لے جب تک حصول
زندہ ہی دکھلانا سید کو خداوندا ہمیں

یہ نظم سید ابراہیم حسین مدرس نارمل اسکول لکھنؤ نے پڑھی۔

ایہا القوم چنیں قوم چہ سودائے ہست
سید القوم ترا خادم شیدائے ہست

بندۂ خواجۂ کونین غلام ثقلین
خواجۂ بندہ نما با سر و سودائے ہست

روز و شب دستِ دعا پیش خداوند بلند
از پئے تربیت قوم تمنائے ہست

لیک قوم ست ازیں در دو بخواب غفلت
بہر بیداریٔ او ایں ہمہ غوغائے ہست

ایہا القوم گرفتم کہ ترا پروا نیست
لیک ایں پیر خرد را بتو پروائے ہست

لاجرم بر درِ تو آمدہ از راہ دراز
دست بکشادہ گدایانہ تقاضائے ہست

محسن الملک کہ مہدی ست اگر خضرِ رہ نیست
سیّد ما پس پردہ مسیحائے ہست

مژدہ بادا پئے ہر مردۂ غفلت کامروز
بر سرش عیسیٔ وقت انجمن آرائے ہست

شاد شو شاہ جہاں پور کہ احمد محمود
ہر یکے پیش تو موجود بیک جائے ہست

ہر دو چوں باد بہار اند رواں در آفاق
تا کجا در چمنستاں گل رعنائے ہست

دردمد بشگفد از نکہت خوش بہرہ دہد
خانہ گلزار کند گر ہمہ صحرائے ہست

ناظم از گوش خرد پنبۂ غفلت بدر آر
گر ترا دیدۂ بینا دل دانائے ہست

ہر چہ از آل و زر مال ست ترا پیش ببر
رو سوئے مدرسۃ القوم کہ ماوائے ہست

در گریزی چہ بہر در کہ از و رہ نبری
کہ ہمیں در پئے اولاد تو ملجائے ہست

نیک دانی نتوانی مگر ست از سر آب
کشتی و ناو خدا نیست و دریائے ہست

نظم منشی رفعت علی صاحب نے مندرجہ ذیل فارسی نظم پڑھی جس سے حاضرین محظوظ ہوئے۔

ہلہ بربخت خودائے شاہ جہاں پور بنا نہ
کہ بر دلے تو کشودند در حکمت و راز

ہست مہمانِ تو جمع ز اکابر اے دوں
کہ بوالائی اندیشہ ندارد انباز

ہمہ عالی گہراں و ہمہ عالی ہمت
ہمہ صاحب ہنراں و ہمہ صاحب اعزاز

ہر یکے را دم تقریر زباں نکتہ سراست
ہر یکے را گہِ تحریر قلم بذلہ طراز

ہر یکے عیسیٔ قوم است بہ درد و بہ الم
ہر یکے خضر جماعت بہ نشیب و بہ فراز

جاں نثار نفسِ شاں ادب و علم و کمال
سجدہ ریز در شاں فرّہ و جاہ و اعزاز

ور بجواہی کہ شوی ایں ہمہ را روئے شناس
پائے از سر کن و پیش آئے و ز دل دیدہ بساز

بنگر آں قائد سالار گروہِ اسلام
کہ نوایش بدل مردہ نماید اعجاز

کہ دحق سید و کردست سرش قیصرِ ہند
در نسب بود معزز بہ لقب شد ممتاز

دیدۂ آں سرو آں سینۂ سرسید ما
ہمہ گنجینۂ عقل و ہمہ آئینہ راز

دیگر آں مہدیٔ ہادی ست امام فصحا
بزم بالا بخود از بنگرش جلوہ طراز

بخدا محسن ملک و بخدا محسن قوم
بر سرِ ہر دو بود سایہ او مایۂ ناز

کامل علم ادب واقف اسرار سیر
حاکم فن بیاں واقف رمز اعجاز

بے خبر اہل ہنر نیست کہ امروز کسے
نہ بہ نطق است عدیلش نہ بفکرش انباز

وینکہ سویم نگر و حضرت شبلی ست ببیں
زیر لب خندد و چشمک زندم از رہ ناز

ہر زہ پرسے ز کلام و ز کمالش از من
لب او را دم جنبش برد اعجاز نماز

لفظش از حسن معانی ست ربائندۂ دل
معنی از خوبیٔ الفاظ بود روح نواز

قیصرش داد خطابے و نشانی سلطاں
از دو دولت در دولت شدہ بر روشن باز

ہم دریں حلقہ نذیر احمد و حالی بنگر
کہ گرفت از دم ایں ہر دو رخ نطق طراز

ہر دو را خامہ بدست ست کلید در علم
ہر دو را نامہ بکف لوح طلسم اعجاز

ہر دو را غلغلۂ فضل بلند ست بلند
ہر دو را سلسلۂ نطق دراز ست دراز

ہر دو آنند بہ گلزار سخن رنگ و بوئے
ہر دو آنند مہ و مہر سپہر اعزاز

ہر دو آں را بہ بیاں آمدہ ہمراز کلیم
ہر دو آں را بزباں گشتہ مسیحا دمساز

خاصہ بکشاز ادب دیدہ بروئے محمود
کہ خرد بندۂ دیریں بود ش مثل ایاز

ہیچ دانی بہ ثنایش زچہ رو داد درنگ | زودر دریاب کہ ایں نکتہ بود مخزنِ راز
ہر کسے لقمۂ شیریں خورد آخر بطعام | ہست گر دیدہ ورد صاحب طبع ممتاز
ہم دلم خواست بنام پسر اتمام کلام | کہ ز مدحِ پدر ایں نامہ نمودم آغاز
ہاں دہاں خامہ رہ عذر سپردن تا کے | قدمے چند دراں منزل پیشینہ بتاز
رائے او روشن و خلقش حسن و چہرہ چمن | بہ سخن رُوح نوازد بہ نگہ فتنہ گداز
خلق کردند دل پاک پرستش بہ ازل | ہمہ پُر از غم قوم و ہمہ خالی از آز
گرچہ ہر ذکر پسر یاد پدر می زیبد | کہ جز ایں ہر دو پے ہر دو نباشد انباز
ہر دو را پایۂ ہم سلّمِ اوجِ اقبال | ہر دو را مایۂ ہم شہپرِ بال پرواز
شاد زی اے وطن ما و بکن دیدہ و دل | ہر یکے راز ادب زیر قدم پائے انداز

تیز برخیز و زباں وام بگیر از رفعت
شکر اقدام بجا آر و بکن عرض نیاز

رباعی

تحصیل علوم ہے نبی کا فرماں | اور آلِ نبی کی حُب نشان ایماں
سیّد نے علی گڑھ میں بنایا کالج | صدقے بانی کے اور بنا کے قرباں

یہ نظم غلام بشیر بدایونی طالب علم (قانون) نے پڑھی جو بہت پسند کی گئی۔

اے گروہ مومنیں اے پیروانِ مصطفےٰ
خاصۂ خاصان درگاہ خدائے ذوسرا

اپنی حالت کی بھی کچھ تم کو خبر ہے یا نہیں
یہ تو بتلاؤ کہ کل تم کون تھے ہو آج کیا

تختِ شاہی سے اتر کر دربدر پھرتے ہو کیوں
کیا پڑی تم پر مصیبت کون سی ٹوٹی بلا

تم کو کہتا تھا زمانہ افتخارِ آلِ نوحؑ
تم تو وہ تھے ایک عالم میں تمہارا نام تھا

کیا ہوا جو بام کعبہ پر تھا نقارہ کبھی
جسکی جاتی تھی عرب سے لیکے ایراں تک صدا

فخر تھا اپنی فصاحت اور بلاغت پر تمہیں
ٹوٹا پھوٹا لفظ اب منہ سے نہیں ہوتا ادا

عار ایک ذرہ نہ تھی بھیڑیں چرانے میں تمہیں
پانی دینے میں درختوں کے تکلّف کچھ نہ تھا

سچ تو یہ ہے تم سے پایا تھا تجارت نے فروغ
حق تو یہ ہے ہر حرفت کو تمہیں سے تھی ضیا

رات دن تم شوق سے محنت میں یوں کرتے تھے صرف
جیسے کوئی خاص کر اس کام کو پیدا ہوا

ایک سا سب کا رویہ ایک سا سب کا چلن
ایک سا سب کا لباس اور ایک سی سب کی غذا

متفق ہر کام میں ہر بات میں تھے سب کے سب
ایک نے جو کچھ کہا وہ سب کو کرنا ہی پڑا

آشنا ہرگز نہ تھے یہ کان اس آواز کے
کس کو کہتے ہیں تخالف اور کیسا تفرقا

عیش کی خوگر طبیعت تھی نہ دل عشرت طلب
تن نہ آسائش کا عادی جاں نہ راحت پر فدا

بانٹ لیتا کام آدھا آدھا آقا اور غلام
کر کے پورا اُٹھتا ہر ایک کب ادھورا چھوڑتا

لونڈیوں کے ساتھ چکی پیستی تھیں بیبیاں
قصہ کوتہ ہر کوئی تھا خانہ داری میں گھرا

اب کہوں کیا بھائیو جو کچھ تمہارا حال ہے
مجھ سے مت پوچھو تمہیں خود غور کر دیکھو ذرا

اختلاف باہمی نے کر دیا سب کو تباہ
ہے تمہارا ہی قصور اور ہے تمہاری ہی خطا

خود کرو اوقات ضائع اور لڑو سرکار سے
دودھ جلنی میں دُہو اور لب پہ قسمت کا گلہ

حیف ہے شاہی کے بدلے یوں گدائی مول لی
جان کر جیسے کوئیں میں دے کوئی پیسہ گرا

اور پھر تم ڈھونڈنے کی فکر کچھ کرتے نہیں
اب تو کھولو آنکھ اپنی خواب غفلت سے ذرا

مدتوں تک علم انگریزی کو تم سمجھے حرام
ان خیالوں کو ذرا اب دیجئے دل سے ہٹا

ساری دنیا کی زبانیں ایک ہیں کچھ شک نہیں
کوئی یورپ کی ہو یا ہووے زبان ایشیا

تھوڑا پڑھنے سے یہ سب ہو جائیگا ہم پر عیاں
ایک ہی مخرج ہے سب کا ایک سب کی ابتدا

جسنے انگریزی پڑھی پیسا کمانے کے لئے
پھر بھلا کیوں کفر کا اطلاق اس پہ ہو گیا

پوچھتے ہو مجھ سے گر انصاف کی ہے بات یہ
چاہیئے اس پر عمل دَعْ مَاکَدِرْ خُذْ مَاصَفَا

میری ان بے باکیوں سے رُوٹھنا ہرگز نہ تم
بھائیو میرا نہیں ہرگز کوئی مطلب بُرا

ہے غرض اتنی کہ ہم تم ملکے سب کوشش کریں
دوسری قوموں کو بس محنت سے دیں اپنی گرا

تاکہ عالم میں ہمارا نام پھر مشہور ہو
ساری دُنیا میں مچے شہرہ ہمارے علم کا

یہ خزاں دیدہ چمن سرسبز ہو پھر ایک بار
پھر کہیں تازہ کرے دل کو نسیم جاں فزا

کام یہ ہرگز نہیں دشوار کوشش شرط ہے
دیکھنا آسان سے آسان تر ہو جائے گا

قوم کے بچوں کو انگریزی پڑھاؤ شوق سے
ملک میں حاصل کریں عزت کمائیں روپیا

بات کا ناصح کی تم ہرگز بُرا مت مانیو
گو کہ چھوٹا ہے مگر ہے بات میں سب سے بڑا

ناصحوں کی بات کہئے کون سنتا ہے یہاں
عام اس سے ہو وہ چھوٹا یا کوئی بوڑھا بڑا

صاحبو سید کی ہمت پر ہزاروں آفریں
قوم کی خاطر سے اس نے دیکھئے کیا کیا کیا

راحت و آرام و جان و مال و علم و فضل و وقت
کام میں لایا تمھارے اور کیا تم پر فدا

غافل ایک ساعت نہیں رہتا خیال قوم سے
اس پہ بھی افسوس ہے تم اس کو کہتے ہو. بُرا

کیا بُرائی اس نے کی کالج اگر کھولا جناب
کوئی تو بتلائیے جو آپ کا نقصاں ہوا

اس کے کاموں کا خدا ہی اس کو دے اجر عظیم
صدق دل سے یہ دعا کرتا ہوں میں صبح و مسا

دونوں عالم میں ہمارا کام اس کا نام ہو
نام اس کا رات دن ہو وردِ مردانِ خدا

ختم کرتا ہوں دُعا پر نظم اپنی میں بشیر
یاالٰہی رحم کن بر امتِ خیر الوریٰ

یہ نظم شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلوی نے اپنے لکچر کے دوران میں پڑھی جس سے حاضرین مسحور ہو گئے۔

نچا مارا ہے یکسر کیا عرب اور کیا عجم سب کو
خدا غارت کرے اس اختلاف دین و مذہب کو

عجب بدعقل ہے انساں کہ باایں عوئی دانش
ہزاروں سال سیکھا پر نہ سمجھا اصل مطلب کو

اگر تعلیم دیں یہ ہے تو آخر کار سن لینا
کہ خود مکتب کے لڑکوں نے کیا برباد مکتب کو

زمانہ نے بہت سفاکیاں مذہب کی دیکھی ہیں
اگر شک ہو تو تم بھی آزما دیکھو مجرب کو

خدا محفوظ رکھے اس کی زد سے یہ وہ گولا ہے
نہ پیادے ہی کو چھوڑے اور نہ راکب کو نہ مرکب کو

یہ وہ آتش ہے عالم سوز جس کی ایک چنگاری
جلا دے ایک دم میں خشک و تر کو دور ذا قرب کو

ڈسا ہو جسکو اس موذی نے وہ پھٹکا نہیں کھاتا
خدارا تم نہ چھو لینا کہیں اس نیشِ عقرب کو

مصیطر کس لئے بنتے ہو لوگوں کے کہ یہ منصب
نہ حاصل تھا نہ حاصل ہے مقرب سے مقرب کو

نہ اس آواز کو کانوں میں آنے دینا سُن رکھو
نہ ایسی بات سے زنہار کرنا آشنا لب کو

نظر کچھ مقتضائے وقت پر بھی چاہیئے کرنی
کہ دن کو کام میں مصروف ہو آرام میں شب کو

مگر تم جھونپڑوں میں دیکھتے ہو خواب محلوں کے
ذرا سوچو تو کیا نسبت گئے وقتوں سے ہے اب کو

مزاج اسلام کا ناساز ہے اچھا نہیں لگتا
کسی کا بولنا آواز سے جان معذب کو

وے تم لوگ یوں بیگانہ وار آپس میں لڑ لڑ کر
بالآخر دق بنانا چاہتے ہو عارضی تپ کو

پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑو چھوڑ دو حق پر
وہ خود پہچان لیگا بے ادب کو اور مؤدب کو

مولانا حالی کی یہ نظم بھی مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی نے اپنے لکچر میں پڑھی۔

گلشن میں فصل گل کے سب مٹ چکے نشاں ہیں
پر چین سے عنادل گلشن میں نغمہ خواں ہیں

طاؤس و کبک خوش خوش گلشن میں ہیں خراماں
اور بیٹھے ہاتھ ملتے گل چین و باغباں ہیں

غفلت کی چھا رہی ہے کچھ قوم پر گھٹا سی
بے فکر و بے خبر ہیں بوڑھے ہیں یا جواں ہیں

اتراتے ہیں سلف پر اور آپ ناخلف ہیں
رستہ کدھر ہے ان کا اور جا رہے کہاں ہیں

فضل و کمال ان کے کچھ تم میں ہوں تو جانیں
گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں

تم سے تھے تو تھا موعزت کو قوم کی کچھ
اپنے تو قافلے سب پا در رکاب یاں ہیں

خدرت میں ان کے حالی کہتا ہے یہ ادب سے
اس وقت رونق افزا ریاں جتنے مہرباں ہیں

دنیا میں گر ہے رہنا تو آپ کو سنبھالو
ورنہ بگڑنے کے یاں آثار سب عیاں ہیں

عرصہ ہوا کہ ہم کو آنکھیں دکھا رہے ہیں
قدرت کے قاعدے جو دنیا میں حکمراں ہیں

جو اپنے ضعف کا کچھ کرتی نہیں تدارک
قومیں وہ چند روزہ دنیا میں میہماں ہیں
گھڑیال اور مگر مچھ ہیں ان کو نگلے جاتے
دریا میں مچھلیاں جو کم زور و ناتواں ہیں

سنبھلو وگرنہ رہنا یاں اس طرح پڑے گا
بھیل اور گونڈ جیسے گم نام و بے نشاں ہیں
یہ غفلتیں مُبادا اب روز بد دکھائیں
دُھندلے سے کچھ نشاں ہیں ڈر ہے کہ مٹ نجائیں

ذیل کی مختصر سی فارسی غزل مولوی محمد اسمٰعیل وکیل نے اپنی تقریر کے دوران میں پڑھی۔

ترک سر کردن بمیداں شیوۂ مرداں بود
مشکل است ایں کار لیکن پیش مرد آساں بود
بر نگردانم ز دشمن روئے در میدان جنگ
می کنم جنگ و جدل گر رستم دستاں بود
روئے او از قبلہ برگردد بوقت ہر نماز
ہر کہ از کفار روز جنگ رو گرداں بود
قوت بازو شود اندر مصاف از زخم تیر
بر بر آید بر تنم صد تیر اگر پراں بود
اے برادر در جہاں ہر باغ دار د میوۂ
میوہ در باغ بہادر خنجر و پیکاں بُود

مولوی وحیدالدین سلیم پانی پتی نے مندرجہ ذیل نظم اپنے لکچر کے دوران پڑھی۔

نظم

اس دورِ آخری میں جب یوں بگڑ چلے تم
ایک ہاشمی تمہارا مصلح کھڑا ہوا ہے

سرسبز چاہتا ہے جو قوم کو جہاں میں
فتووں سے قوم کے گو، کافر ٹھہر چکا ہے

وقت اپنا، کام اپنا، مال اپنا، جان اپنی
یاروں پہ جسنے سب کچھ قربان کر دیا ہے

دار اُس پہ قوم کے ہیں وہ قوم کی سپر ہے
قوم اس سے بدگماں ہے، وہ قوم پر فدا ہے

درہم سے اور قلم سے دم سے، قدم سے اپنے
جو کچھ کیا ہے اس نے، وہ کس سے ہو سکا ہے

ہمدرد قوم ایسا، دیکھا سُنا نہ ہم نے
یہ درد اس کو جد کی، میراث میں ملا ہے

تعلیم کی تمہاری بنیاد اُس نے ڈالی
ملکوں میں جس کا چرچا، ہر سمت ہو رہا ہے

بعد از قرونِ اُولےٰ، کس نے کیا بتاؤ
سیّد نے کام اگر، جو قوم میں کیا ہے

بارھواں[12] سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور ۱۸۹۸ء[1]

کانفرنس کا بارھواں سالانہ اجلاس بزرگان پنجاب خصوصاً نواب سردار محمد حیات خاں، خان بہادر مشیر الدولہ خلیفہ سید محمد حسین، خان بہادر برکت علی خاں، شاہ دین بیرسٹرایٹ لا، شیخ عبدالقادر، ایڈیٹر پنجاب آبزرور اور خواجہ احد شاہ کی تحریک و توجہ سے لاہور میں دسمبر ۱۸۹۸ء میں منعقد ہوا۔ صدارت کے فرائض نواب فتح علی خاں قزلباش رئیس لاہور نے انجام دیے۔

۲۹ر اپریل ۱۸۹۸ء کو انجمن اسلامیہ پنجاب (لاہور) نے فیصلہ کیا کہ کانفرنس کا اجلاس لاہور میں مدعو کیا جائے چنانچہ انجمن نے اجلاس مذکور کو ہر طرح کامیاب بنانے کے لئے پوری جدوجہد کی ہزاروں اشتہار شائع کئے خطوط اور دعوت نامے جاری کئے جلسے منعقد کئے اس طرح ایک عام ولولہ اور جوش پیدا کر دیا۔ کانفرنس کے اجلاس کے لئے گورنر پنجاب سے درباری خیمہ اور ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم سے ٹیکنیکل اسکول اور اس کی ملحقہ عمارات حاصل کی گئیں اس انتظام سے مہمانوں کو کافی آرام ملا ایک میدان میں کانفرنس کیمپ قائم ہوا اور تقریباً تمام امور خوش اسلوبی اور آسانی کے ساتھ انجام پائے۔

نواب محسن الملک بہادر جس وقت اپنی پارٹی کے ساتھ ریلوے اسٹیشن لاہور پر تشریف فرما ہوئے تو مسلم زعمائے شہر کے علاوہ ہزار ہا آدمی نواب صاحب کو دیکھنے

---

[1] کانفرنس کا گیارھواں سالانہ اجلاس ۱۸۹۶ء بمقام میرٹھ بصدارت نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی منعقد ہوا اور ۱۸۹۷ء میں سرسید احمد خاں کی علالت وغیرہ کی وجہ سے اجلاس منعقد نہ ہو سکا۔

اور ممدوح کے استقبال کے لئے موجود تھے پرجوش نوجوانوں نے نواب صاحب کی گاڑی کے گھوڑے کھول دئے اور خود کھینچ کر فرودگاہ تک لے گئے شرکاء اور مندوبین اجلاس کے خیر مقدم اور خدمت کے لئے رضاکاروں کی بڑی تعداد موجود تھی۔

۲۷ر دسمبر ۱۸۹۸ء کو کانفرنس کے بارھویں اجلاس کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا۔ اس اجلاس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ "محمڈن یونیورسٹی" کے قیام کا رزرولیشن سب سے پہلے اسی اجلاس میں پاس ہوا۔ گو اس کوشش کے عرصہ بعد یعنی ۱۷ر نومبر ۱۹۲۰ء کو مسلم یونیورسٹی کا چارٹر ملا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی کا سنگ بنیاد کانفرنس کے اجلاس منعقدہ لاہور (۱۸۹۸ء) میں رکھا گیا اس رزولیوشن پر آنریبل جسٹس امیر علی، جسٹس بدرالدین طیب جی، نواب عماد الملک بہادر، ڈاکٹر ضیاء الدین احمد، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں، مولانا حالی وغیرہ جیسے اکابر نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اس اجلاس کے صدر نواب فتح علی خاں قزلباش کے مختصر سے حالات ملاحظہ ہوں۔

نواب فتح علی خاں قزلباش کے آباء واجداد قندھار کے باشندے تھے اور مغل خاندان سے تعلق رکھتے تھے ان کے بزرگوں نے افغانستان کی پہلی لڑائی میں انگریزوں کی بڑی مدد کی جنگ کے بعد ان کے بزرگوں میں علی رضا خاں کو حسن خدمات کے صلہ میں آٹھ سو روپے ماہوار کی پنشن انگریزوں کی طرف سے ملی اور وہ افغانستان سے آکر ہندوستان میں سکونت پذیر ہو گئے۔ علی رضا خاں نے انقلاب ۱۸۵۷ء میں بھی دہلی اور کاسگنج کے انقلابیوں کے مقابلے میں انگریزوں کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔ اس صلے میں ان کو ضلع بہرائچ میں نواب گنج علی آباد کا علاقہ انعام میں ملا۔

نواب فتح علی خاں، علی رضا خاں کے جانشین ہوئے۔ پنجاب کے اعلیٰ حکام میں ان کا خاص احترام تھا اودھ کے تعلقہ داروں میں بھی نہایت ممتاز تھے شیعہ جماعت کے مسلّم رہنما اور لیڈر مانے جاتے تھے نواب فتح علی خاں کی تعلیمی رہنمائی میں شیعہ کالج لکھنؤ کا قیام عمل میں آیا۔ نواب صاحب خلیق، متواضع، وسیع خیال اور حامی تعلیم رئیس تھے۔

جناب صدر نے اپنے خطبہ صدارت کے دوران فرمایا

"سب سے پہلے میں اس امر پر دلی افسوس ظاہر کرنے سے باز نہیں رہ سکتا اور یقیناً اس رنج و اندوہ میں آپ بھی مجھ سے متفق ہوں گے کہ سنہ رواں کے شروع میں بانی مدرسۃ العلوم و محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس (سر سید احمد خاںؒ) کے انتقال سے قوم کو ناقابل برداشت صدمہ اٹھانا پڑا ہے یہ پہلا اجلاس ہے جو بانی کانفرنس کے انتقال کے بعد منعقد ہوا ہے"

صدر محترم نے پھر ارشاد فرمایا

"کانفرنس مختلف صوبوں کے مسلمانوں کو اخوت کے مضبوط رشتے میں منسلک کرتی ہے دُور و دراز ممالک کے مسلمان یکجا جمع ہو کر قوم کی پست حالت پر غور کرتے ہیں تبادلۂ خیالات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس کے جلسوں سے باہم میل جول اور ارتباط و اتحاد کو ترقی ہوتی ہے گویا کانفرنس "الاسلام ملۃ واحدۃ" کی زندہ مثال ہے ـــــ کانفرنس کے جلسوں، رپورٹوں، اور لکچروں کی اشاعت نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کر دیا ہے ان میں قومیت کا ولولہ تازہ ہوتا جاتا ہے اور مسلمان ضروریات زمانہ سے آگاہ ہوتے جاتے ہیں ـــــ سب سے بڑھ کر کانفرنس کا فائدہ یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو "سلف ہیلپ" یعنی آپ اپنی مدد کرنے کا طریقہ بتاتی ہے گورنمنٹ کی اعانت پر ہاتھ پاؤں توڑ بیٹھے

ہناگویا خود اپنی تباہی کا سامان فراہم کرنا ہے حق تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے
ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم۔ خدا کسی قوم
کی حالت کو نہیں بدلتا جبتک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے جو قوم زمانہ کی ضرورتوں سے بے
پرواہ ہوکر تہذیب و شائستگی اور تعلیم میں اپنے آپ کو دیگر ہم عصر اقوام کے ہم پلہ
بنانے کی کوشش نہیں کرتی وہ گویا ایک ایسے قانون قدرت کو توڑنے کا ارتکاب
کرتی ہے جس کا نتیجہ خود اس کے حق میں سم قاتل ہوتا ہے اور اس کا نام اور نشان
صفحۂ روزگار سے مٹ جاتا ہے"

جیساکہ اُوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اس اجلاس میں مسلم یونیورسٹی کے قیام کا ریزولیش
پاس ہوا اور اس مقصد و فوائد کے لئے ہر شہر میں سب کمیٹیوں کے قیام کی تجویز پاس ہوئی
اس اجلاس میں شمس العلماء مولوی نذیر احمد نے سرسید احمد خاں کے انتقال پر
مندرجہ ذیل مرثیہ پڑھا

مرثیہ سرسید احمد خاںؒ

از شمس العلما مولوی نذیر احمد

ہر ایک جاندار کی بے شبہ ایک دن جان جانی ہے
خدا کی ذاتِ واحد کے سوا ہر چیز فانی ہے
نہیں معلوم بعد از مرگ کیا کچھ پیش آنی ہے
مگر مدحِ خلائق مغفرت کی ایک نشانی ہے

گئے پر اپنے اور بیگانے سرسید کو روتے ہیں
خدا کے نیک اور مقبول بندے ایسے ہوتے ہیں

وہ اپنے وقت کا ایک فرد کامل بلکہ اکمل تھا
کہ ہم میں کا ہر ایک اعلیٰ سے اعلیٰ اس سے اسفل تھا
خردمندوں کی صف میں سب سے آخر تھے وہ اول تھا
غرض اسلامیوں کی فوج کا لیڈر تھا جنرل تھا

اب اس کے بعد لشکر ہے مگر افسر نہیں کوئی
بھٹکتا پھر رہا ہے قافلہ رہبر نہیں کوئی

ہمیں سرسید احمد سے بڑی بھاری شکایت ہے
بیاں ہو کس زباں سے خونچکاں اپنی حکایت ہے
رہے دھوکے میں ہم کو آپکے دم کی حمایت ہے
نہ سوچے من علیہا فان جو قرآں کی آیت ہے
یکایک ہو کے بے لُخ چل دیے ہم کو دغا دیکر
نہ چھینے دشمنوں سے بھی کوئی نعمت خدا دیکر

مسلمانوں کی حالت میں تو مدت سے تنزل تھا
کبھی کا مل چکا تھا خاک میں جو کچھ تجمّل تھا
مدار زیست تقدیر الٰہی تھی توکل تھا
نہ خواہش تھی ترقی کی نہ حاکم سے توسّل تھا
ہمارے سر پہ بجتے ڈھول تھے اور شور ہوتے تھے
مگر ہم تھے کہ بسم اللہ کے گنبد میں سوتے تھے

نہ جانا ہم نے جاکر رات کب کا دن نکل آیا
ہوئیں بد نظمیاں سب دور انگریزی عمل آیا
بجا آیا باستحقاق آیا برمحل آیا
بساطِ کہنہ کا تقدیر سے نعم البدل آیا
پر از خود رفتگانِ خوابِ غفلت کو خبر کیا ہو
شب تاریک ہم سے تیرہ بختوں کی سحر کیا ہو

ہمیں احساس ہی باقی نہ تھا اپنی تباہی کا
نہ ہو زنگی کو جیسے علم اپنی رُوسیاہی کا
گدائی میں بھی ہم رکھتے تھے غرّہ بادشاہی کا
بنا دانشگی دعوے فضیلت دستگاہی کا
عروجِ اہل انگلستان کو ہم کیا سمجھتے تھے
خدا جانے کہ اپنے آپ کو ہم کیا سمجھتے تھے

زمانہ حسب عادت اپنی دھیمی چال چلتا تھا
نہ تھمتا تھا نہ رکتا تھا نہ اپنا رُخ بدلتا تھا
مگر جو کوئی اس کا ساتھ دینے سے مچلتا تھا
یہی دیکھا کہ آخر کو کف افسوس ملتا تھا
زمانہ سے لگے ٹکر کسی میں ہے سنبھال اتنی
خدا سے بیر باندھے کس نے پائی ہے مجال اتنی

ہم اس پر بھی باطمینان بیٹھے تھے نہ تھا کھٹکا
نہ پہنچے تھے جھکولے اور نہ کھایا تھا کبھی جھٹکا
یکایک زلزلے نے غدر کے ایک دم سے آ ٹپکا
نہ اُٹھے جس سے کُلیا اس کے سر پر دھر دیا مٹکا

مسلمانوں کے مٹ جانے میں ہرگز کچھ نہ تھا باقی
مگر وہ کیا مٹے رکھے جسے فضل خدا باقی

خدا نے سید احمد خاں کو دی توفیق غم خواری
عطا کی عقل صائب جامع دنیا وُ دینداری
اسی کی سخت حاجتمند تھی یہ قوم بے چاری
علاج آسان ہے جب ہو گئی تشخیص بیماری

اسی نے سب سے پہلے عزت اور دولت کا گر سمجھا
خزف کو اُسنے گردانا خزف اور دُر کو دُر سمجھا

اسی نے علم کو اس کی حقیقی شان میں دیکھا
اور اسکی طاقت اور قوت کو انگا تا نمیں دیکھا
جو برسوں میں نہ ہو ہوتا ہوا اک آن میں دیکھا
محال و ممتنع کو حیزِ امکان میں دیکھا

جنوں ہے خبط ہے تقدیر سے ناحق جھگڑتے ہیں
ہم آپ ہی اپنے ہی کرنیسے بنتے اور بگڑتے ہیں

حصول علم ہی انسان کو انساں بناتا ہے
یہی تو بادشاہ اور کنگ اور سلطاں بناتا ہے
یہی فرماں روا وُ حاکم دوراں بناتا ہے
یہی مفلس کو دولت مند باساماں بناتا ہے

ہنر کو کہتے ہیں اور ٹھیک کہتے ہیں کہ دولت ہے
کہ دولت بھی تو دنیا میں ہنر ہی کی بدُولت ہے

کہاں ہندوستاں اور اس سے جاکر کہاں لندن
بایں بُعد مسافت بیچ میں دریائے برہم زن
چلے اور آکے قابض ہو گئے سب ملک پر فوراً
بھلا کیا تاب ان کی حکمتوں کی لاسکے دشمن

ہماری قوتیں سب منحصر ہیں گاوزوری میں
بھری ہے صنعت ایجاد ان کی پوری پوری میں

رہے مصروف ہم تو سب کے سب باتیں بنانے میں
کہ یورپ نے ہم سے آ کو داخلائی کارخانہ میں

یہ ہم سے بھی گئے گزرے ہوئے تھے اک زمانہ میں پر اب دنیا کی دولت پھٹ پڑی انکے خزانہ میں
خدا ہی نے کچھ ان کو راز دار اپنا بنایا ہے
کہ ان کی قوم نے نیچر کا رستہ دیکھ پایا ہے

رہی ہم میں نہ باقی جب لیاقت ملک داری کی فلک سے جا کے ٹکرائیں صدائیں آہ و زاری کی
پس از اتمام حجت حق نے عادت اپنی جاری کی کہ آخر ایک حد ہوتی ہے حلم و بردباری کی
دیا ملک ان کو جو اس نعمت عظمےٰ کے شایاں تھے
کہ ان کے رشد کے آثار ظاہر تھے نمایاں تھے

زوال سلطنت تھا گو بظاہر موت سے بدتر ولیکن در حقیقت قہر میں بھی رحم تھا مضمر
کہ ہمکو امن و آسائش ہے اپنے عہد سے بڑھ کر ہوا ہے علم ارزاں جیسے بھٹے مولی اور گاجر
یہ آزادی جو حاصل ہے کسی کو کب میسر تھی
اگر سچ پوچھئے تو زندگی لوگوں پہ دوبھر تھی

برائے نام انگریزوں کی کہنے کو رعیت ہیں کہ حاکم رحم دل منصف مزاج اور نیک نیت ہیں
لیاقت دوست ہیں جوہر شناس قابلیت ہیں اور اس پہ بھی نہ پنپے ہم تو پورے بے حمیت ہیں
نہیں اس عہد میں تخصیص قوم و ملک و مذہب کی
اگر ہم اہل ہوں تو سلطنت بھی ہے ہمیں سب کی

مگر کیا ظلم ہے ہم بدگماں ہیں اس قدر انسے کہ ہر اک بات میں رکھتے ہیں پرہیز اور حذر انسے
الٰہی کب وہ دن ہوگا کہ ہوں شیر و شکر انسے تو پھر جی کھول کر حاصل کریں علم و ہنر ان سے
بطوع و خوش دلی ایک ایک کی عادت کو نبھ جائے
یونہی کچھ تفرقہ مذہب کا رہ جائے تو رہ جائے

نہیں ممکن کہ دنیا میں رہو عزت سے بے اسکے نہیں ممکن کہ عظمت ہو کسی خدمت سے بے اسکے
نہیں ممکن کہ ہو ہاتھ آشنا دولت سے بے اسکے نہیں ممکن کہ نکلو فقر کی ذلت سے بے اسکے

رہو گھل مل کے اور سیدھی طرح گر تم کو رہنا ہے
عزیزو تم سے آخر میں ہمیں اتنا ہی کہنا ہے

یہ باتیں ہیں جو ہم نے اخذ کیں مرحوم سید سے
نہ سید بلکہ قومی رہنما و پیر و مرشد سے
وہ سمجھاتا رہا ہر ہر طرح پر ہزل سے جد سے
ولیکن ہم رہے محروم اپنی غفلت اور ضد سے

وہ ہم پر جان دیتا تھا اسے دشنام ملتے تھے
یہ اپنی قوم سے اس کے تئیں انعام ملتے تھے

مگر وہ دردمند قوم ایک کوہ تحمل تھا
جو اس کے حق میں کانٹے تھے وہ اوس کے واسطے گل تھا
مخالف پارٹی کا گو بہت سا شور تھا غل تھا
ولے اسکے ارادے میں نہ کچھ مطلق تزلزل تھا

کسی مطلب پہ کوئی دل نہادہ ہو تو ایسا ہو
جو ہمت ہو تو ایسی ہو ارادہ ہو تو ایسا ہو

تعلق قوم سے اور قوم کے چھوٹے بڑے دشمن
اسے سمجھا کئے دیں کا عدو ایمان کا رہزن
شب تاریک بتلائیں اگر وہ دن کہے روشن
انھیں خوش تالنے کی اور وہ مستعجل کہ ہو فوراً

کوئی اس کشمکش کے پھیر میں کچھ کر کے دکھلائے
جئے اس کی طرح اس کا سا مر نا مر کے دکھلائے

علی گڑھ میں غرض اس مرد نے کالج بنا چھوڑا
مسلمانوں کو انگریزوں سے بالآخر ملا چھوڑا
تعصب سنگ رہ تھا اس کو رستے سے ہٹا چھوڑا
مگر افسوس کیوں اسکو نہ لے دست قضا چھوڑا

یہ کالج بام یونیورسٹی کی اگر نردباں ہوتا
تو اس کا بھی دل مایوس کیسا شادماں ہوتا

مسلمانوں کا عاشق مر گیا اور ہم کو مرنا ہے
ہمارا کام سچائی سے حق کا کہہ گزرنا ہے
خدا کے آگے جا کر کیا کہیں کہہ کر مکرنا ہے
پھر اب مانو۔ نہ مانو اپنا کرنا اپنا بھرنا ہے

نہ مانو گے تو ساری عمر تقدیروں کو روؤ گے
بگڑ جاؤ گے مٹ جاؤ گے کچھ اپنا ہی کھوؤ گے

الٰہی تو تو دانائے نہاں و آشکارا ہے — نہیں پوشیدہ تجھ سے جس طرح اپنا گزارا ہے
نہ آمد ہے تجارت کی نہ خدمت کا سہارا ہے — نہ معتد بہ زمینداری میں کچھ حصہ ہمارا ہے
ہماری کاہلی ہرچند کچھ کرنے نہیں دیتی
یہ رزاقی ہے تیری جو ہمیں مرنے نہیں دیتی

تری نعمت کی قدر اور اسکی خدمت جب نہ بن آئی — تو ہم نے حور بعد الکور کی واجب سزا پائی
مگر اب حد سے افزوں ہوگئی ہے اپنی رسوائی — لگے ایذائیں دینے اور ستانے ہم وطن بھائی
ہمارے ساختہ پرداختہ ہم کو بناتے ہیں
جو ہر دم منہ تکا کرتے تھے اب وہ منہ چڑاتے ہیں

اگر بے حرمتی سے پیٹ پالا بھی تو کیا پالا — کسی ڈھب سے قضا کو ایک وقتِ خاص تک ٹالا
ہوئے بدنام اور بچوں کے آگے منہ ہوا کالا — بزرگوں کی نمود اور آبرو کا خون کر ڈالا
گئی عزت تو ایسے کھانے اور پینے پہ لعنت ہے
اسی کا نام جینا ہے تو اس جینے پہ لعنت ہے

اگرچہ رزق کی جانب سے اطمینان رکھتے ہیں — وما من دابۃ پر بالوثوق ایمان رکھتے ہیں
مگر اک مفلسی کا درد بے درماں رکھتے ہیں — کہ آخر ہم بھی تھوڑی یا بہت کچھ آن رکھتے ہیں
الٰہی گرچہ ہم نااہل ہیں اور پست ہمت ہیں
مگر بندے ہیں تیرے تیرے پیغمبر کی امت ہیں

الٰہی سیدِ عالم شہِ لولاک کا صدقہ — اور انکی خلّت اور توحید بے اشراک کا صدقہ
پڑے ہوں جس جگہ انکے قدم اس خاک کا صدقہ — جہاں مدفون ہیں اس سرزمین پاک کا صدقہ
کہ ہم بھی درپے اجرائے کارِ نیک ہو جائیں
تکلف برطرف سارے کے سارے ایک ہو جائیں

نہیں مطلب کہ ہمکو تخت ہو یا تاجِ شاہی ہو — نہیں خواہش کہ ہم کو سلطنت خواہی نخواہی ہو

نہیں حاجت کہ اپنا شہرہ از مہ تا بماہی ہو　　فقط بس ایک یونیورسٹی کی سربراہی ہو
اگر یہ ہو تو ہم نے کل مطالب اپنے بھر پائے
دگرنہ حکم دے ایک دم سے ساری قوم مر جائے

مولانا حالی کی مندرجہ ذیل نظم بھی اس اجلاس میں حاضرین کے گوش گزار کیگئی

+

بنی نوع کے ہر مصیبت میں یاور　　ہوا خواہ ملت بہ اندیش کشور
شدائد کے دریائے خوں میں شناور　　جہاں کی پر آشوب کشتی کے لنگر
ہر اک قوم کی ہست و بود اُنسے ہے یاں
یہ سب انجمن کی نمود اُن سے ہے یاں

کسی پر ہو سختی۔ صعوبت ہے ان پر　　کسی پر ہو غم۔ رنج و کلفت ہے ان پر
کہیں ہو فلاکت۔ مصیبت ہے اُن پر　　کہیں آئے آفت۔ قیامت ہے ان پر
کسی پر چلیں تیر۔ آماج یہ ہیں
لٹے کوئی رہ گیر۔ تاراج یہ ہیں

یہ ہیں حشر تک بات پر اڑنے والے　　یہ پیماں کو میخوں سے ہیں جڑنے والے
یہ موج حوادث سے ہیں لڑنے والے　　یہ غیروں کی ہیں آگ میں پڑنے والے
اُمنڈتا ہے رُکنے سے اور اُن کا دریا
جنوں سے زیادہ ہے کچھ اُن کا سودا

جماتے ہیں جب پاؤں ہٹتے نہیں یہ　　بڑھا کر قدم پھر پلٹتے نہیں یہ
گئے پھیل جب پھر سمٹتے نہیں یہ　　جہاں بڑھ گئے بڑھ کے گھٹتے نہیں یہ
نہم بن کے مر نہیں بیٹھتے یہ
جب اُٹھتے ہیں اُٹھ کر نہیں بیٹھتے یہ

خدا نے عطا کی ہے جوان کو قوت　　سمائی ہے دل میں بہت اسکی عظمت
نہیں پھیرتی اُن کا منہ کوئی زحمت　　نہیں کرتی زیر اُن کو کوئی صعوبت

بھروسہ پہ اپنے دل و دست و پا کے
سمجھتے ہیں ساتھ اپنے لشکر خدا کے

نہیں مرحلہ کوئی دشوار اُن کو　　ہر اک راہ ملتی ہے ہموار اُن کو
گلستاں ہے صحرائے پُر خار ان کو　　برابر ہے میدان و کہسار ان کو

نہیں حائل اُن کے کوئی رہگذر میں
سمندر ہے پایاب ان کی نظر میں

زمیں سب خدا کی ہے گلزار انھیں سے　　زمانہ کا ہے گرم بازار انھیں سے
ملے ہیں سعادت کے آثار انھیں سے　　کھلے ہیں خدائی کے اسرار انھیں سے

انھیں پر ہے کچھ فخر ہے گر کسی کو
انھیں سے ہے گر ہے شرف آدمی کو

انھیں سے ہے آباد ہر ملک و دولت　　انھیں سے ہے سرسبز ہر قوم و ملت
انھیں پر ہے موقوف قوموں کی عزت　　انھیں کی ہے سب بیع مسکوں میں برکت

دَم ان کا ہے دنیا میں رحمت خدا کی
انھیں کو ہے پھبتی خلافت خُدا کی

انھیں کا اُجالا ہے ہر رہ گزر میں　　انھیں کی ہے یہ روشنی دشت و در میں
انھیں کا ظہور اہے سب خشک و تر میں　　انھیں کے کرشمے ہیں سب بحر و بر میں

انھیں سے یہ رتبہ تھا آدم نے پایا
کہ سر اس سے رُوحانیوں نے جھکایا

التماس

منشی امجد علی اشہری نے ایک نظم بعنوان "التماس" حاضرین کے رو برو پڑھی جس سے سب لوگ بہت محظوظ ہوئے۔

اے زباں آورانِ نادرہ فن — بانیٔ مجلسِ ایجوکیشن
محسن الملک محسن الدولہ — آپ سے اب یہ بزم ہے روشن
آج ہوں اک مقدمہ لایا — کیجئے فیصلہ بہ طرزِ احسن
آجکل نظم کی نہیں پرسش — نظم ہے جیسے کوئی بیوہ دلہن
دیکھئے تو ذرا رنڈاپے کو — ناک میں نتھ نہ ہاتھ میں کنگن
میگزین اور کارتوس نہیں — نہ معارف میں التزام سخن
لڑکیاں دو جنی تھیں اُردو نے — گوہرِ ذاتِ رشکِ دُرِّ عدن
ایک کا نام نثر ہے ان میں — دوسری نظم ہے یگانۂ فن
ایک کی آنکھ سر بسر جادُو — سر بسر سحر ایک کی چتون
ایک دل کی ہے باعثِ قوت — دوسری سے چراغ جاں روشن
ایک بانوئے خامۂ ہومر — ایک خاتون کلبۂ ملٹن
نظم شہرت فزائے شکسپیئر — نثر عزت دہِ گلیڈسٹن
نظم ہی میں لکھے گئے سارے — جو سُنے ہوں معلقاتِ کہن
ہر زباں میں کبھی ادیب نہ ہو — تا نہ ہو نظم میں وہ ماہر فن
نثر ٹکسال، نظم ہے سکہ — ہو نہ رائج بغیر سکہ چلن
نظم کا ایک کو بھی دھیان نہیں — ہو چکا پاس گو ریزولیوشن
نظم سے نطق نامیہ آرا — نظم فضلِ کمالِ بابِ دہن

ایک دن کا یہ ذکر بھی سُن لو
نثر سے نظم کی ہوئی اَن بن

نثر بولی کہ میں مہذّب ہوں
تو مضامین عشق کا خرمن

میری اسپیچ میں گہر باری
لکچروں میں مرے ادائے سخن

میں ہوں فرماں طرازِ دارِ ادب
میں ہوں طغرا نویس نو دکُھن

نظم بولی کہ سچ کہا باجی
واقعی آپ ہیں بڑی پرُ فن

لیک میں اور چیز ہوں سنئے
مجھ سے بزمِ کمال ہے روشن

عربی۔ سنسکرت۔ انگریزی
نظم سے فیض یاب سب کا چلن

نظم سے قوتِ خیالی ہے
نظم ہے ورزشِ دماغِ سخن

شاہ نامے میں دیکھئے مجھ کو
مجھ سے زندہ فسانہ ہائے کہن

مجھ سے مشہور ہیں زمانہ میں
گیو و گودرز و رستم و بیژن

میں ہوں باب کتاب شیکسپیئر
میں ہوں فصل کتاب جانسٹن

میں ہوں وادیٔ عشق کی لیلےٰ
میں ہوں گل زارِ حسن کی مالن

مصرِ معنیٰ میں ہوں کلیوپٹرا
ہوں محل فرانس میں یوجن

حاؔلی و شبلؔی و نذیر احمد
ہیں شناسائے خط و خالِ ذقن

گوہرِ ذاتِ پاک کا جوہر
جوہرِ ذاتِ پاک کا معدن

ہیں امیرؔ و جلاؔل و داغؔ مرے
رنگ آرائے وادیٔ و گلشن

شوکتؔ میرٹھی بیان و ریاض
ان سے تازہ مرے بیاں کا سخن

کچھ نہ پوچھو میں کیا ہوں حجرے میں
شوہرِ حسن مشترک کی دُلہن

میری باتیں نپی تلی دیکھو
تولہ ماشہ ہو سیر ہو یا من

کرے تقطیع جس کا جی چاہے
فاعلاتن۔ مفاعلن فعلن

الغرض بات ہے فقط اتنی
نظم کا ہے یہ اک رزولیوشن

نثر سے دوستی ہو کیوں اتنی — نظم کا کیوں زمانہ ہو دشمن
کیوں ترقی ہو اس قدر اس کی — کیوں تنزّل میں یہ رہے پُرفن
حصّہ دونوں کو چاہیئے دینا — تا ادب کا ہو مدرسہ معدن
شوخیاں اس کی گر پسند نہیں — تو بدل دیجیئے لباسِ کہن

اشہرِی لکھ چکے جو لکھنا تھا
سُن چکی مجلسِ ایجوکیشن

پیامِ دوست

از چودھری خوشی محمد ناظر

کل خوابِ گراں جو مجھ پہ آئی — اک صورتِ پاک دی دکھائی
چہرے پہ برس رہے تھے انوار — بُشرے پہ جلالِ بادشاہی
سر پہ تھی کلاہِ خسروانہ — عطر اور عبیر میں بسائی
تھی اُس کی رضا میں جوئے رضواں — تھا پیرہن اُس کا سبز کائی
تھی ریش دراز پیرہن پہ — یا قلّۂ کوہ پہ برف چھائی
قامت تھا کہ شاخِ نخلِ طوبیٰ — صورت تھی کہ شانِ کبریائی
تھی آنکھ ستارۂ ہدایت — ماتھا مہتاب رہ نمائی
القصہ تھی طرفہ اُس کی رُوداد — جو دید شنید میں نہ آئی
فرمایا مجھے گلے لگا کر — اے کشتۂ خنجرِ جُدائی
ڈھونڈھو نہ کہیں جا کے بزمِ مستاں — ے جس کی ہے موت نے لنڈھائی

گر تجھ کو کہیں بھی شش جہت میں
وہ بزم فسردہ دے دکھائی

اوّل کہیو سلام میرا
پھر دیجیو یہ پیام میرا

دیرینہ حریف کا فسانہ
اے ہم نفساں نہ بھول جانا

تھی جس کی لگائی پود میں نے
اس بیل کو تم منڈھے چڑھانا

ہے فرض اطاعتِ اولی الامر
اس رمز کو دل سے مت بھلانا

کرنا نہیں دہر سے لڑائی
پھرنا جس رُخ پھرے زمانا

ہے بغض و حسد غضب خدا کا
خرمن میں یہ آگ مت لگانا

دشوار گزار ہے یہ منزل
بے قافلہ گام مت اُٹھانا

جو فیصلہ ہو مجارٹی کا
فرمان قضا اسے بنانا

ہو قوم کا اعتماد جس پر
اس کو سر و چشم پر بٹھانا

رُوٹھے مری بزم کے منانا
بگڑی مری قوم کی بنانا

یاروں کو تھا گر ملال مجھ سے
اس کو مرے ساتھ ہی دبانا

کہنا مری بزم میں خدارا
حیتوا یا ایہا الستکارا

اے مونس و ہمدم یگانہ
اے مہدی و محسن زمانہ

دل میں رہے درد کی وہی چاٹ
لب پر رہے قوم کا ترانہ

وہ میری صدائے اطلبوا العلم
ہر خرد و بزرگ کو سُنانا

لے کر مرا کاسۂ گدائی
ہر شہر و دیار میں پھرانا

اے سیف زباں نذیرؔ دہلی
اُمت کو عذاب سے ڈرانا

ہے تیری زباں میں جو ہر تیغ
اس سیف کو زنگ مت لگانا

حالیؔ نہ ہو بزم تجھ سے خالی — وہ نغمۂ درد گائے جانا
ہیں تیرے سرشک سیل رحمت — یہ مزرعِ قوم پر بہانا
اے زائر مکہ و مدینہ — کعبہ در قوم کو بنانا
اقبال گزشتہ کا مرقع — شبلیؔ کوئی بزم کو دکھانا

برہم ہوئی گرچہ بزم ساقی
پر جاری ہے مے کشوں میں ساقی

کہنا جاکر مرے چمن میں — اس لالہ و گل کی انجمن میں
اُے دشت امید کے غزالو — ہے تم سے بہار کچھ ختن میں
تم پھول ہو کشتِ آرزو کے — تم جان ہو قوم کی بدن میں
ہر لحظہ ہے چشم دل تمھیں پر — ہے گرچہ بدن نہاں کفن میں
پھرتے رہو لئے کاسۂ گدائی — پنجاب میں، ہند میں، دکن میں
پہلی منزل قیام کرنا — ان زندہ دلوں کے تم وطن میں
تھا جن کے دلوں پہ جلوہ میرا — یا عکس سہیل تھا یمن میں
ہے قوم کا سر میں ان کے سودا — ہے جنبش درد ان کے تن میں
آتی ہے کچھ اُن سے بوئے اسلام — صورت سیرت میں سادہ پن میں
ہے فتح و ظفر کی ان سے اُمید — برکت ہے ان ہی سے انجمن میں

سوکھی کھیتی کو دے گا پانی
پنجاب سے آب زندگانی

مولوی امجد علی اشہری

تیرھواں سالانہ اجلاس منعقدہ کلکتہ ۱۸۹۹ء

کانفرنس کا تیرھواں سالانہ اجلاس عمائد کلکتہ کی دعوت پر کلکتہ میں منعقد ہوا آنریبل جسٹس سید امیر علی سی۔ آئی۔ ای نے صدارت کے فرائض انجام دئے اجلاس کے لئے وسیع پنڈال راجہ مہندر و چندر نندی بہادر کے وسیع احاطے میں تعمیر ہوا جس کی آرائش و زیبائش میں ہر ممکن کوشش کی گئی مہمانوں کے قیام کے لئے ٹیگور کے مشہور خاندان کے ایک ممبر نے اپنا وسیع محل انتظامیہ کمیٹی کے سپرد کیا جس میں چار سو مندوبین کے قیام کا انتظام کیا گیا۔

اجلاس کے پنڈال میں وسیع اور بلند ڈائس بنایا گیا جس میں صدر مجلس، خاص خاص مندوبین اور مجلس استقبالیہ کے ارکان وغیرہ جلوہ افروز ہوئے کلکتہ کے شاہی خاندان کے دو ممبر جن میں ایک اودھ کے شہزادے تھے بطور رضا کار، صدر کی کرسی کے دونوں طرف نہایت دبدبے اور شان کے ساتھ سنہرا عصا ہاتھ میں لئے ہوئے کھڑے تھے اس اجلاس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ صوبہ بنگال کے حاکم اعلیٰ سر وڈ برن، لفٹننٹ گورنر پورے تزک و احتشام کے ساتھ اجلاس میں موجود تھے اور وہ جلسے کی کاروائی کو بغور و توجہ دیکھتے اور سنتے رہے آخر میں ایک مختصر گر ہمدردانہ تقریر بھی کی جس میں انھوں نے مسلمانوں کی علمی اور تعلیمی کوششوں سے اپنی ہمدردی اور دلچسپی کا اظہار کیا۔

جناب صدر، رائٹ آنریبل جسٹس امیر علی ملک و قوم میں نہ صرف ایک

فاضل جج کی حیثیت سے مشہور تھے بلکہ ایک نامور عالم، زبردست مصنّف اور بلند پایہ موٴرخ کی حیثیت سے بھی ایک امتیاز کے مالک تھے۔

جسٹس امیر علی ۶ر اپریل ۱۸۴۹ئہ میں بمقام چنسورہ (بنگال) پیدا ہوئے ان کے بزرگ نادر شاہ کے ساتھ ہندوستان آئے تھے اور مغل بادشاہوں کے دامن دولت سے وابستہ رہے ان کے والد سعادت علی نے اوّل موہان (ضلع اناؤ) میں بود و باش اختیار کی اس کے بعد وہ بنگال میں سکونت پذیر ہو گئے۔

امیر علی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہگلی کالج میں داخل ہوئے میٹرک میں امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوئے اور درجہ اول کا وظیفہ حاصل کیا ۱۸۶۷ئہ میں بی۔ اے کی ڈگری لی دوسرے سال پولیٹیکل اکانومی اور تاریخ کے مضامین کے ساتھ ایم اے میں کامیابی حاصل کی ۱۸۶۸ئہ میں "اسٹیٹ اسکالرشپ" حاصل کر کے مزید تعلیم کے لئے انگلستان گئے، بیرسٹری کی سند لے کر ۱۸۷۳ئہ میں واپس آئے اور کلکتہ میں پریکٹس شروع کردی، آئندہ سال کلکتہ یونیورسٹی کے فیلو اور بعد ازاں پریذیڈنسی کالج کلکتہ میں شرع محمدی کے لکچرار مقرر ہوئے۔ ۱۸۷۸ئہ میں ان کا تقرر بحیثیت پریسیڈنسی مجسٹریٹ ہوا اور تھوڑے ہی عرصے بعد چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ کے عہدے پر ترقی ملی۔ اس عہدے سے مستعفی ہونے کے بعد بنگال لیجسلیٹو کونسل کے ممبر بنائے گئے اور ان کی علمی اور قانونی قابلیت کے اعتراف میں لارڈ رپن نے ان کا تقرر امپیریل لیجسلیٹو کونسل کی ممبری پر کیا انھوں نے ٹیگور لا پروفیسر کی حیثیت سے بھی قانونی خدمات انجام دیں اور کلکتہ ہائی کورٹ کے جج رہے۔ چودہ سال تک اس عہدے پر فائز رہنے کے بعد ۱۹۰۴ئہ سبک دوش ہوئے۔ ملازمت سے مستعفی ہونے کے بعد جسٹس امیر علی نے لندن میں سکونت اختیار کرلی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی شاخ "لندن مسلم لیگ"، کا وجود ان

ہی کی توجہ اور کوششوں کا نتیجہ تھا جسٹس امیر علی ہی لندن شاخ کے صدر رہے۔
سنہ ۱۹۰۹ئہ میں ان کو پریوی کونسل میں ملے لیا گیا اس وقت اس اعزاز کو قومی عزت
کا خاص نشان سمجھا جاتا تھا۔ لندن میں سکونت کے دوران انھوں نے مسلمانان
ہند کی مختلف تحریکوں سے اپنی دلچسپی قائم رکھی۔ اور ان کی کامیابی کے لئے برابر
کوشاں رہے

ایک فاضل مصنف اور زبردست مورّخ ہونے کی حیثیت سے جسٹس امیر علی
کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہے ان کی تصانیف میں اسپرٹ آف اسلام تاریخ اسلام
(انگریزی) " اسٹوڈنٹس ہینڈ بک آف محمڈن لا" اور " دی پرسنل لا آف محمڈنس
وغیرہ شہرت دوام رکھتی ہیں۔ انھوں نے یورپین مصنفوں اور مورّخوں کے ان
الزامات کو جو انھوں نے پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر لگائے
تھے اور ان غلط فہمیوں کو جو انھوں نے اسلام اور سلاطین اسلام کے متعلق پھیلائی
تھیں بدلائل قوی رد کیا۔ جسٹس امیر علی کا لندن میں ۳ر اگست ۱۹۲۸ئہ کو انتقال
ہوا۔

اس اجلاس میں مندرجۂ ذیل خاص ریزولیوشن پاس ہوئے۔

(۱) مسلمانوں میں جدید تعلیم کے ساتھ ان کے اپنے علوم و اخلاق کی تعلیم ہونی ضروری ہے
(۲) مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) کے لئے مسلم والیان ملک سے امداد کی اپیل اور کلکتہ میں
پراونشیل کمیٹی کے قیام کی تجویز۔
(۳) ہر صوبے کے مرکز اور اہم مقامات پر زنانہ مدارس قائم کئے جائیں اور ان کی
نگرانی کے لئے پراونشیل کمیٹیاں قائم کی جائیں، اور ہر جگہ کے مستند علماء کی مدد سے
احکام کے مطابق نصاب تعلیم تیار کیا جائے۔
(۴) تعلیمی اوقاف کی نگرانی کے لئے ایک سیکشن کا قیام

(۵) پرائیویٹ اور سرکاری مدارس میں مسلم بورڈنگ کے قیام کی ضرورت
(۶) ممالک مغربی و شمالی (یوپی) کی عدالتوں اور دفاتر میں اُردو زبان فارسی رسم الخط میں ہونی چاہیئے۔
(۷) بی۔اے کی ڈگری کے لئے فارسی کا بطور اختیاری مضمون قائم رہنا ضروری ہے۔
(۸) مسلمانوں کو میڈیکل مدارس میں داخلہ کی ترغیب دی جائے
(۹) مدرسۃ العلوم علی گڈھ میں انجینئرنگ کلاس کھولی جائے

اس اجلاس کے موقع پر مولوی امجد علی اشہری نے اپنے افکار عالیہ کو بصورت مسدّس نظم کیا اور حاضرین کے روبرو پیش کیا۔ جو درج ذیل ہے۔

مُسدّس اشہری

کلیدِ گنجِ حکمت رازِ عرفانِ الٰہی ہے — گدا کو اس کے کوچہ کی نوید بادشاہی ہے
ہر ایک ذرہ کو اس کے رتبۂ خورشید جاہی — جہاں میں اسکو شایاں منصبِ عالم پناہی ہے
رہے منشورِ شاہی قل ہو اللہ احد اُس کا
چلے توحید کا سکہ ازل سے تا ابد اُس کا

عطا عین عنایت سے جو کیں آنکھیں خدا تو نے — نہیں آنکھیں دیئے دو چشمے مہر انجلا تو نے
بصارت کے سوا دی جو بصیرت کبریا تو نے — کیا اُس سے شناسا از زمیں تا آسما تو نے
دکھایا سارے عالم کو کہ حکمت اسکو کہتے ہیں
بتایا ابن آدم کو کہ صنعت اسکو کہتے ہیں

ہمارا باصرہ حیرت فزائے عقل و حکمت ہے — ہمارا ذائقہ حیرت فروش کام نعمت ہے

ہمارا ناطقہ ہے یا کلید گنج صنعت ہے ہمارا سامعہ گنجینۂ صد راز قدرت ہے

سمجھ لیتے ہیں سرد و گرم کو لمس انامل سے

بتائیں بو و خوشبو سونگھ کر توفیق کامل سے

دماغ اپنا ہے یا صندوقچہ ہے راز قدرت کا تماشا خانے خانے میں ہے اسکی لاکھ ندرت کا

کوئی گھر عیش منزل ہے کوئی خانہ مسرت کا کوئی کاشانہ خوبی کا کوئی گھر ہے محبت کا

امانت چور خانہ میں ہے رکھا نقد پنہاں کو

لکھا ہے پیش تختے پر جو پیش آتی ہے انساں کو

نہیں دل شمع نورانی ہے جو سینے کے اندر ہے ہمارا حنجرہ چمنی ضیا افروز نیچر ہے

گلو بے سکے لئے کیا خوب اپنا کاسہ سر ہے زباں اسکا زبانہ روشنی نطق سخنور ہی

الہٰی موم بتی دل کی تو نے کیا جلائی ہے

کہ اس سے جسم کی اقلیم ساری جگمگائی ہے

نئی تشریح سے کیا کیا عجب دیکھے دماغوں میں چنے ہیں پھول کیا کیا قدرت خالق کے باغوں میں

جلائیں بتیاں ہیں گال نے کیا کیا چراغوں میں بھرے ہیں حکمتوں کے رنگ کیا کیا ان ایاغوں میں

دماغوں کی عجب تشریح امریکہ سے آئی ہے

یہ وہ کوزہ ہے جس میں ایک دریا کی سمائی ہے

اسی صورت سے گر تشریح کرنے بیٹھیں ہم دلکی تو ہر گوشے میں پائیں اسکے ہم راہیں منازل کی

ضرورت دل کو ہے تشریح میں استاد کامل کی گرہ سائنس سے کھولے خدایا کوئی مشکل کی

دماغوں سے ہیں نکلے کتنے شعبے عقل کے یکسر

عجب کیا ہے کھلیں عقدے نئے تشریح دل ہو کر

لگایا تو نے نفس ناطقہ کا تار وہ محکم کہ جو تجھ سے تعلق ہے نہ ٹوٹے وہ کبھی کدم

خبر بندوں کی پہنچے تار برقی سے تجھے پیہم اثر رکھا ہے تو نے برق و مقناطیس کا باہم

لگا ہے دل سے تجھ تک تارِ برقی رشتۂ جاں کا
ترا ٹیلی گرام آفس ہے دل سینے میں انساں کا

جہاں میں کرۂ خاکی ہے خاکہ تیری عظمت کا
نمونہ خاک پر پانی ہے تیری بحرِ رحمت کا
ہوا پانی پہ دکھلائے تماشا تیری قدرت کا
ہوا پر آگ کا عنصر نمونہ لاکھ ندرت کا

تری ترکیب سے سارے بسائط یوں مرکب ہیں
کہ اُن سے جلوہ گر عالم میں سب اَجرام و کوکب ہیں

دکھائے تو نے ابراہیم کو کیا کیا مہ و اختر
کہیں ایمن میں چمکا نور تیرا صورت اخگر
کیا جلوے نے تیرے طور پر موسیٰ کو غش بکیر
شہادت کربلا والوں کی لکھی ہے سرِ محضر

شہیدِ ناز کتنے گوشِ ہم آواز ہیں کتنے
قتیلِ عشوۂ رنگین ادائے ناز ہیں کتنے

زمانہ سے سُنا میں نے زمیں تیری زماں تیرا
فلک تیرے ملک تیرے بشر تیرے جہاں تیرا
سمک سے تا سما اے صانع کون و مکاں تیرا
سریر عرش تیرا فرش تیرا لامکاں تیرا

اَبد سے تا ازل تو ہے ازل سے تا ابد تو ہے
خدایا سارے عالم میں اَحد تو ہے صمد تو ہی

زمیں کو تو نے مٹی سے بنایا واہ ری قدرت
کیا بوجھل پہاڑوں سے زمیں کو واہ ری حکمت
عطا کی تو نے آہن کو شکستِ سنگ کی طاقت
کیا لوہے کو پانی آگ سے اللہ ری صنعت

بجھایا آگ کو پانی سے کیا ترکیب تیری ہے
ہوا پانی پہ ہے مواج کیا ترتیب تیری ہے

زمیں پانی پہ ہے پانی زمیں پر تیری قدرت ہے
صدف پانی میں ہے اس میں گہر تیری یہ صنعت ہے
گہر کو آب دی تو نے تری صنعت کی قیمت ہے
ہوا بطنِ صدف میں قطرہ موتی تیری حکمت ہے

کسی جا فاسفورس شعلہ زن ہو ماہی تہ میں
کہیں ہے آگ پانی ہو رہا تیرے سمندر میں

سبب کا تو مسبّب اور ہے معلول کی علّت
مؤثر میں اثر ہے اور استدلال میں حجت
صفاتِ کاملہ سے تیرے ظاہر ہے تری قدرت
اسی فطرت سے سیکھی ہمنے عالم میں ہر اک صنعت

پھر اس پر بھی بہت سے سلسلے ایسے رہے باقی
کہ اُن پر دسترس اپنا نہیں کی لاکھ مشّاقی

جو دیکھا خاک کو تو اس میں پائے سیم و زر کیا کیا
جو ڈھونڈھا آب میں تو اُس کی نکلے ہیں گہر کیا کیا
جو سمجھے آگ کو تو صورتیں ہیں جلوہ گر کیا کیا
ہوا میں دیکھتے ہیں راز پنہاں کے اثر کیا کیا

الٰہی چار چیزیں اس قدر وسعت میں کامل ہیں
کہ سب دنیا ہے ان سے اور یہ ہم سب میں شامل ہیں

الٰہی فضل سے تیرے یہ انساں فخرِ عالم ہے
کہیں فغفور و قیصر ہے کہیں سلطانِ اعظم ہے
کہیں کاؤس و کیخسرو کہیں اسکندر و جم ہے
زمانہ میں عجب حکمت کا پتلا ابن آدم ہے

جہاں میں آدمی دیکھو تو اک چلتی ہوئی کل ہے
جہاں میں جو مفصّل دیکھتے ہو اس میں مجمل ہے

بنائے اس نے پشمینہ سے کیا شال و دوشالے ہیں
ہرن کی کھال کھنچوا کر بنائے مرگ چھالے ہیں
ہزاروں رنگ اسنے نقل قدرت سے نکالے ہیں
ہزاروں طرح کے معلوم اس کو اسحالے ہیں

ملایا ایک میں جب دوسرا ثانی ہوا پیدا
نئی صورت میں جاکر ذرّۂ فانی ہوا پیدا

الٰہی مفتخر تو نے کیا ہے سب کو مذہب سے
ملا ہر قوم کو مذہب جہاں میں بخشش رب سے
کبھی ہم بھی ترے بندوں میں تھے ممتاز تر سب سے
ہمیں تھے پاک دنیا میں الٰہی سب معائب سے

ہمارے نام سے عزّت ہوئی اورنگ و افسر کی
ہمارے وعظ سے زینت ہوئی محراب و منبر کی

اُٹھا کر آنکھ یورپ کو تو دیکھو بھائیو دم بھر
کہ سب عیسائی قومیں کسقدر نازاں ہیں مذہب پر

وہ سب سائنس کے بانی ہیں سب دنیا سے فائق تر مگر ہیں مذہبی انوار سب کے قلب میں مضمر

پروٹسٹنٹ و رومن کا تعلق سب اپنے مذہب کی

کریں اس درجہ خدمت یہ عنایت ان پہ ہے رب کی

مسلمانو تمھیں غفلت نے کھویا دین و دنیا سے یہ کیسی غفلتیں ہیں کیسی نیندیں جو نہیں اُٹھتے

غضب ہے گر نہ دیکھو عقل سے مذہب کو تم اپنے قیامت ہے جو مہدی کے بُلانیسے نہ تم چونکے

یہی مذہب تمہارا رہنمائے دین و دنیا ہے

اگر مذہب کو چھوڑا پھر نہ دنیا ہے نہ عقبےٰ ہے

سرہانے آپکے مارسین آئے ہیں جگانے کو کھڑے عیسیٰ ہیں مردہ قوم کے سر پہ جلانے کو

وہ آگے آپکے مہدی بھی ہیں رستہ بتانے کو مثنّٰی سید احمد کا سمجھ لو اس یگانے کو

ملے گا اشہرؔی اسلام سے رستہ ترقی کا

اگر مذہب نہیں تو نفع کیا تعلیم قومی کا

مولوی فضل حق آزاد عظیم آبادی

چودھواں سالانہ اجلاس منعقدہ رامپور ۱۹۰۰ء

کانفرنس کا چودھواں سالانہ اجلاس بمقام رامپور دسمبر ۱۹۰۰ء میں منعقد ہوا صدارت کے فرائض نواب عماد الملک بہادر مولوی سید حسین بلگرامی نے انجام دئے اس اجلاس کی دعوت مولوی عبد الغفور صاحب مدار المہام ریاست رامپور اور مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں (طبیب خاص رئیس رام پور) کی طرف سے موصول ہوئی تھی۔

کانفرنس کے اجلاس کے سلسلے میں رزیڈنسی کے پر فضا احاطے میں ایک شاندار کیمپ ترتیب دیا گیا مہمانوں کے قیام کا انتظام رزیڈنسی کی خوش نما دو منزلہ عمارت میں کیا گیا رمضان کا مہینہ تھا۔ سحر و افطار کے کھانے کا انتظام نہایت معقول طریقے پر ہوا جس کی نگرانی بہ نفس نفیس مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں کرتے تھے۔ اجلاس کے لئے ایک عالی شان درباری خیمہ تمام لوازمات آرائش کے ساتھ نصب تھا اسٹیج کی آرائش نہایت تزک واحتشام سے کی گئی تھی۔

نواب عماد الملک کا تعلق اودھ کے مشہور مردم خیز قصبۂ بلگرام سے تھا مدتوں یہ قصبہ اسلامی علوم وفنون اور ثقافت وتمدن کا مرکز رہا ہے نواب عماد الملک کے والد میر زین الدین حسنی صاحب گنج (ضلع گیا صوبہ بہار) میں ڈپٹی مجسٹریٹ تھے وہیں عماد الملک ۱۸۴۳ء میں پیدا ہوئے مکتب سے تعلیم کا آغاز ہوا ان کی ذہانت اور حافظہ اس بلا کا تھا کہ انھوں نے چودہ ۱۴ سال کی عمر میں عربی نصاب ختم کر لیا۔ اسکے بعد انگریزی تعلیم شروع ہوئی ۱۸۶۲ء میں انٹرنس کا امتحان اول درجہ میں پاس کیا۔ اور ۱۸۶۶ء میں بی۔ اے کی ڈگری لی۔

تعلیم سے فراغت حاصل کر کے شعبۂ تعلیم سے منسلک ہو گئے اور کیننگ کالج لکھنؤ میں عربی کے پروفیسر ہو گئے اسی زمانے میں انھوں نے "لکھنؤ ٹائمس" کی ادارت کے فرائض بھی انجام دئے اور اس میں نہایت کامیاب رہے۔

۱۸۷۳ء میں نواب عماد الملک، سر سالار جنگ وزیر اعظم حیدر آباد (دکن) کے پرائیویٹ سکریٹری ہو کر حیدر آباد پہنچے سفر یورپ میں سالار جنگ کے ہمرکاب رہے واپسی پر مختلف خدمات انجام دیں پھر اعلیٰ حضرت نظام دکن کے پرائیویٹ سکریٹری مقرر ہوئے اس کے بعد نظامت تعلیمات کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے۔

۱۹۰۷ء میں نواب عماد الملک وظیفہ یاب ہوئے ۱۹۰۹ء میں انڈیا کونسل (لندن) کے ممبر نامزد ہوئے دو سال تک اس منصب پر فائز رہے انھوں نے حیدر آباد کی تعلیمی، علمی، معاشرتی اور تمدنی تحریکات کی رہبری کے ساتھ ساتھ مسلمانان ہند کی ترقی اور بہبود کی عام تحریکوں میں بھی ہمیشہ دلچسپی لی اور ہر طرح معین و مددگار رہے۔

نواب عماد الملک دار المصنفین اعظم گڑھ کے شروع ہی سے سرپرست رہے۔ اسی طرح انھوں نے انجمن ترقی اردو کی اعانت و مدد اس کے روز قیام ہی سے کی۔ ترتیب و اشاعت کتب قدیم کا جو سررشتہ حیدر آباد دکن میں قائم ہوا اس کی کامیابی کا سہرا نواب عماد الملک کے ذمے تھا۔ اسی طرح علی گڑھ کالج میں کلیات خسرو کی اشاعت کا کام اور حیدر آباد دکن میں کتب خانۂ آصفیہ کا قیام ان کی عملی تحریک اور کوششوں سے عمل میں آیا۔

ان کا سب سے اہم قابل ذکر کام قرآن کریم کا ترجمہ ہے جو مولانا شبلی نعمانی کی تحریک سے شروع ہوا اور جس میں مولوی حمید الدین بی۔ اے ان کے ساتھ بطور مشیر شریک ترجمہ تھے افسوس کہ ترجمۂ مذکور تکمیل کو نہ پہنچ سکا اور نواب عماد الملک

کی خرابیٔ صحت کی وجہ سے سولہ سترہ سیپاروں پر پہنچ کر کام رُک گیا۔ ترجمہ مذکور کا مسودہ دار المصنفین اعظم گڑھ میں موجود ہے۔

نواب عماد الملک نے نہایت نیک نامی اور عزتِ نفس کے ساتھ زندگی بسر کی اور چوراسی سال کی عمر پاکر ۳ رجون ۱۹۲۶ء کو عالم جاودانی کی راہ لی اور سرزمین حیدرآباد میں مدفون ہوئے۔ امجد نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ لکھا جو لوحِ مزار پر کندہ ہے۔

قطعہ

بلگرامی مولوی سید حسن رحمت حق از لب امجد بگفت
رفت در ظلِ حسین ابن علی یا عماد الملک ادخل جنتی

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیشن پاس ہوئے

۱۔ مسلمان طلبہ کو قانونی تعلیم اور فن انجینئرنگ کی تحصیل کی ترغیب دی جائے

۲۔ مسلم طالبات کے لئے توسیع معلومات اور ترقی تہذیب کے لئے نصاب مرتب کیا جائے اور کتابیں لکھی جائیں۔

۳۔ مسلمانان ہندوستان کے مدارس میں انگلستان کے بورڈنگ سسٹم کا اجرا نہایت ضروری ہے۔

رام پور کے اجلاس میں مولوی فضل حق عظیم آبادی نے مندرجہ ذیل نظم پڑھی جس سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔

نظم مولوی فضل حق آزاد عظیم آبادی

علم سے بڑھ کے اولوالامر زمانے میں نہیں اسکے اک ہاتھ میں دنیا ہے اور اک ہاتھ میں دیں
اہتولے دیکھے اسی پہ ہے مرادوں کا مدار نام اسی سے ہے زمانہ میں اسی سے ہے نگیں

علم کو گلشن شاداب اگر کہئے فرض
عقل کہتی ہے گروہ علماء کو گل چیں

جس نے اس باغ میں رس چوس لیا کلیوں کا
اور پھر شہد بنایا وہ شکر سے شیریں

وہ گروہ حکماء ہے کہ خیالات اُن کے
فی المثل شانِ عسل میں سر و پا شہد آگیں

جس نے یہ شہد نچوڑا وہ گروہ عقلاء
افضل الطائفہ ہے در نظر رائے رزیں

تازہ تر عطر معانی سے مشام ان کے ہیں
انھیں زیبا ہے تبختر انھیں شایاں تمکیں

اس گلستاں میں صفیر شعراء و فصحاء
جیسے گلشن میں عنادل کے ترانے رنگیں

شکر ہی جمع ہیں اس مجمعِ جاں بخش میں آج
ایسے افراد نظیر ان کی نہ پاؤ گے کہیں

علماء و حکماء و عقلاء و فصحا
قوم کے رُوحِ رواں، قوم کے دل کی تسکیں

فرد اکمل کی طرح آنکھ اُٹھا کر دیکھو
شہ نشیں منزل مہتاب سے کچھ گھٹ کے نہیں

عالم آنکھوں میں ہے اس انجمن روشن کا
دیکھ لو چاند کے جو گرد ہجوم پروین

خیرہ ہے چشم بصیرت وہ سماں چھایا ہے
فرش پر عرش کا دھوکا ہے یہ کیا پایا ہے

للہ الحمد نظر آج وہ جلوہ آیا
جس سے موسیٰ کو سرِ طور تھا غش سا آیا

بخت بیدار ہوئے کھل گئیں آنکھیں اکبار
اوج پر آج نصیبوں کا ستارہ آیا

مرحبا دارِ ریاست ترے ہر کوچے میں
دھوم ہے قافلہ قومی رفقاء کا آیا

تو وہ ہے مبدءِ فیاض کہ آتے ہی یہاں
بن گیا مہر جہاں تاب جو ذرہ آیا

دانہ خرمن ہے اگر قطرہ ہے دریائے محیط
جزو میں صاف نظر کل کا تماشا آیا

دل میں لبیک کی اک دھوم مچا رکھی ہے
شوق کو ولولۂ حوصلہ فرسا آیا

جس سے اُمید ہے کچھ درد کے ٹل جانیکی
خوش ہوائے بخت کہ اب ہاتھ وہ نسخہ آیا

جہل کچھ کم نہیں طاعون کی بیماری سے
اس کورد کو تو وہ البتہ مسیحا آیا

جمع اس بزم میں ہیں آج وہ عیسیٰ انفاس
جن کے دامن سے لگا معجزۂ عیسےٰ آیا

رہبری کہتی ہے ایسے نہیں دیکھے رہبر — خضر رہبر کو نہ یوں راہ پہ لانا آیا
آمد آمد کی بڑی دھوم رہی پٹنے ہیں — خوش تھے احباب کہ اس سال تو آیا آیا
وہ بھی تقدیر کہ طاعون نے آنے نہ دیا — خیر! مشتاقِ لقا آپ یہ بندہ آیا

ہاں کہے چشم سخن گو وہ دعائیں دے لوں
نکلی پڑتی ہیں نگاہیں میں بلائیں لے لوں

اے خوشا کانفرنس اُمتہ اہل کمال — تجھ سے ہے صاف عیاں صورت قومی احوال
چودھواں سال لگا فضل الٰہی سے تجھے[1] — چاند ہے چودھویں کا تیری ترقی کا ہلال
گردشیں دور کریگی تری گردش اک دن — تو وہ سیارہ ہے اے مہرِ سپہرِ اقبال
دھاک چو کھونٹ بندھی ہی ترے خوش نامی کی — شش جہت میں ہے ضیا بار ترا جاہ و جلال
سکہ بٹھلا دیا اک غرب سے لے کرتا شرق — بچ رہا تجھ سے نہ پنجاب نہ چھوٹا بنگال
رامپور آج ترے جلوہ سے ہے بقعۂ نور — نور آنکھوں کا بڑھاتا ہے ترا حسن و جمال
کس نے آنکھیں نہ بچھائیں ترے جلوہ کے حضور — وہ مسلماں نہیں تیرا جو نہیں خیر سگال
پھر یہ کیا بات ہے اے جانِ جہانِ دانش — تو ابھی تک رزولیوشنس کی ہے بس ایک ٹکسال
کام ایسا کوئی کیوں تجھ سے نمایاں نہ ہوا — دور بیں بن کے دکھاتا جو ترا حسنِ مآل
قوم کا کام تو ہے قوم سے نکلے کیوں کر — تو ہی کچھ سوچ سمجھ اس کی کوئی راہ نکال
فیض نواب ہے یاروں کی بھری جیبیں ہیں — کچھ تو ہاتھ آئے گا ان جیبوں میں لا ہاتھ تو ڈال
لینے دے گی نہ تجھے چین تمنا تیری — خاک پھنوا کے رہیگا تجھے ایجوکیشن کا خیال
یہ لگی تو نے بجھائی تو خضر جانوں گا — تیری تلچھٹ بھی جو ہو قوم کے حق میں ہے زلال

وقت کہتا ہے یہ اب قول کے رکھوالوں کو
تیز کر دیں وہ کچھ اپنی بھی ذرا چالوں کو

---

[1] لیکن الحمد للہ کہ اس اجلاس میں عملی کارروائیاں شروع ہو گئیں اور امید ہے بہت جلد مفید ثابت ہوں۔

سعی کا ایک قدم سوچ کے سو سے بڑھ کر — لاکھ من علم پہ بھاری ہے عمل رتی بھر

سینکڑوں کوس میں کس کام کا چٹیل میداں — اس سے اچھا کئی انچوں میں تو آئینے کا گھر

تیز جھونکوں سے جو آتی ہیں کہیں اچھی ہے — غنچے چٹکاتی ہوئی نرم قدم باد سحر

خوش نما ڈھاک کے جنگل تو بہت ہوتے ہیں — قرۃ العین مگر ہے شجر بار آور

وقت پڑتا ہے تو کھلتی ہے حقیقت اسکی — خرمن علم سے اک جو ہے ہنر کا بہتر

ڈھاک کے پھول سے وقعت نہیں کچھ اسکی سوا — جبتک انساں میں نہیں سعی عمل کا جوہر

سعی سے سوچ حقیقت میں مقدم ہے مگر — حد سے بڑھ کر تو گلو سوز ہو قند اور شکر

قوم میں اب جو بہادر ہیں رہے یاد اُن کو — کند تلوار سے بہتر ہے لڑائی میں سپر

جس محل میں ہو رہِ فتح و ظفر یک سر بند — بچ بچا کر نکل آتا ہے وہاں فتح و ظفر

کام کی ایک بھلی دفتر بے معنی سے — جاگتا اس سے بھلا ایک کہ سوتا لشکر

خدمت قوم جسے کہتے ہیں ہے ٹیڑھی کھیر — نہ وہ ٹونا ہے نہ جادو نہ کوئی چھو منتر

سب فردِ تر ہیں یہاں دستِ عمل اونچا ہو — سو پیچوں میں یہاں جو ہے اک کیسۂ زر

منہ سے کہنا تو بہت اور نہ تھوڑا کرنا
کوئی کہدے کہ نہ کرنا یہ ہوا یا کرنا

سوچنا کچھ وہ نہیں ذہن میں جو بات آئی — ٹھن گئی ایسی کہ ٹھنی جس کی کمی ہے وہ ہی

سوچنا کچھ وہ نہیں آئے نظر کچھ جو مفاد — جھک پڑے یوں کہ ملی عقل کی گویا کنجی

سوچنا کچھ وہ نہیں مصلحتِ وقت سے دور — ایسی کہدے کوئی حامی نہ بھرے جسکی کبھی

سوچنا کچھ وہ نہیں وقت ضرورت انجام — کچھ نہ دیکھا مگر اک چبھتی ہوئی سی کہدی

سوچنا وہ کہ ہر اک سوچ کے پہلو سے درست — اور معقول براہین و دلائل سے قوی

سوچنا وہ کہ لگائے تو لگے دل میں اک آگ — سوچنا وہ کہ بجھائے تو بجھے دل کی لگی

مصلحت وقت ضرورت ۔ اثر امکاں انجام — سب لوازم سے مکمل اور زوائد سے بری

جو سمجھنا تھا اسے اہل صفا سمجھے خوب — اس سے اب بڑھ کے سمجھنے کو تو ہی ایک صدی

مرضِ جہل مشخص ہے مداوا تعلیم — اب جو کچھ فکر ہے وہ فکر مداوا طلبی
جمع کرلیں رزولیوشنس تو ہوا ایک کتاب — اور چلتا ہوا ایک آدھ ہو شاید کوئی

خوش خیالی یہ نہیں ذہن جہانتک پہنچے
بلکہ پہنچے یہ جہاں ہاتھ وہاں تک پہنچے

کیوں یہ رونا ہے کسی کی بھی نہیں سنتی قوم — ناسمجھ بھی ہو تو کیا ہوگی بھلا قوم کی قوم
قوم کے واسطے ہوتا ہو لہو پانی ایک — اور اس پر نہ کرے قوم کی ہمدردی قوم
قوم کا نام جب آئے تو قدم پیچھے ہوں — بھلا توں میں دکھا جائے جواں مردی قوم
اس طرح نام سے بیزار ہو یوں کھینچ لے ہاتھ — قوم کی ایک بھی نیت نہ کرے پوری قوم
وحشیوں میں ہو سمجھ قوم کی ہمدردی کی — یہ تو شہری ہے نہ جنگلی ہے نہ صحرائی قوم
کیا سبب ہے یہ سمجھ میں نہیں آتا مطلق — بد دماغ ایسی نہ اس طرح کی بیہودی قوم
یہ تامّل یہ تکلف تو یہی کہتا ہے — آپ ہے قوم کی جانب سے بھری بیٹھی قوم
فکر تالیف ہے ہر چند کہ اک مدت سے — آج تک قوم سے مالوف نہیں پیاری قوم
ایک ہی شکل تو ہے راہ پر آجانے کی — بہ رعایت حق اخوت جو کبھی سمجھی قوم
قوم کو قوم سمجھ لے جو کہیں قوم اپنی — دیکھنا پھیر یہی ہادی ہے یہی مہدی قوم
ورنہ جبتک یہ نہیں نقش ہیں یہ نقش برآب — لفظ مہمل ہے کہ رکھتی نہیں کچھ معنے قوم

ایک کا ایک سے دل قوم میں یا صاف نہیں
یا یہ ہے عقل و تحری نہیں انصاف نہیں

قوم کا کام نہ جب قوم سے حاشا نکلے — کیا طریقہ ہے کوئی دل کی تمنا نکلے
ہم سے اٹکے ہوئے کیا کام کسی کے نکلیں — اپنے ہاتھوں نہ کوئی کام جب اپنا نکلے
کام انسان کا انساں سے نہ نکلے صد حیف — پتیاں بن کی نچوڑو تو عصارا نکلے

لہ اس کا تماشہ تو بھرے مجمع نے کھلی آنکھوں دیکھا تشریح کی حاجت نہیں۔

گھر کرے قوم کے دل میں نہ کوئی کام کی بات
ڈال دو خاک میں دانہ تو شگوفہ نکلے

آگ دشمن ہے مگر آگ جو لینے جاؤ
ہاتھ پھیلائے ہوئے شوق سے شعلہ نکلے

قوم کے منہ میں زباں لے کے اگر مانگیں ہم
قوم کے منہ سے کوئی قول نہ وعدہ نکلے

چھوڑ دو حال پہ اپنے تو نتیجہ معلوم
کچھ بھی سمجھاؤ مگر انجام تو جھگڑا نکلے

جو سمجھنے کی نہیں اس میں بلا کا ملکہ
بات جو صاف سمجھ کی وہ معمّا نکلے

قوم کے نام پہ نکلے نہ گرہ سے دھیلا
اور یوں کھیل تماشے میں دوالا نکلے

چل چکا کام کہ جو ہے وہ یہی کہتا ہے
ہم چلائیں گے تو وہ کام جو چلتا نکلے

کام چلنا ہی تو ہے بالذات ہمیں پر موقوف
کام ہم آئیں گے جب کام نکلتا نکلے

قوم کی صورت اصلاح جو نکلے بھی کوئی
اپنی نظروں میں وہ اک کھیل تماشا نکلے

قوم میں عزتِ قومی کا یہاں نام نہیں
انتہا یہ ہے کہ خود قوم سے کچھ کام نہیں

کیوں نہیں قوم میں وہ دم نہیں وہ جان نہیں
اور ایمان کی یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں

زیست ہی درد سر اس درد نے گھیرا اس کو
ہائے جس درد کی دارو نہیں درمان نہیں

دردمند اس کے جو سو خضر و مسیحا بلوائیں
درد کہتا ہے کہ جانا مرا امکان نہیں

کونسا دکھ ہے نہیں جس کی زمانہ میں دوا
کچھ دوا اس کی نکل آئے یہ آسان نہیں

اسکی قدرت سے نہیں دور کہ قیوم وہ ہی
ظاہرا اس کا قرینہ نہیں سامان نہیں

قوم سے یاس بہر طرح ہے ہرچند کہ یاس
مومنو کو کبھی زیبا نہیں شایان نہیں

یہی کیا کم ہے عنایت کہ نہ ہو ناکامی
کامیابی کا تو بھولے سے یہاں دھیان نہیں

پر توفیض سے ذرہ نہیں بے فیض یہاں
اس کی قسمت میں جز از حسرت و حرمان نہیں

ہائے اسلام کہ اب اسکی ہے مٹی برباد
جس میں ہو کچھ بھی حمیت وہ مسلمان نہیں

جہل کا زور یہ ہے دیکھیں اگر حال اپنا
ہم سے بدحال بہائم نہیں حیوان نہیں

اس مرض کی ہو دوا بھی تو ہے کیا اسکا علاج — اس طرف آپ ہی بیمار کو میلان نہیں
حوصلے وہ کہ بڑے سے بھی بڑے پاتے ہیں — ضعف وہ جس کی کوئی حد نہیں پایاں نہیں

عقلا دنگ ہیں کچھ عقل نہیں لڑتی ہے
جو دوا دیجئے اس کو وہ قوی پڑتی ہے

اب تو اللہ کے ہے ہاتھ میں حرمت اسکی — کچھ بھی باقی نہ رہ حشمت ہے نہ شوکت اسکی
چھائی چار طرف نکبت و افلاس کی ہے — خواب ہی خواب ہے وہ دولت و ثروت اسکی
یک بیک گردش ایام نے کایا پلٹا — نہ وہ سیرت ہی رہی ہے نہ وہ صورت اسکی
سب کے منہ میں ہے زباں آج جو چاہیں کہہ لیں — حکمت اس کی تھی کبھی اور حکومت اس کی
اب وہ گمراہ سے گمراہ ہے دنیا میں — سند تھی کبھی دنیا میں ہدایت اس کی
جبتک اس دہر میں ہیں علم و ہنر کے آثار — ثبت ہے صفحۂ گیتی پہ کرامت اس کی
وہ رہے یا نہ رہے یاد رہے گی بے شک — کبھی بھولے گا زمانہ نہ حکایت اس کی
دفعتہً دولت و اقبال نے منہ موڑ لیا — ساتھ اک رہ گئی پھوٹی ہوئی قسمت اسکی
اب یہ ہے حال کہ اوروں کا تو کیا ذکر یہاں — اپنی ہی آنکھوں میں باقی نہیں وقعت اسکی
یوں ہی ہونا تھا سو یوں ہی رہے گا ہوتا — کیا شکایت ہے بہرحال عنایت اسکی
سایہ میں پھر بھی اک آزاد حکومت کے ہیں ہم — شامل حال ہے ہر حال میں رحمت اسکی
نہ رہا کچھ نہ رہا خیر رہا یا نہ رہا — نہ گئی پر نہ گئی شانِ شرافت اس کی

گو کہ پستی میں ہے عالی نظری ہے وہ ہی
خاک میں مل کے بھی والا گہری ہے وہی

فقر میں اس کو غنا اب بھی وہی ہے کہ جو تھا — جادۂ صبر و رضا اب بھی وہی ہے کہ جو تھا
ذکر حق صیقل آئینۂ دل ہے وہ ہی — جوہر صدق و صفا اب بھی وہی ہے کہ جو تھا
نور بخشِ منظر انوار تجلّی کا خمود — رات دن صبح و مسا اب بھی وہی ہے کہ جو تھا
مست کیے دیتی ہے توحید کے متوالوں کی — بادۂ ہوش ربا اب بھی وہی ہے کہ جو تھا

باغ اسلام کی ابتک وہی شادابی ہے — اسکے ہر پھول میں مزا اب بھی وہی ہے کہ جو تھا
حشر تک وعدۂ دیدار یہ ہے آنکھ لگی — شعلہ زن شوقِ لقا اب بھی وہی ہے کہ جو تھا
جزر و مد کس میں نہیں ڈوب کے دیکھے کوئی — عالم خوف و رجا اب بھی وہی ہے کہ جو تھا
پھر بھلی ہو کے بُری کیوں ہوئی یہ دنیا میں — کہ بھلا اور بُرا اب بھی وہی ہے کہ جو تھا
علم دنیا کی کمی سے یہ کمی ہے ساری — علم دیں اے رفقا اب بھی وہی ہے کہ جو تھا
اس طرف آئی تو دکھلا کے رہے گی جوہر — اس میں جوہر یہ چھپا اب بھی وہی ہے کہ جو تھا

کچھ جو امید ہے قائم وہ اسی بات سے ہے
ورنہ اک یاس قوی قوم کے حالات سے ہے

ایسی حالت میں جو اتنا بھی ہوا کم نہ ہوا — عید کا چاند ہمیں ماہ محرم نہ ہوا
اصل مقصد تو بہت دور رہے کیا کم ہے یہی — جزو مقصد کا تعلق نہ ہوا غم نہ ہوا
بزم جمشید سے بڑھ کر نہ ہوا اس کا اجلاس — یہی کیا کم ہے خوشی حلقۂ ماتم نہ ہوا
نہ ہوا آب حیات اس کے قدح کا جرعہ — نہ سہی زہر ہلاہل نہ ہوا سم نہ ہوا
سلسلہ جب سے ہوا قوم میں اس کا قائم — شکر اللہ کا اب تک تو وہ برہم نہ ہوا
سال سال اس کو ترقی ہی رہی اور رہے — غلغلہ اس کا جو اُٹھا تو وہ پھر کم نہ ہوا
بعض نے اس کی اگر قدر نہ کی کیا پروا — دانۂ گوہر غلطاں کبھی شبنم نہ ہوا
لائق عفو و بجل ہے غلطی آرار کی — غلطی جس سے نہ ہو کچھ تو وہ آدم نہ ہوا
اُن کو شاباش جنھیں اس کا خیال ہمیں — ایسا آیا کہ جدا دل سے کوئی دم نہ ہوا
نہ ہوا پر نہ ہوا سجدہ گہ اہل نیاز — جب تلک گوشۂ محراب یہاں خم نہ ہوا
اک زمانہ ابھی اس ساز کا ہی سُر ملتے — کھیل لڑکوں کا ہوا قوم کا سرگم نہ ہوا
ہم تو جانیں گے جبھی تجھ کو سن لے کانفرنس — تو نے چھیڑا ہے جو سُر وہ کبھی مدھم نہ ہوا

حق یہ ہے قوم کی اصلاح کی صورت ہے یہی
سُر ملاتے تو ہیں آزاد غنیمت ہے یہی

خوب پہنچے جو خرد مند یہاں تک پہونچے
بارک اللہ درِ خلد و جناں تک پہنچے

حسن وہ حسن کہ آنکھوں میں کھبے دل میں چبھے
لطف وہ لطف کہ جو جسم سے جاں تک پہنچے

للہ الحمد کہ قسمت نے وہاں پہنچایا
کہ جہاں عید منانے رمضاں[1] تک پہنچے

ہاتھ رکھتے ہیں عبث وقت اذاں کانوں پر
شور ناقوس کہاں بانگ اذاں تک پہنچے

پھول جھڑتے ہیں مقرر کے دہن سے گویا
بن گئے پھول جو الفاظ زباں تک پہنچے

ایک خوبی ہو تو انسان کرے غور اُس پر
بات مشکل ہے یہاں حسن بیاں تک پہنچے

اے وطن تجھ سے بہت دور پڑے سیکڑوں کوس
ہم وہاں ہیں نہ جہاں وہم و گماں تک پہنچے

دیدنی ہے کشش کانفرنس اس پر بھی
قوم کے خرد و کلاں پیر و جواں تک پہنچے

سرد[2] ہو جائے جو سرحد میں قدم رکھے کفر
ہو جہنم ابھی جنت جو یہاں تک پہنچے

دَور جب تک ہے رواں گنبد دولابی کا
اوج رفعت پہ ستارا رہے نوابی کا

---

[1] اس طرف اشارہ ہے کہ اکثر ڈیلی گیٹ روزہ خور تھے تو دن کے کھانے کا سامان بھی ان کے لئے تھا۔
[2] رامپور کی سردی کی طرف اشارہ ہے۔

مولانا ظفر علی خاں، مولانا حالی

پندرھواں سالانہ اجلاس منعقدہ مدراس ۱۹۰۱ء

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا پندرھواں سالانہ اجلاس ۱۹۰۱ء میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی کارروائی، مدراس ہائی کورٹ کے جج آنریبل جسٹس باڈم کی زیر صدارت عمل میں آئی۔

یہ پہلا موقع تھا کہ کانفرنس کا اجلاس جنوبی ہند جیسے دُور دراز علاقہ میں منعقد ہوا۔ اور اس کی صدارت ایک انگریز نے کی۔ اجلاس کے انتظام کے لئے مقامی مقتدر اصحاب کی کمیٹی بنائی گئی جس کے جنرل سکرٹری حاجی عبدالہادی بادشاہ تھے کانفرنس کے ایک اجلاس میں صوبہ کے گورنر لارڈ ایمپتھل نے بھی شرکت کی۔ اور مسلمانان مدراس کی تعلیمی ترقی اور ان کوششوں سے جو اس سلسلے میں کانفرنس کر رہی تھی اپنی گہری دلچسپی کا اظہار کیا، انھوں نے اپنی تقریر میں یقین دلایا کہ مسلمانان مدراس کی جائز کوششوں اور معقول معروضات پر جن کی تشریح نواب محسن الملک نے کی ہے، ان کی نیز گورنمنٹ کی ہمدردی ہمیشہ شامل حال رہے گی۔

جسٹس باڈم کا تعلق بلحاظ ملازمت مدراس پریسیڈنسی سے رہا۔ انھوں نے مسلمانان مدراس کی تعلیمی اور معاشرتی پسماندگی کے پیش نظر ان کی ذہنی اور تعلیمی ترقی کے لئے حتیٰ المقدور کوشش کی اور ہر طرح ان کی اخلاقی امداد کی وہ انجمن مفید اسلام مدراس کے پریسیڈنٹ رہے۔ انجمن مذکور کے قیام اور جسٹس موصوف کی سرپرستی اور ہمدردی سے مسلمانان مدراس کی تعلیمی ترقی میں بڑی مدد ملی۔ وہ مسلمانان مدراس کے انڈسٹریل اسکول کے بھی پریسیڈنٹ تھے۔

خطبہ صدارت کے دوران باڈم صاحب نے فرمایا کہ:۔

"مصلحین قوم کی یہ اصولی رائے ہے کہ ہندوستان میں آج کل جو تعلیم دی جارہی ہے وہ مسلمانوں کی ضروریات کو کافی نہیں۔ کوئی تعلیم جو مذہب پر مبنی نہ ہو کامل نہیں ہوسکتی کیونکہ جس تعلیم سے آدمی کا رویہ درست نہیں ہوسکتا وہ کامل اور سودمند نہیں ہوتی۔ دنیوی تعلیم جو مذہبی تعلیم پر مشتمل نہ ہو وہ محض ایک تادیبی انتظام ہے۔ اور جسمانی اور دماغی قوتوں کو بڑھانے اور ان کو راستی پر لانے کے لئے موزوں ہے تاکہ اتفاقاتِ زمانہ سے انسان جس کام میں لگے اس میں وہ قوتیں اس کے کام آئیں۔ تعلیم اپنے پورے معنی میں اس سے کہیں بڑھ کر ہے کیونکہ آدمی کیسا ہی لائق اور ہوشیار ہو جب تک اس کی لیاقتیں درست طور پر کام میں نہ لائی جائیں وہ اپنے آپ کو اور قوم کو نفع پہنچانے کے عوض محل خطر ہوتا ہے۔

اہل اسلام ابتدائی مذہبی تعلیم کو زیادہ ضروری اور معتبر جانتے ہیں اور ان کا یہ خیال صحیح بھی ہے۔ اس تعلیم کی غرض یہ ہونی چاہیئے کہ اعلیٰ خیالات اور نیک عادات جو اچھی زندگی کے لئے شرط اول ہیں سکھائی جائیں۔

اس میں ذرا شک نہیں کہ لڑکوں کی ابتدائی مذہبی ترتیب پر زور دینے سے یہ غرض ہے کہ ان کے دلوں کو جو عالم طفولیت میں زیادہ اثر پذیر ہوتے ہیں پاک، نیک اور اعلیٰ خیالات سے مملو کیا جائے۔ اور اس اصول پر ایک مفید اور کارآمد تعلیم کی بنیاد قائم کی جائے۔ اس سے بہتر کوئی بات نہیں مگر تعلیم کا سلسلہ اسی پر ختم نہیں ہونا چاہیئے۔

"اگر خفگی کا باعث نہ ہو تو میں کہوں گا کہ کم سن بچے کو پاکیزگی، سچائی اور درست فہمی سیکھنے کے لئے ماں کی آغوش سے بہتر کوئی مقام نہیں۔ تمام

بتدائی اور عمدہ خواہشات ماں سے حاصل کرنی چاہئیں۔ کوئی قوم بڑی نہیں ہوسکتی جب تک وہ اپنی اولاد کی عزت وقدر نہ کرے اور عورتیں اپنے شوہروں کے مقاصد و اغراض کو نہ سمجھیں اور اُن میں حصہ نہ لیں۔ اس کے لئے میری نظر میں یہ نہایت ضروری امر ہے کہ کانفرنس میں لڑکیوں کی تعلیم پر پہلے توجہ دی جائے۔ ہر قوم کی لائف اور ہر شخص کی حیات اور تعلیم میں اُناث کے آئین اور انکی پوزیشن کا بڑا اثر ہوتا ہے آپ کی لڑکیوں کی تعلیم تشفی بخش حالت میں ہے یا نہیں اس پر غور کرنا آپ کا کام ہے۔

میں جانتا ہوں کہ یہاں کے مسلمان بے حد غریب ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے موقع کو ہاتھ سے کھو دیا۔ اگر آپ پورے طور سے ڈوب جانا نہیں چاہتے ہیں تو نہایت ضرور ہے کہ اپنی اولاد کے لئے کچھ کریں تاکہ وہ ان فوائد کو جو آپ نے کھو دیئے ہیں حاصل کریں۔ کیا آپ اپنی رسوم میں خرچ کرنے کے لئے غریب نہیں؛ اور اس خرچ سے آپ کو یا آپ کی اولاد کو کیا نفع ہے؟ ایک روز کی ناموری اور نمائش کے لئے اپنے سرمایہ کو ضائع نہ کیجئے۔ اگر آپ کی رسوم ضروری ہوں تو ان کو باقی رکھیئے ورنہ وہ خرچ گھٹا دیجئے۔ اور اس روپیہ کو اپنی اولاد کی تعلیم و ترقی میں خرچ کیجئے۔ کوئی انتظام کر کے ایک تعلیمی فنڈ قائم کیجئے جس میں ہر شخص بقدر استطاعت مدد کرے چاہے وہ کتنی ہی کم ہو ضروری ہے کہ آپ کے مالدار لوگ اپنے غریب بھائیوں کی کشادہ دلی سے امداد کریں۔ یہاں نہ سرسید احمد خاں ہیں نہ ایسے ارکین موجود ہیں جو ایک علی گڈھ ثانی جنوبی ہند میں قائم کردیں۔ یہ کام خود آپ کو کرنا چاہیئے۔ اور وہ اسی وقت ہوگا جبکہ آپ اپنے اُوپر مشقت جھیلیں۔ اگر آپ اب پیچھے ہٹے تو یہ موقع ابدالآباد تک کے لئے آپ کے ہاتھ سے نکل جائے گا“

اس اجلاس میں جو ریزولیوشن پاس ہوئے ان میں سے مندرجہ ذیل خاص طور سے قابل ذکر ہیں ۔

(۱) مدراس گورنمنٹ سے استدعا کی گئی کہ سرکاری امتحانات سررشتہ میں اُردو زبان کو بطور سرکاری زبان کے منظور کیا جائے ۔

(۲) تعلیم یافتہ اور روشن ضمیر مسلمان تباہ کن رسوم اور تمدنی عادات کی اصلاح کی کوشش کریں

(۳) جن مقامات پر مسلمانوں کی تعداد کافی ہے وہاں سرکاری اور میونسپل کالجوں اور اسکولوں میں اُردو اور عربی تعلیم کی منتخب زبانوں کا انتظام کیا جائے ۔

(۴) مدراس کے سرکاری اور میونسپل بورڈ کے مدارس میں مذہبی تعلیم کا انتظام کیا جائے

(۵) مسلمانوں کے امدادی مدارس میں قرآن شریف اور ابتدائی مذہبی تعلیم لازمی قرار دی جائے ۔

(۶) پنجاب یونیورسٹی کی مقرر کردہ کتب اُردو احاطہ مدراس کے اسکولوں میں داخل کرنی چاہئیں ۔

(۷) مدراس میں مسلم طالبات کے لئے ایک جدید مدرسہ قائم کیا جائے ۔

اس اجلاس میں مولوی ظفر علی خاں بی ۔ اے نے ایک پُرجوش نظم سنائی ۔

نظم مولوی ظفر علی خاں بی اے

کیوں نہ ہو آج کی محفل کا نرالا انداز

اس کا ساماں ہے نیا شوق ہے اس کا پرواز

اس کے ہاتھوں پہ حنا بند ہے اس جوش کا رنگ
جس سے اسلام کا عالم میں ہوا تھا آغاز

قالبِ علم میں اس بزم نے پھونکی ہے وہ روح
جس پہ دہلی کو تھا فخر اور تھا بغداد کو ناز

ان کمالات و فضائل کے یہاں چرچے ہیں
اندلس کے جو کسی وقت میں تھے چہرہ طراز

جلوہ آرا وہ حقیقت ہے یہاں آج کے دن
دے گیا جس کی خبر عہد گزشتہ کا مجاز

شکر صد شکر کہ ہم خواب گراں سے جاگے
للہ الحمد ترقی کا کھلا ہم پر راز

گئے وہ دن کہ تھے ہم مستِ شرابِ غفلت
گئے وہ دن کہ جہالت تھی ہماری دمساز

گزرا وہ عہد کہ تھے پردہ درا پنے اوہام
گیا وہ دور کہ ادبار تھا اپنا غماز

بختِ خوابیدہ نے اسلامیوں کے کروٹ بدلی
آئی ناگاہ علی گڈھ کی طرف سے آواز

جاگ اے قوم حزیں نیند یہ آخر کب تک
محوِ آرام ہے تو غیر ہیں صرف تگ و تاز

ایک وہ دن تھا کہ شیوہ تھا ترا ناز و غرور
ایک وہ دن ہے کہ آئیں ہے ترا عجز و نیاز

کل تو شہباز تھی اور دوسری قومیں عصفور
آج عصفور ہے تو دوسری قومیں شہباز

گر حکومت ترے ہاتھوں میں نہیں ہے نہ سہی
نہیں زنہار کسی کی یہ عمر و بن طناز
دولت حکمت و دینداری و ہمت لیکن
چھین سکتا نہیں تجھ سے فلکِ عربدہ باز
تھا عجب طرح کا پنہاں اثر ان باتوں میں
اس صدا سے مترشح تھا عجب سوز و گداز
سنتے ہی درد ہر اک شخص کے دل میں اُٹھا
اور بشکستہ پروں کو ہوا شوقِ پرواز
ہم پہ ہیں سید مرحوم کے بے حد احساں
جس کا ممکن نہیں انجام یہ ہے وہ آغاز
کس طرح شکر ادا اس کی عنایات کا ہو
وقت ہے مختصر اور اپنی حکایت ہے دراز
اُس کی تقریر ہوئی غازۂ رخسارِ سحر
اُس کی تحریر بنی سرمۂ چشمِ اعجاز
اس نے سمجھایا ہمیں کسب فضائل کا لزوم
اُس نے جتلایا ہمیں درکِ معارف کا جواز
اس نے ثابت کیا ہم پر کہ بغیر از تعلیم
نہ کبھی ہند میں ہوگا ہمیں حاصل اعزاز
یہ اُسی شخص کا صدقہ ہے کہ اب ہم کچھ کچھ
ہیں سمجھنے لگے دنیا کا نشیب اور فراز
یہ اُسی شخص کی کوشش کا اثر ہے کہ یہاں
آج یہ بزم مرتب ہے بدیں زینت و ساز

اے خوشا بخت کہ مدراس میں اسلام پہ آج

پرچم فضل و ہنر مروحہ جنباں ہے بہ ناز

غلغلہ آج ہے برپا اسی اُخوت کا یہاں

تھا کبھی جس کے لئے شہرۂ آفاق حجاز

ایسے عالم میں نہ بے جا ہو بہ آہنگِ دُعا

اگر اس طرح میں بے ساختہ ہوں نغمہ طراز

اے خدائے دو جہاں کاشف اَسرارِ غیوب

جس سے مخفی نہیں انسان کے دل کا کوئی راز

قوت اگلی سی عطا کر تو مسلمانوں کو

اور کر بار دگر ان پہ درِ حکمت باز

علم آئینہ اگر ہو تو سکندر ہم ہوں

ہوں مسلمان جو محمود تو ہو علم ایاز

خواجہ غلام الثقلین نے مولانا حالی کا مندرجہ ذیل قطعہ پڑھا

حالی سے کہا ہم نے کہ ہے اس کا سبب کیا
جب کرتے ہو تم کرتے ہو مُسرف کی مذمت

لیکن بخلاف آپ کے سب اگلے سخنور
جب کرتے تھے کرتے تھے بخیلوں کو ملامت

اسراف بھی مذموم ہے، پر بخل سے کمتر
ہے جس سے کہ انسان کو بالطبع عداوت

حالی نے کہا رو کے نہ پوچھو سبب اسکا
یاروں کے لئے ہے یہ بیاں موجبِ رقت

کرتے تھے بخیلوں کو ملامت سلف اس وقت
جب قوم میں افراط سے تھی دولت و ثروت

وہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تونگر
پھر اس میں نہیں بخل سے بدتر کوئی خصلت

اور اب کہ نہ دولت ہے، نہ ثروت ہے، نہ اقبال
گھر گھر پہ ہے چھایا ہوا افلاس و فلاکت

ترغیب سخاوت کی ہے اب قوم کو ایسی
پرواز کی ہے چیونٹیوں کو جیسے ہدایت

مولوی امجد علی اشہری، مولانا حالی، عبداللہ مشتاق، مولوی عبدالصمد کشمیری

سولہواں سالانہ اجلاس منعقدہ دہلی ۱۹۰۲ء

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سولھواں اجلاس زیرِ صدارت ہز ہائنس سر آغا خان بمقام دہلی ۱۹۰۲ء میں منعقد ہوا۔ یہ اجلاس موقع کی اہمیت اور ظاہری شان و شکوہ کے لحاظ سے کانفرنس کی تاریخ میں انتہائی اہم اور نہایت شاندار تھا۔ اس کا انعقاد کارونیشن دربار کے موقع پر ہوا تھا جس کی وجہ سے اس اجلاس میں یورپین طبقہ کے ارکان اور ممبران حکومت نے بھی شرکت کی۔ اس اجلاس کی مختلف نشستوں میں سر مائیکل ہیکس بیچ وزیر خزانہ انگلستان، لارڈ ہمیبروک ممبر پارلیمنٹ، ہز اکسلنسی لارڈ کچنر کمانڈر انچیف افواج ہند، ہز اکسلنسی گورنران بمبئی و مدراس، لفٹننٹ گورنران ممالک متحدہ آگرہ و اودھ و پنجاب وغیرہ کی شرکت قابلِ ذکر ہے۔

اس تاریخی موقع پر دہلی میں اجلاس منعقد کرنے کی دعوت حاذق الملک حکیم محمد اجمل خاں رئیس دہلی اور شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب کی وساطت سے اہل دہلی کی جانب سے موصول ہوئی تھی۔ انتظامات کانفرنس کے لئے ایک کمیٹی ترتیب دی گئی جس کے صدر حاذق الملک ثانی حکیم محمد واصل خاں اور سکرٹری خان بہادر الٰہی بخش قرار پائے۔

کانفرنس کیمپ، عربک اسکول اور اس کی ملحقہ اراضی میں قائم کیا گیا۔ کارکنان جماعت کی متحدہ کوششوں سے چند مہینوں میں یہ غیر آباد حصہ زمین ایک خوش نما آبادی بن گیا جس میں خوبصورت اور مزین خیمے نصب کئے گئے تھے۔ مصنوعی چمن اور پھولدار پودوں کی ترتیب، کیاریوں کو سبزے اور چھوٹی چھوٹی روشوں

اور سڑکوں کے پیچ و خم نے صحن گلستاں کی کیفیت اور بہار پیدا کر دی تھی۔ اجلاس کے لئے میدان میں وسیع اور خوبصورت ہال تیار کیا گیا تھا جس کے ہر دو جانب گیلریاں اور برآمدے بنائے گئے تھے۔ کانفرنس کا اجلاس مسلسل چھ دن تک جاری رہا اس اجلاس میں شرکت کرنیوالے ممبروں کی تعداد ۱۰۳۶ اور روزیٹروں کی تعداد ۱۳۰ تھی۔ مسلم یونیورسٹی کے قیام کے متعلق جو مباحثہ کانفرنس میں ہوا اس کا قوم اور حکومت پر خاصا اثر ہوا۔

ہز ہائنس سر سلطان محمد شاہ آغا خاں (سوم) کے بزرگ مصر سے ترک سکونت کرکے ایران آئے کچھ عرصہ بعد سیاسی پیچیدگیوں کے باعث ان کے دادا حسن علی شاہ آغا خاں کو ایران چھوڑ کر ہندوستان کی سکونت اختیار کرنی پڑی۔ جنگ افغانستان اور سندھ میں جنرل نیپیر کی سرکردگی میں حکومت برطانیہ کی نمایاں جنگی خدمات انجام دیں اور بصلۂ حسن خدمات معقول وظیفہ اور ہز ہائنس کا خطاب سرکار انگلشیہ سے عطا ہوا۔

آغا حسن علی شاہ کی وفات (۱۸۸۱ء) کے بعد انکے سب سے بڑے بیٹے ہز ہائنس آغا علی شاہ جانشین قرار پائے مگر ان کی عمر نے وفا نہ کی چار سال تک جانشینی کے فرائض ادا کرنیکے بعد انھوں نے ۱۸۸۵ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کی وفات کے بعد ہز ہائنس سر سلطان محمد شاہ آغا خان ۱۸۸۵ء میں اُن کے جانشین ہوئے۔ باپ کے مرنے کے بعد وہ کم سنی میں اسماعیلیہ فرقہ کے پیشوا کی حیثیت سے مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔

آغا خان ۲۵ رشوال ۱۲۹۴ھ (۲ رنومبر ۱۸۷۷ء) کو کراچی میں پیدا ہوئے ان کی تربیت ان کی شفیق اور صاحب تدبیر ماں کی آغوش میں ہوئی۔ انھوں نے عربی فارسی اور انگریزی علوم میں اعلیٰ قابلیت حاصل کرنے کے علاوہ مردانہ کھیلوں

نشانے بازی، گھوڑے کی سواری اور ورزش جسمانی پر بھی کافی توجہ دی۔

ہز ہائی نس نہ صرف فرقہ اسماعیلیہ کے مذہبی پیشوا اور سردار تھے بلکہ ہندوستان کے مسلمان عام طور پر ان کو سوشل، پولٹیکل اور تعلیمی تحریکات میں اپنا لیڈر مانتے تھے۔ ۱۹۰۶ء میں لارڈ منٹو سے مسلمانوں کے لئے جداگانہ حق نیابت تسلیم کرانے میں ان کی کوششوں کو خاص دخل تھا۔

مسلم یونیورسٹی کے قیام کے لئے انھوں نے خود ایک لاکھ روپیہ کا گرانقدر عطیہ دیا اور انکی نیز مولانا شوکت علی کی کوشش سے قوم نے یونیورسٹی کے قیام کیلئے تیس لاکھ روپیہ جمع کر دیا۔ دیگر مواقع پر بھی انھوں نے علی گڑھ کالج کی اعانت اور مسلم لیگ کی سرپرستی سے پہلو تہی نہیں کی۔

اس اجلاس کی صدارت کے علاوہ انھوں نے ۱۹۱۱ء کے اجلاس کانفرنس کی صدارت بھی فرمائی جو دہلی ہی میں منعقد ہوا تھا

وہ ایک مدت تک مسلم لیگ کے صدر رہے انھوں نے سنہ ۳۱ - ۱۹۳۰ء میں مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے گول میز کانفرنس میں شرکت کی ۱۹۳۴ء میں برطانیہ کی پریوی کونسل میں لے گئے ۱۹۳۷ء میں جمعیتہ الاقوام کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۱ر جولائی ۱۹۵۷ء کو جینوا میں انتقال ہوا اور اسوان میں دفن کئے گئے۔

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیشن پاس ہوئے۔

۱۔ ہر یونیورسٹی میں قانون کی کلاسیں جاری کی جائیں اور قانونی تعلیم کے لئے ایک سینٹرل اسکول قائم کیا جائے۔

۲۔ کانفرنس اپنے دائرہ عمل کو سندھ تک وسیع کرے تاکہ سندھ کے مسلمانوں کے ساتھ اشتراک عمل ہو سکے اور وہاں کی تعلیمی حالت کی ترقی و اصلاح کی کوشش کی جائے۔

۳۔ پنجاب کے طلبہ کی معافی فیس کے لئے گورنمنٹ کو توجہ دلائی جائے

۴۔ شبینہ مدارس قائم کئے جائیں۔

۵۔ قومی یونیورسٹی کے قیام کے لئے صوبہ وار کمیٹیاں قائم کی جائیں۔

اس اجلاس میں مولوی امجد علی اشہری، خواجہ الطاف حسین حالی، منشی محمد عبداللہ مشتاق ٹھیکیدار اور مولوی عبدالصمد کشمیری نے مندرجہ ذیل معرکہ آرا نظمیں پڑھیں

نظم مولوی امجد علی اشہری

رباعی

اک ابر علی گڈھ پہ نمودار ہوا
صد شکر وہ دُر ریز و گہربار ہوا
یہ جلسۂ قوم پہلے اجلاس بنا
اجلاس کے بعد اب یہ دربار ہوا

قطعہ

قوم کا کیا پوچھنا پھر زخم دل خنداں ہوئے
پھر بہاریں آگئیں پھر پھول زرافشاں ہوئے

ہم صفیرو کیوں نہ دو اُردو میں دادِ پہلوی
صدر آرا جب تمہارے شاہ آغا خاں ہوئے

آنکھ سے آنسو جو دلی میں ہیں نکلے قوم کے
بمبئی پہنچے تو سمجھو گوہر غلطاں ہوئے

عطر مہندی کا ملا ہے پھر شمیم ناز سے
پھر دماغ اپنے بسے پھر خوگر ریحاں ہوئے

خرچ کرنے کو تمہارے زر بکف گلشن ہوا
مٹھیاں غنچوں نے کھولیں پھول زرافشاں ہوئے

شربت دینار اجمل خاں کا کچھ پایا مفید
ورنہ تیرے ناتوانِ غم کے سو درماں ہوئے

قوم کے جلسے ہوئے لیکن رہا اس کا قلق
آج دلی میں نہ بس اک سید احمد خاں ہوئے

ترجیع بند

مسلمانو! ہیں عیدیں چار اس سال
بحمد اللہ کہ پھر دل ہے خوش حال

ہے پہلی عید اپنی عید قومی
جو ہے دیباچۂ آغاز شوال

بڑا دن پیش خیمہ ہے خوشی کا
شروع جنوری عنوانِ اقبال

ہے جو دربار قومی تیسری عید
عروج قوم کو ہے نیک تر فال

ہے چوتھی عید ان سب سے نرالی
جواں بخت و جواں دولت جواں سال

کہ ہے اس روز جشنِ تاج پوشی
مسرت سے ہیں جسکی دوست خوشحال

حضور ایڈورڈ ہفتم نے پہنا
جو ہے ہندوستاں کا تاج اقبال

مبارک ہو مبارک ہو مبارک
یہ عیدیں اور یہ دربار اجلال

اثر ہر دل میں پاتے ہیں خوشی کا
اگر غم ہے تو ہم کو مفلسی کا

زمانہ میں ہم ہی شاہ جہاں تھے
ہم ہی کل مالکِ ہندوستاں تھے

ہم ہی اکبر ہم ہی تھے شاہ عالم
ہمارے نام کے سکے رواں تھے

ہم ہی شعر و سخن کے تھے شناسا
ہم ہی علم و ہنر کے قدرداں تھے

ہم ہی نقاش طغرائے خرد تھے
ہم ہی صناع نقش ایں و آں تھے

تجارت کو ہم ہی جاتے تھے ہرسو
رواں ہر سو ہمارے کارواں تھے

ہم ہی سے گرم تھا دربار اکبر
ہم ہی ہم مجلس شاہ جہاں تھے

ادیب نکتہ داں دنیا میں ہم تھے — طبیب دردِ قلب ناتواں تھے
ہمارے باغ تھے گل زارِ جنت — ہمارے دشت باغِ بے خزاں تھے

مگر افسوس جب پلٹا زمانہ
تو اب تاریخ اپنی ہے فسانہ

ادب پر ہے ہمارے کیا مصیبت — ہے فنِ شعر کی کیا پست حالت
ادب گاہِ سخن سونی پڑی ہے — نہیں محسوس ہوتی کچھ ضرورت
ہیں اس کے تین موضوعِ حقیقی — خدا و بادشاہ و حسنِ صورت
ہیں شاعر معنوی طوسی و حافظ — ادب دانِ مقامات سہ ملت
ملا اُردو کو کب عرفاں کا زینہ — لکھے کب اس نے رازِ بادشاہت
فقط حسنِ بیاں نے کچھ مدد کی — رہے بازار میں ہم گرم صحبت
ہے فن شعر کنجی پلٹکل کی — ادا اس میں ہوں رازِ بادشاہت
یہ سارا کام پالیٹکس کا ہے — ہے شاعر محرمِ اسرارِ خلوت
کہے وہ بات لیکن اس طرح سے — کہ سمجھیں اس کو دانائے حقیقت

مگر اب وہ ضرورت ہی نہیں ہے
تو سو مشکل میں اک متنِ متیں ہے۔

جو بگڑے سلطنت کے اپنی آثار — تو دو سو سال ہم چونکے نہ زنہار
قیامت کی تھیں نیندیں ہم کو آئیں — کیا سید نے لیکن ہم کو بیدار
اُٹھایا ہم کو اس خوابِ گراں سے — جگانے سے ہوئے ہم اسکے بیزار
مگر جب نیند کچھ اچٹی تو ہم سب — اُٹھے آنکھوں کو ملتے آخر کار
کہا جو اس نے وہ ہم نے نہ مانا — رہی سید سے گلخپ اور تکرار
پھر آخر کو سمجھ آئی تو سمجھے — ہوئی جب اپنی حالت سر بسر زار

بنایا اس نے کالج ایک قومی — علی گڈھ میں وہ بیٹھا پیر ہشیار
ہوا حاصل جو اس کالج سے ہم کو — نتائج اس کے ہیں دنیا پہ اظہار

یہ قومی باغ جو اُس نے لگایا
اُسی کے سامنے پھل پھول لایا

جو لڑکے نکلے ہیں کالج سے پڑھ کر — وہ فخر قوم ہیں بے شبہ اکثر
نظر آتا ہے ان کا خاص فیشن — نہیں فیشن میں وہ جامہ سے باہر
شرافت ان کی شکلوں سے عیاں ہے — شجاعت کے نظر آتے ہیں تیور
جو لڑکے تھے جواں ہیں چشم بد دُور — جواں تھے جو وہ اب قومی ہیں رہبر
اثر کالج کا اتنا ہو چکا ہے — بعزت دیکھتے حکام کشور
جہاں خالی جگہ ہوتی ہے کوئی — اُنھیں ملتی ہے پہلے سب سے بڑھکر
ہے باہم ارتباطِ خاص اُن میں — جو قومیت کا ہے اک خاص جوہر
مگر یہ کیا ہیں دریا میں ہیں قطرہ — نہو سیراب اس سے قوم یکسر

الٰہی ان کو تو دریا بنا دے
سمندر علم کا کر کے دکھا دے

ارادہ تھا جو ساماں ہاتھ آئے — تو یونیورسٹی وہ اس کو بنائے
اسی حسرت میں دُنیا سے سدھارا — جو ارماں تھے نکلنے وہ نہ پائے
مگر محسن نے، مارتین نے، بکنے — بہت کچھ زور اپنے آزمائے
کئے چلے گئے پنجاب و بنگال — ہوئے پھر جمع سب اپنے پرائے
دلوں میں جوش اسپیچوں سے ڈالا — ترانے قوم کے ہر سمت گائے
جو کہتے تھے نہیں تعلیم مذہب — اُنھیں ہر طرح کے خطبے سُنائے
دلایا سب کو اطمینان کامل — جہاں تک ظرف امکاں میں سمائے

گلے میں جھولیاں ڈالیں نکل کر پریسیڈنٹ بھی انگلش بنائے
مگر دس لاکھ کے بدلے میں اب تک نہیں دو لاکھ بھی پورے ہیں آئے

سمندر میں جہاز اپنا پھنسا ہے
پڑا مشکل میں قومی نا خدا ہے

مؤید ہے جو اک اخبار مصری اُدب دانِ مقامات حریری
مسلسل اُس میں جو چھپتے ہیں مضموں جز اک اللہ ہیں کس درجہ عالی
مقرر اُس میں کی ہے ایک مجلس جو اہل فضل کی محفل ہے فرضی
کہیں ہیں واقعات غیر اس میں کہیں ہیں مندرج حالاتِ قومی
کئے ہیں جمع اہل فضل اُس میں بنا مجلس کی کعبے میں ہے رکھی
بتاتا کوئی کچھ ہے کوئی کچھ ہے ہے جن اسباب سے یہ قوم بگڑی
مگر ہے سب کی علت جہل سمجھا شریک جہل ہے نا اتفاقی
وہی یہ بات ہے حضرت سلامت جو سرسید کو سب سے پہلے سوجھی

الٰہی قوم کی پھر روشنی ہو
مسلمانوں کی قائم یونیورسٹی ہو

خدایا تو علیم ایں واں ہے الٰہی تو کریم و مہرباں ہے
ملا ہر قوم کو جو اُس نے چاہا ترا فیضان دنیا پر عیاں ہے
وہ امریکہ جو تھا گم نام عالم وہ اب دُنیا میں باغ بے خزاں ہے
نئے سر سے ملی جرمن کو طاقت جسے کہتے تھے بوڑھا وہ جواں ہے
وہ جاپاں تھا جو اک ناچیز دُنیا وہ اب فغفور چیں کا ہم عناں ہے
ابھی جو قوم تھی کرتی تجارت وہی اب مالک ہندوستاں ہے
تری رحمت بسیط دہر دیکھی تری قدرت محیط دو جہاں ہے

خدایا کیا کہیں قسمت کو اپنی　　کھڑے پیاسے ہیں ہم دریا روان ہے

خدایا عفو کر جو ہوں خطائیں
پہنچ جائیں اثر تک یہ دعائیں

خدا کے فضل سے تم سب کی تعداد　　کروروں تک پہنچتی ہے بہ اسناد
اگر تم غیر قوموں سے ہو مفلس　　تو ہو افلاس سے محزون و ناشاد
کرو وہ فکر جس سے ہو تونگر　　تمہارا جھونپڑا ہو دولت آباد
تمہاری ہڈیوں میں ہے وہ جوہر　　جو ہے روشن کن اجسام و اجساد
تمہارے استخواں روشن گر جاں　　تمہارے خوں میں زائد جز و فولاد
تمہارے نور سے روشن ہوئے ہیں　　مراغہ، قرطبہ، طہران و بغداد
ابھی تم کچھ سے کچھ ہوتے ہو یارو　　کرو بھولے ہوئے گر تم سبق یاد
بنو مشاق ہر صنعت کے پھر سے　　ہو ٹکنیکل میں اپنے فن کے استاد

مگر افسوس تم پڑھ پڑھ کے بھائی
ہو کرتے رائےگاں اپنی کمائی

تمہارے پاس سب کچھ ہے برادر　　نہ مفلس ہو، نہ عاجز ہو، نہ بے زر
کسر تم میں جو اک سب سے بڑی ہے　　وہ سہل ممتنع کے ہے برابر
جماعت ہو مگر بے پیشوا کی　　مسافر ہو مگر اگوا نہ رہبر
تمہارے کام سب آسان ہو جائیں　　اگر فی لاکھ ہو وے ایک لیڈر
مگر آساں نہیں لیڈر کا ملنا　　ملے جس شہر کو اس کا مقدر
کہاں بسمارک جیسا دوسرا ہے　　بنے ہز ایکسلنسی جس سے قیصر
گلیڈ اسٹون کی لائف کو دیکھو　　جو گھر بیٹھے رہا فتاح کشور
خدا نے جن کو یہ عقلیں عطا کیں　　وہی ہیں لائق اورنگ و افسر

تمہیں ایسے ہی لیڈر ہاتھ آئیں
جو بگڑی حالتوں کو کچھ بنائیں

مسلمانو یہ دن حق نے دکھایا — جو اس موقع پہ یہ دربار آیا
تمہارا جمع یوں ہونا تھا مشکل — مگر دربار سب کو کھینچ لایا
دعا ہے ایڈورڈ ہفتم کو دیتی — خلوص دل سے اسلامی رعایا
یہ ایجوکیشنل جلسہ ہمارا — کئی سالوں میں ہے اس حد تک آیا
ہے انگلش کے زمانہ کا یہ پودا — جو سر سید نے محنت سے لگایا
ہے ساری قوم نے مل جُل کے سینچا — اُسے محسن نے ہے اتنا بڑھایا
ہزاروں اس کے سایہ میں ہیں بیٹھے — وہ طوبیٰ بنکے ہم سب پر ہے چھایا
ہیں شاخیں اُس کی سب پر سایہ گستر — سروں پر دیکھتے اس کا ہیں سایا
اگر ہر حصۂ ہندوستاں میں — ہوں پیدا ایسے ہی محسن خدایا

تو پھر یہ نخل طوبیٰ بار لائے
مزہ جو چاہتے ہو وہ چکھائے

جہاں میں اب سرِ دشِ آسمانی — سُناتا ہے صدائے لن ترانی
ہماری قوم ڈھلتی دوپہر ہے — اُترتی چھاؤں ہے اپنی جوانی
کوئی وہ سوچ کر نسخہ نکالو — جو لائے زور اپنی ناتوانی
اگر تعلیم پائی عورتوں نے — تو پھر حاصل ہے لطف زندگانی
ترقی کے لئے شایاں یہی ہے — جو پڑھ جائیں زنان خاندانی
جو لڑکے چاہتے ہیں وہ بجا ہے — کہ ہو ہر گھر میں ایک ایک اُستانی
وہ پائیں بیبیاں اعلیٰ و افضل — جو ہوں عالم میں زرّیں تاج ثانی
ہو انسائیکلوپیڈیہ ہر اک — کرے سائنس میں جو گُل فشانی

مگر تعلیم وہ ہو جو اثر میں
اُنھیں رہنے دے اپنے بس کا گھر میں

مسلمانو خدا کی ہے یہ رحمت
کہ انگلش ہم پہ کرتے ہیں حکومت

وگرنہ وہ یہاں ہڑبونگ ہوتا
کہ یوں ہم سب نہ ہوتے محوِ عشرت

کہیں ہوتے پنڈارے صرفِ شورش
کہیں کرتے مرہٹے ملک غارت

اُٹھاتے آج ہندو شورِ محشر
تو کل ہم پھونکتے صورِ قیامت

کبھی ممکن نہ تھا ہمسائگی میں
جو بچلی بیٹھتی یوں ہر ریاست

یہی اک قوم تھی دنیا میں ایسی
جو رکھتی تھی صفاتِ کاملیت

یہی اس ملک کے لائق تھی بیشک
خدا نے اس کو چھانٹا ہے بحکمت

خدا کو ملک کا رکھنا تھا آباد
جو انگلش کو ملا تختِ حکومت

دُعا رہے اشہری کی یا الٰہی
رہے امن و اماں کی بادشاہی

نظم خواجہ الطاف حسین حالیؔ

پہلا بند

دوستو! انکار اگر تم کو ہدایت کا نہیں
عالمِ اسباب ہے دنیا اسے جانو یقیں
کاہ سے لے کوہ تک ذرّہ سے لے تا آفتاب
سب کو ہے جکڑے ہوئے اسباب کی حبل المتیں
اک مرتّب سلسلہ پاؤ گے واں اسباب کا
دشت میں پتا کھڑکتا تم اگر دیکھو کہیں

یوں خدا چاہے تو لے اسباب کی تاثیر چھین
لیکن اس قیوم بے ہمتا کی یہ عادت نہیں
بھاپ اُٹھے گی سمندر سے تو اُمڈے گی گھٹا
آسماں برسے گا جب۔ اُگلے گی تب دولت زمیں
ہے یہ وہ قانون محکم مالکِ مختار کا
جو کہ سطح خاک سے نافذ ہے تا چرخ بریں
وہ یہی قانون ہے جس سے رگا لیتے ہیں کھوج
وقت سے پہلے ہر اک انجام کا انجام بیں
جان لیتے ہیں کہ ہے آمد خزاں کی باغ میں
ٹہنیوں سے خود بخود جب پتیاں جھڑنے لگیں
دیکھ لیتے ہیں کہ جس گھر کی ہے بانی پر بنا
کوئی دن میں وہ رہے گا ہو کے پیوند زمیں
بس کہ ہے اُن کو قوانین الٰہی پر وثوق
اسلئے رکھتے ہیں اپنی پیشگوئی کا یقیں
دیکھتے ہیں روشنی جب دن کی وہ جاتی ہوئی
اُن کو آنکھوں سے نظر آتی ہے رات آتی ہوئی

دُوسرا بند

جبکہ قانون الٰہی کا یہ ٹھیرا اقتضا
وہ رہے گا ہو کے جو ہے مقتضا اسباب کا
دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس قوم کا ہونا ہے حال
شاہ راہ عام سے ہے جس کی پگڈنڈی جدا

ساری قومیں دے رہی ہیں وقت کا ساتھ آجکل
اور ان کی چڑھ ہے وہ جو وقت کا ہے مقتضا
ہیں رواں تیراک سب دریا کی رو کیساتھ ساتھ
اور انھیں کد ہے کہ دیں دریا کی رُو الٹی بہا
اور اپنے اپنے جوہر ہیں جہاں دکھلا رہے
یہ دکھاتے پھرتے ہیں جوہر سلف کے جا بجا
اور مفلس ہوں تو روزی کو پھریں کرتے تلاش
یہ جو مفلس ہوں تو قسمت کا پھریں کرتے گلا
اور قومیں ہیں جہاں مال تجارت بیچتی
یہ وہاں گھر بار کے کرتے ہیں کوڑے برملا
اور ہیں سب سُود لینے میں - یہ دینے میں دلیر
اور ہیں سب لوٹنے پر - یہ لٹانے پر فدا
جتنے اوروں میں ہیں کھاؤ اتنے ہی واں ہیں کماؤ
یاں کماؤ ایک ہے اور کھانے والا قافلہ
جب کوئی اوروں میں ہو جاتا ہے دولت سے نہال
اپنی نسلوں میں وہ جڑ جاتا ہے دولت کی جما
یاں گیا بلی کے بھاگوں ٹوٹ اگر چھینکا کہیں
پڑ گئی پشتوں تلک واں فاقہ مستی کی بنا
اور تنگی سے گزارہ کرتے ہیں آج اس لئے
تاکہ غیروں کی نہ کل کرنی پڑے کچھ التجا
یاں کسی کو مل گیا گر آج تر لقمہ تو پھر
اس کو کچھ پروا نہیں اسکی کہ کل کھائینگے کیا

زندگی جس قوم کی دنیا میں گزرے اس طرح
وہ رہے گی قوم دنیا میں بتاؤ کس طرح

تیسرا بند

نیند غفلت کی ہے سرتا سر مسلط قوم پر
سب کی آنکھیں ہیں کھلی۔ سوتے ہیں لیکن بے خبر
مصر کی ممیاں ہیں سب گویا نہیں ان میں حیات
گو کہ جیتے جاگتے آتی ہیں ظاہر میں نظر
خاندانوں کو رہا ہے میٹ دورِ روزگار
آج بگڑا یہ گھرانا اور کل اُجڑا وہ گھر
پر نگاہِ بد کی جو زد میں نہیں آئے ابھی
جانتے ہیں دورِ گردوں کا نہیں ہم تک گزر
بھیڑیا نوبت بہ نوبت گو سفندوں کو شکار
کر رہا ہے۔ اور نہیں کچھ گو سفندوں کو خبر
ہم جو بنتے بھی ہیں تو اکثر بگڑنے کے لئے
گرتے ہیں بانسوں اُبھرتے ہیں اگر بالشت بھر
قوم کو اپنے تنزّل سے اُبھرنے کی اُمید
اہلِ علم و اہلِ دولت سے بہت کچھ تھی مگر
اہلِ دولت کا ہے اس عالم سے اک عالم جدا
عالمِ بالا سے بھی ہے جو کئی منزل اُدھر
جن دعاؤں کی پہنچ ہے عالمِ بالا تلک
اُن دعاؤں کا نہیں ڈیوڑھی تلک اُن کی گزر

اب یہ عالم۔ سو اتنا سو فتہ ان کو کہاں
دین کا پھر کون ہے دنیا میں وہ اُلجھیں اگر

کون جاکر چین میں پھر دین کی دعوت کرے
کون گمراہوں کی لے جاپان میں جاکر خبر

حجتِ حق کون لندن میں کرے جاکر تمام
کون برلن میں کرے تبلیغ قرآن و خبر

کون ہے ان کے سوا اسلام کے فرقوں کو جو
مل کے آپس میں نہ ہونے دے کبھی شیر و شکر

انکی غفلت کا وہ عالم، انکی فرصت کا یہ حال
ہو یہ بیڑا کیوں نہ پھر منجھدھار میں زیر و زبر

ہیں یہی گر قوم کے ساتھ آج بے پروائیاں
تو یہ سن لو غالباً کل ہیں کھڑی رسوائیاں

چوتھا بند

پڑ رہی ہے چار سو دوڑو بڑھو کی یاں پکار
نیند کے ماتو! نہیں اب وقت غفلت ہوشیار

ہو رہی ہے عرصۂ آفاق میں قوموں کی دوڑ
بڑھ رہے ہیں پیادوں سے پیادے سواروں سے سوار

تھوڑی تھوڑی غفلتوں پر ہر رہی ہیں بازیاں
چال چوکا، اور ہوئی گردن پہ ہار آکر سوار

پولو اور گھڑ دوڑ کی سمجھو نہ ہار اس ہار کو
جو یہاں ہارا، ہوئی ذلت گلے کا اسکے ہار

قوم جو اس دوڑ میں ہاری اُسے سمجھو کہ وہ
ہوگئی زور آزمائی کا حریفوں کی شکار
سائے میں برگد کے جیسے چلکے رہجاتی ہی گھاس
ہے یونہی ہوتی زبردستوں میں مٹی اسکی خوار
حق ہے غالب کا کہ کچلے اور دلے مغلوب کو
ہے یہی مغلوب ہونے کا مآل انجام کار
کرتے آئے ہیں سب اپنی اپنی باری میں یہی
اور یہی جاری رہے گا دور تا روز شمار
قوم کا درجہ سے گرجانا ہے اپنے وہ گناہ
مرتکب جس کا نہیں بچتا سزا سے زینہار
یاد رکھو دوستو!! سنت ہے یہ اللہ کی
جو نہ بدلی ہے، نہ بدلے گی الی یوم القرار
جو بڑھے گا مرتبہ اس کا بڑھایا جائے گا
جو گرے گا اپنے درجہ سے، گرایا جائے گا

پانچواں بند

ایسے کچھ بیٹھے ہیں فارغ یار سب کھولے کمر
جو ہم درپیش تھی وہ کرچکے گویا کہ سر
قوم میں تعلیم پھیلانی تھی سو وہ پھیلا چکے
ہوگیا وہ بیج جو بویا تھا نخل بارور
پر جو سچ پوچھو تو ہم ابتک اُسی منزل میں ہیں
باندھ کر اُٹھے تھے جس منزل سے احرام سفر

روشنی تعلیم کی کچھ کچھ جو یاں پاتے ہو تم
سب یہ جگنو کے سے چمکارے ہیں اے اہل نظر

ہے جہالت کا اندھیرا ہم پہ جو چھایا ہوا
اس اندھیرے ہی میں آتے ہیں یہ سب جلوے نظر

سارے ہو جاتے ہیں چمکارے ابھی کافور یہ
اس اندھیرے سے ذرا نکلو اُجالے میں اگر

ہم نے یہ مانا کہ تھے ہم جو زمیں پکڑے ہوئے
اس سے آگے کچھ قدم ہمنے بڑھایا ہے مگر

دیکھنا یہ ہے، کہ اوروں سے ہی کیا نسبت ہمیں
اور بڑھتے ہیں گزوں، بڑھتے ہیں گر ہم انچ بھر

جبکہ ٹھہری ہم میں اور اوروں میں یہ نسبت تو ہم
اتنے ہی یاں گھٹ رہے ہیں بڑھ رہے ہیں جس قدر

پست ہے ہمسر سے جو اپنے یہ سمجھا دو اُسے
خاک ہے وہ۔ گو کہ ہے پہنچا ہوا افلاک پر

اپنی پستی کے نشاں پاتے ہیں ہر منزل میں ہم
کیا تجارت، کیا صناعت، اور کیا علم و ہنر

کُھل رہے ہیں جو کلوں کے کارخانے ملک میں
جنکے مالک ہیں وطن کے اہل ہمت سربسر

جو کہ ہیں ملکی ترقی کے لئے اک فال نیک
جن میں اُمیدیں ہیں مثل روز روشن جلوہ گر

قوم کا حصہ نہ واں پاؤ گے تم اس کے سوا
شام کو قلیوں کی اک فوج آئے گی تم کو نظر

کونسا بستی کا حصہ اب رہا ہے اسکے بعد
یہ وہ بستی ہے کہ بس تحت الثریٰ ہی اسکے بعد

چھٹا بند

ہمنے مانا ہے موافق جن سے دورِ ماہ و سال
بھاگواں ایسے بھی ہیں اس قوم میں پر خال خال
چند جانیں بچ رہی تھیں جو کہ قومِ نوح میں
ساٹھ ملین میں ہے وہ ان بھاگوانوں کی مثال
ان کی کیا عزت ہے یارو قوم ہے جنکی ذلیل
ان کو کیا راحت ہے جنکی قوم ہو سب خستہ حال
ہے وہ ایسا غول میں قلیوں کے جیسے ایک میٹ
ہے ہزاروں مفلسوں میں اک اگر آسودہ حال
شال گدڑی سے ہے واں سو مرتبہ بدتر جہاں
ہوں ہزاروں گدڑیاں اور ایک کے کاندھے پہ شال
یاد رکھو! ہے فراخ اسلام کا دامن بہت
دی ہے بنیاد اخوت اس نے کل امت میں ڈال
ہیں اسی اُمت میں جو ڈھوتے ہیں دن بھر ٹوکری
ہیں اسی اُمت میں جو ہیں دھونکتے دن رات کھال
ہیں اسی میں جن کے پیٹنے میں نہیں آیا سماں
جب سے آنکھ اُن کی کھلی دیکھا ہی گھر میں اپنے کال
ہیں انہی میں جو کہ بہر نفقۂ فرزند و زن
سامنے ایک ایک کے پھیلاتے ہیں دستِ سوال

ان عزیزوں کی اخوت سے جنھیں آتا ہو ننگ
نام لیں فہرست سے اسلام کی اپنا نکال
ورنہ ذلت سے نکالیں ان کو اور یہ جان لیں
ان کی ذلت میں انہیں عزت سے رہنا ہی محال
گھر میں اپنے بیٹھ کر جو چاہے سو بن لے کوئی
غیر قوموں میں نہیں حاصل اُسے جُز انفعال
کہتے ہیں غیر اس کو ہم جنسوں میں اُجلا دیکھ کر
یہ وہی کوا ہے لیکن ہنس کی چلتا ہے چال
وہ یہی خطرہ ہے جسکے ڈر سے مال اور جان سب
کر رہے ہیں اپنی اپنی قوم پر قربان سب

ساتواں بند

وہ گئے دن جبکہ تھے مختارِ مطلق حکمراں
قسمتوں کی قبضۂ قدرت میں تھی ان کے عناں
ہاتھ میں غسال کے مُردہ ہو بے بس جس طرح
تھے جہاں بانوں کے ہاتھوں یونہی بے بس اہل جہاں
تھا رعیت کا کوئی ہمدرد تو تھا بادشاہ
اور جو مصلح تھا کوئی اس کا تو تھا خود حکمراں
تھی نہ اہل ملک کو قومی مقاصد سے غرض
کوئی قومیت کا باقی تھا نہ قوموں میں نشاں
خواہشیں سب کی جدا، اغراض تھیں سب کی الگ
اپنے اپنے راگ تھے اور اپنی اپنی ڈفلیاں

قوم اپنی حد سے آگے کوئی بڑھ سکتی نہ تھی

پیش قدمی سے رُکے کب کے کھڑے تھے کارواں

بند تھے ناکے ترقی کے کہ آخر غیب سے

آیا اک سیلاب آزادی کا ریلا ناگہاں

جسنے سب روکیں ہٹا کر کر دیا میدان صاف

غار یا ٹیلا رہا باقی نہ کوئی درمیاں

ایک قانونِ مسلّم کی اطاعت کے سوا

ہو گئے ہر قید سے آزاد سب خرد و کلاں

کر دیئے انصاف نے ہموار سب پست و بلند

آ گئے سب ایک لیول پر قوی اور ناتواں

اب نہ قوموں کی ترقی میں ہے کوئی سدِ راہ

اور نہ قوموں کے مدارج میں تفاوت درمیاں

سلطنت نے سب دے رکھے ہیں حق ڈنڈی کے تول

وزن میں پلڑا نہیں کوئی شبک کوئی گراں

جنکو دعویٰ ہے کہ ہم بیٹے بڑے باپوں کے ہیں

ان کو کرنے ہونگے اب جوہر اصالت کے عیاں

ورنہ لینے ہونگے واپس اپنے دعوے سب انھیں

اور بھلانی ہوگی سب دل سے بڑوں کی داستاں

وہ گئے دن جبکہ کر دیتے تھے چھوٹوں کو بڑا

انقلاباتِ جہاں یا اتفاقاتِ زماں

اب بڑائی کا ہے استحقاق پر سارا مدار

ہوگا جو کرتا اُسی کو مرحمت ہو گا نشاں

قسمتوں کی آزمائش کا زمانہ ہو چکا
ہے بس اب یاں ہمتوں اور غیرتوں کا امتحاں
ہے تمہاری اب تمہارے ہاتھ موت اور زندگی
ہو تمہیں اپنے مسیحا اور تمہیں ہو جاں ستاں
یا کرو کوشش کہ مردہ قوم میں پڑ جائے جاں
اور دکھا دو خلق کو اس راکھ سے اٹھتا دھواں
یا رہو دنیا میں بھنگوں اور پسّوں کی طرح
جن کا ہے دنیا میں ہونا اور نہ ہونا ایکساں
قوم گنتی میں ہو گو مور و ملخ سے بھی سوا
مر گئے جب قوم کے دل، قوم میں پھر کیا رہا

نظم

منشی محمد عبداللہ مشتاق ٹھیکہ دار

اے شہنشاہ جہاں مالک و مختار زمن
اے رسول دو سرا قبلۂ جاں کعبۂ تن
ایسا ہو ہم کو سزاوار یہ کارونیشن
کہ مسلط ہو در علم پہ اپنی نیشن
عہد ایڈورڈ دی سیونتھ مبارک ہو ہمیں
فورٹ سکیز پہ قابض ہو ہماری پلٹن
قوم میں اپنی بحالی کا ہو سیزن آغاز
ڈائری میں ہو ترقی کا یہی پہلا سن
علما اپنے زمانہ کی ضرورت سمجھیں
ان کے سینوں سے ہوں کافور خیالات کہن
امرا اپنی کریں قوم کی حالت پہ نگاہ
چھوڑ دیں عشرت و آرام و طرب کا مسکن
فیلڈ میں علم و فضیلت کی ملے شیلڈ ہمیں
ٹکنیکل میچ میں ہوں ایک میں سو اپنے رن
فرسٹ ہو ریس میں حرفت کے عراقی اپنا
علم و حکمت میں ہوں مشہور فلاطون زمن

کمیٹی میں مقابل کو ہمارے ہو ڈیفیٹ
بحث کے وقت اپوزر کی ہو نیچی گردن

رشک کرنے لگے یورپ بھی ترقی وہ ہو
سینکڑوں ہم میں ہوں لیکن تو ہزاروں نیوٹن

اپنا کالج کہیں اللہ بنے دار العلم
صنعت و علم میں بن جائے علی گڈھ لندن

دلمیں بس جائے ہر ایک شخص کےون رُپی فنڈ
اس کے بانی کی تمنا کا ہو سرسبز چمن

کامیاب اپنے مقاصد میں ہو یہ کانفرنس
کام سب اسکے ہوں انجام بہ طرز احسن

متبرک یہ زمانہ ہے مبارک ہے یہ عہد
ہز مجسٹی ہیں سر قوم پہ سایہ افگن

اور مقدر سے یہ سونے میں سہاگہ دیکھو
مہربان ہم پہ ہیں ہز اکسلنسی کرزن

سب سے بڑھکر ہی یہ مژدہ کہ پرنس آغا خان
ہیں وہ لطف خداوند سے اپنے پیٹرن

دیر اب کیا ہے اٹھو باندھ لو ہمت کی کمر
چھوڑ دو غفلت و سستی کا خدارا دامن

ٹکٹ جلد ترقی کی ٹرین آ پہنچی
سامنے دیکھئے آتا ہے وہ بھق بھق انجن

گو پسنجر ہیں بہت اس کی نہ پرواہ کرو
بیٹھ لو جیسے بنے کھول کے کھڑکی ذن ذن

بس اگر ہو گئی غفلت سے تمہاری یہ ٹرین
پھر کہاں آپ ترقی کا کہاں اسٹیشن

ہو جہاں پھر وہیں رہ جاؤ گے افسوس افسوس
عمر بھر روؤ گے پچھتاؤ گے اے شفق من

حشر جو ہو گا تمہارا اسے کیا پوچھتے ہو
دل من داند و من دانم و داند دل من

نظم مولوی عبد الصمد صاحب کشمیری

زراہ رجا چوں رسی بر درش
بجا آر آداب در استلام

سر خویش نہ بر در آں جناب
چو چشم تر من بعجز تمام

کہ اے از تو اہل عرب در طرب
بفرمان رب انت فیہم مدام

دریغا مرا بخت بیدار نیست
کہ بینم مہ روئے تو در منام

نصیبم شدے کردمے — ز باغ مدینہ معطر مشام
دریغا کہ بر ما مسلط شدہ ست — اشد الاعادی الدّ الخصام
زشوق مدینہ شدہ سینہ ہا — تنا نیسم مسجور از اضطرام
توئی غم گسار قریب و بعید — خدارا بسوئے عجم ہم خرام
با مر اطیعوا الرسول آمدی — بدار الاشاعت مدار المہام
سلیمان بے توشہ در گوشہ اند — چو مرغے کہ بے دانہ باشد بدام
بیا سدِّ یاجوج ماجوج بند — دگر نہ عجم را نماند عجام
شہنشاہ عرش بریں بہر ما — بفرش زمیں کردہ خوش مقام
کن اے والضحیٰ روے واللیل مو — بدیدار خود صبح عیشم ز شام
باسلام و دینم قوی حال کن — بضعفِ یقینم مکن چوں مقام
ز رسم قدیم تو نبود عجب — خلاص اثیمے ز بند اثام
باسلام دینم نگہدار دل — کہ مقبل شوم زاں نہ از سیم وسام
چہ کم گردد از گاہ گاہے کنی — نگاہے بریں مجلس خاص و عام
صلوٰۃِ و سلام خدا دمبدم — نسا تحفۂ شاہ دار السلام

بر اولاد و اصحاب و اتباعِ او
بر اشیاع و بر اہل بیتِ کرام

کنوں مقبلا ختم کن بر دعا — بغفران سر سید نادار
خدایا بسر سید ذوالوقار — بہ بخشا و بارانِ رحمت ببار
کزو گشتہ بہبود ما منضبط — د ز ویست تعلیم ما یادگار
تو مرحوم و مغفور از لطف خویش — بفرمائے اے قادر کردگار
دگر آرزو دیم ز درگاہ تو — بہ نواب صاحب بہ بخش اقتدار

ہموں بعد سرسیدِ کامگار · کہ درماندۂ قوم را دست گیر
رسیدہ ز امداد او برکنار · شدہ کشتئ قوم غرقِ الم
مرا دار ثابت قدم در یقین
بقرآن و پیغمبرؐ و چار یارؓ

مولوی ابراہیم حسین

اٹھارہواں سالانہ اجلاس منعقدہ لکھنؤ ۱۹۰۴ء

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اٹھارہواں سالانہ اجلاس بمقام لکھنؤ دسمبر ۱۹۰۴ء میں منعقد ہوا۔ مسٹر تھیوڈور ماریسن پرنسپل علی گڑھ کالج نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

اس موقع پر شیعہ مجتہدین اور علمائے فرنگی محل لکھنؤ کی جانب سے کانفرنس کی سخت مخالفت کی گئی۔ کانفرنس میں شریک ہونے والوں پر الحاد، ارتداد اور کفر کے فتوے جاری کئے گئے۔ ہزاروں اشتہارات تقسیم ہوئے اور علمائے امامیہ کی طرف سے بڑی خوف دلانے والی تقریریں کی گئیں جن میں شرکائے کانفرنس کو اسلامی حقوق سے محروم ہوجانے کا خوف دلایا گیا اور یہاں تک کہا گیا کہ مرنے کے بعد ان کے جنازے کی نماز بھی کوئی نہ پڑھے گا۔

پہلا اختلاف تو انتخاب صدر کے بارے میں ہوا اس مشکل کو حل کرنے کی یہ صورت نکالی گئی کہ اودھ کے کسی نامور مسلمان کی بجائے آنریبل مسٹر تھیوڈور ماریسن پرنسپل علی گڑھ کالج کا انتخاب صدارت کے لئے کیا گیا۔ جو نہایت موزوں سمجھا گیا۔

کانفرنس کے خلاف غلط فہمیوں کو بدلائل و براہین دور کرنے کی سعی کامیاب کی گئی۔ ان مصلحین کی فہرست میں نواب محسن الملک بہادر کا نام سرفہرست ہے انکے علاوہ عبدالولی، حکیم عبدالعزیز، منشی احتشام علی مولوی عبدالحلیم شررؔ، مولوی محمد نعیم، ایڈوکیٹ، مسٹر حامد علی خاں بیرسٹر، نواب سید علی حسن خاں، مولوی مہدی حسن، آنریبل

راجہ علی محمد خاں تعلقہ دار محمود آباد، آنریبل راجہ تصدق رسول خاں تعلقہ دار جہانگیر آباد وغیرہم کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

ان حضرات کی مخلصانہ کوششیں بارآور ہوئیں اور خود مجتہدین عظام مذہب امامیہ اور علمائے فرنگی محل نے انکشاف حقیقت پر مطلع ہوکر مزاحمت دور کرنے کی سعی فرمائی۔ اور اس اتحاد کی برکت سے اجلاس کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔

یہ اجلاس قیصر باغ کی بارہ دری میں منعقد ہوئے جس کو شاہانہ انداز پر آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا۔ حاضرین اجلاس میں سب سے زیادہ نمایاں ہستی ہز ہائی نس نواب صاحب بہادر والی بھاولپور کی تھی جو اس زمانے میں سیاحت کی غرض سے لکھنؤ تشریف لائے ہوئے تھے۔

یہ اجلاس اس لحاظ سے بھی غیر معمولی طور پر کامیاب رہا کہ علی گڈھ کالج کے مختلف شعبوں اور کانفرنس کے لئے عطیات بھی خلاف توقع حاصل ہوئے۔ ہز ہائی نس بیگم صاحبہ بھوپال نے تعلیم نسواں کے لئے علی گڑھ کالج کو ۳۴ ہزار روپیہ عطا فرمائے۔ آنریبل مسٹر راجہ تصدق رسول خاں صاحب تعلقہ دار جہانگیر آباد نے عربی کی تعلیم اور عربی کتب خانہ کے لئے بیس ہزار روپیہ کا گراں قدر عطیہ عنایت کیا۔ مسٹر راجہ محمد علی خاں صاحب تعلقہ دار محمود آباد نے سائنس کی تعلیم کے لئے تیس ہزار اور سید التفات رسول صاحب تعلقہ دار سندیلہ نے پانچ ہزار روپے اسی مقصد سے عنایت کئے۔ اسی طرح علی گڈھ کالج اور کانفرنس کے لئے جملہ عطیات کی میزان ایک لاکھ آٹھ ہزار اکہتر روپے تک پہنچی۔ نواب سید علی حسن خاں نے اس عربی کتب خانہ کو علی گڈھ کالج کو دینے کا اعلان فرمایا جو ان کے والد بزرگوار مولانا نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے بکمال حوصلہ و شغف علمی مہیا کیا تھا۔

اس موقع پر خواتین ہند کی دستکاری کی نمائش کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔

سر تھیوڈور ماریسن صدر اجلاس انگلستان کے ایک علمی خاندان کے رکن اور ٹرینٹی کالج کیمبرج کے گریجوٹ تھے وہ ہندوستان میں مہاراجا ریاست چھترپور (بندیلکھنڈ) کے اتالیق کی حیثیت سے آئے تھے۔ ۱۸۸۹ء میں ان کو محمڈن کالج علی گڈھ میں انگریزی کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔ اور ۱۸۹۹ء تک اسی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

کالج کی ملازمت سے سبکدوشی کے خیال سے وہ ولایت گئے کہ ۱۸۹۹ء میں مسٹر بیک پرنسپل علی گڈھ کالج کا انتقال ہوگیا۔ ٹرسٹیان کالج نے مسٹر ماریسن کو پرنسپلی کی پیش کش کی جس کو انھوں نے منظور کرلیا۔ اور پانچ سال تک انھوں نے یہ خدمات انجام دیں۔

کالج کی پرنسپلی سے سبکدوشی کے بعد وہ ولایت چلے گئے اور ان کو لارڈ مارلے وزیر ہند نے اپنی کونسل کا ممبر مقرر کرلیا۔ اور حسن خدمت کے صلہ میں ان کو سی آئی ای کا خطاب ملا۔ ہندوستان کے لئے جب پبلک سروس کمیشن مقرر ہوا تو اس کے بھی ممبر مقرر ہوئے۔

پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء-۱۸ء) کے زمانہ میں وہ انگریزی فوج میں کرنیل کے عہدے پر مقرر ہوئے اور بعد میں مشرقی افریقہ کے ان انگریزی مقبوضات کے گورنر مقرر ہوئے جو جنگ کے بعد جرمنی سے انگریزوں کو ملے تھے

لکھنؤ کے اجلاس کانفرنس کے خطبہ صدارت میں مسٹر ماریسن نے فرمایا کہ

"آپ صاحبان اگر بُرا نہ مانیں اور اجازت دیں تو میں کہوں گا کہ آپ کی موجودہ حالت علمی افلاس کی حالت ہے اور دو بڑے مرض جو مسلمانوں کو لاحق حال ہیں مالی و علمی افلاس کہے جا سکتے ہیں ان دو امراض میں سے مالی افلاس کی طرف ہم کو سب سے اوّل توجہ کرنی چاہئے کیونکہ وہ سب سے

اہم ہے۔

"جب کہ میں متوسط درجے کے مسلمانوں کے افلاس کا ذکر کرتا ہوں تو اس سے میرا مطلب جمع شدہ یا آبائی دولت کی عدم موجودگی پر اظہار افسوس نہیں ہے جو آدمی کو عمر بھر سستی میں گذارنے کا سہارا ہوتی ہے بلکہ مجھ کو افسوس اس بات کا ہے کہ متوسط درجہ کے مسلمانوں کا بڑا حصہ معزز اور مفید پیشوں میں کامیابی کے ساتھ مشغول نہیں ہے۔ یوروپین خیالات کے اثر سے مسلمانوں کے قدیم پیشوں کی شکلیں بدل گئی ہیں۔ سرکاری ملازمت کے شرائط طبابت، وکالت ہر صیغے میں بڑی تبدیلی ہو گئی ہے مگر مسلمانوں نے اپنے تئیں اس تبدیلی کے موافق نہیں بنایا۔ ان میں ان پیشوں کے لئے کافی سلیقہ اور سمجھ نہیں ہے اسلئے وہ کافی روپیہ نہیں کما سکتے یہی افلاس ہے جس پر میں افسوس کرتا ہوں۔ تقریباً ہر ملک کے اوسط درجہ کے لوگوں کیلئے کمائی کے دو بڑے ذریعے ہیں اُن میں سے اول اس قسم کے پیشے ہیں جیسے ڈاکٹری وکالت انجینئری اور ملازمت سرکاری۔ دوسرا ذریعہ دولت کمانے کا تجارت اور حرفت ہے۔ اول قسم کے پیشوں کی نسبت ہندوستان کے کل لوگ جو ان پیشوں کو کرتے ہیں (یہاں تک کہ مسلمان بھی) انگریزی تعلیم کا ان کے لئے کارآمد اور مفید ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے متعلق میں صرف یہ کہوں گا کہ یہ تعلیم کم از کم موجودہ بی۔ اے کے درجہ تک ہونی چاہئے کیونکہ اس سے کم درجہ میں طالب علم کو کافی مزاولت انگریزی میں نہیں ہوتی۔

"دوسرا ذریعہ حرفت اور تجارت کا ہے جو بہت زیادہ تعداد اور افراد کے لئے وجہ معاش مہیا کر سکتا ہے اور اس کی مدد سے بہت زیادہ دولت پیدا ہو سکتی ہے۔ بدقسمتی سے اکثر مسلمان سمجھتے ہیں کہ تجارت اور حرفت بقالی

کے ہم معنے ہے لیکن یہ بڑی غلطی ہے۔ ہندوستان میں بہت سے ایسے کام ہیں جو ہاتھ سے کئے جاتے ہیں اور بھدے آلات ان کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ اور اس وجہ سے ان میں سے اکثر یورپ کے مقابلے کے بوجھ سے دبے جارہے ہیں۔ گمان غالب ہے کہ اگر ان بھدے آلات کی جگہ جو دوسو برس سے بغیر کسی تبدیلی کے استعمال ہو رہے ہیں زیادہ صناعی کے ساتھ بنے ہوئے یورپ کے آلات استعمال کئے جائیں تو ان حرفتوں میں سے اکثر زندہ ہوسکتی ہیں۔ اور ان کی تیار شدہ اشیاء دخانی طاقت سے تیار کردہ چیزوں کا مقابلہ کرسکتی ہیں۔ اس قسم کی تبدیلی کاریگر لوگ خود نہیں کرسکتے بلکہ تیاری اشیاء کے نئے طریقے اس نوجوان کو اختراع کرنے چاہئیں جو یورپ سے تربیت حاصل کرکے آئے اور ہندوستان کے کاریگروں کو مزدوری پر کام میں لگائے اور اپنی زیر نگرانی ان سے کام لے۔

"ہم کو ایسے لوگوں سے واسطہ ہے جو کاروبار کے طریقوں سے ناآشنا ہیں اس لئے ہم کو چھوٹے کاموں سے آغاز کرنا چاہیئے۔ ابتدائی سرمایہ بہم پہنچانے کے لئے جو ایک لازمی چیز ہے میں چاہتا ہوں کہ چھوٹی چھوٹی مشترک البضاعت کمپنیاں قائم ہوں۔ جن کا مقصد چھوٹے چھوٹے کارخانے کھولنا ہو۔"

مسٹر مارلین نے آخر میں یونیورسٹی کے قیام پر زور دیا اور ایک واضح اور مکمل اسکیم پیش کی۔

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیشن پاس ہوئے۔

۱۔ سررشتہ تعلیم کے علاوہ مسلمانوں کے لئے علمی اداروں کے قیام کا اہتمام ہونا چاہیئے۔

۲۔ مدرسۃ العلوم (علی گڈھ) میں سائنس کالج کھولنے کی فوری ضرورت ہے۔

۳۔ طب یونانی نہایت مفید اور سائنٹفک اصولوں پر مبنی ہے اسکی نہایت قدر و منزلت کرنی چاہیئے اور کانفرنس کو مدرسۃ تکمیل الطب (لکھنؤ) کے اغراض و مقاصد سے ہمدردی ہے۔

۴۔ یونیورسٹی کورس (لکھنؤ) میں فارسی زبان بدستور رہنی چاہیئے۔

جناب ابراہیم حسین صاحب مدرس نارمل اسکول لکھنؤ نے مندرجۂ ذیل نظم پڑھی۔

نظم (فارسی)

چوں گل و لالہ و سنبل زگلستانے چند
جمع گردیدہ دریں باغ مسلمانے چند

یا رسیدہ زوطن صورت شبنم احباب
یا چکیدہ بچمن قطرۂ بارانے چند

صفت طوطی و بلبل ہمہ بودہ یک جائے
برکشند از دل خود نالہ و افغانے چند

شانزدہ سال گزشتہ کہ دریں قیصر باغ
منعقد گشتہ چنیں مجمع یارانے چند

آں زماں صدر نشیں حاتم دوراں بودہ
چیدہ پیش ہمہ کس نعمت ایوانے چند

زردہ و مردہ و شیرینی و فیرینی و قند
کشمش و مشمش و بادام و بہ دانے چند

سیدِ ما چو مسیحا نفسی کرد آغاز
در دمیدہ بہ تنِ مُردہ دلاں جانے چند

ہمچو پروانہ بجوش آمدہ ناظم آں وقت
خواند شعرے بہ ثنایش چو ثنا خوانے چند

اے کہ در ہند توئی کشتیٔ ما را چوں نوحؑ
زود دریاب کہ برخاستہ طوفانے چند

آہ از جورِ زماں آہ کہ سید بگذشت
گرد آوردہ و بگذاشتہ سامانے چند

تا کہ از علم و ہنر بہرہ بسا کس ببرند
نہ با صلاح در آیند مسلمانے چند

یاد دارم کہ ہمی گفت بہر انجمنے
ایہا القوم چنیں نوم چو طفلانے چند

بالِ ہمت بکشائید چو شہباز بچرخے
بر زمیں ہرزہ چرائید چو حیوانے چند

از پئے تربیت قوم بخود رنج برید
جنگ با نفس نمائید چو مردانے چند

کالج و یونیورسٹی ہمہ از ما باشد
گر دریں صرف شود گنج فراوانے چند

یک دبستان کہ بنایش ہمہ محکم آید
از پئے قوم بسے بہ ز دبستانے چند

وائے صد وائے بر آں کس کہ چنیں در سر داشت
از میاں رفتہ و بُردہ بدل ارمانے چند

جائے آں است کنوں زار بگریم ہمہ عمر
تازہ دارم غم اوراں نہ ہمیں آنے چند

متفق بودہ بہ انجام رسانم کارش
یادگارش بگذارم چو جہاں بانے چند

مال دانی چو ازیں ملک مہیا نہ شود
باید اینک طلبم از دُرِشاہانے چند

زود باشد کہ بکف بہرہٗ از علم برند
ایں کہ بر مائدہ گرد آمدہ مہمانے چند

رفت برہا بایں پیرانہ سری در سرما
تا زرِ گل بکف آرد ز گلستانے چند

للہ الحمد کہ چوں غنچہ زرآوردہ بمشت
باز آمد بوطن ہم رہِ یارانے چند

صد و پنجاہ چہ۔ پنجاہ ہزارش دادند
بارک اللہ براں صاحب دکّانے چند

چیست برہا کہ زشیراز و صفاہاں آورد
بہر تعلیم گل و لالہ و ریحانے چند

نیست ایں کالج و نالج کہ معالج پئے قوم
بہ از وگشتہ بساکس نہ مریضانے چند

گر بہ تعلیم دریں مدرسہ داخل نہ کنند
پدراں راچہ رسد نفع ز طفلانے چند

کار بے حسن عمل راست نیاید از علم
ہم چنیں بید رم از محنتِ نادانے چند

اے گراں مایہ اگر زاد سفری خواہی
باید ایں جائے درم ریخت زہمیانے چند
بر سر انجمن از بہر نثار آوردہ
ناظم نکتہ سرا گوہر غلطانے چند
چند در شعر پس از قافیہ زاں آمدہ است
کہ ہر آیندہ دہد چندۂ چندانے چند

مولوی امجد علی اشہری، حکیم ظفر حسین

انیسواں[۱۹] سالانہ اجلاس منعقدہ علیگڈھ (۱۹۰۵ء)

کانفرنس کا سالانہ اجلاس زیر صدارت خان بہادر مشیر الدولہ خلیفہ محمد حسین وزیر ریاست پٹیالہ بمقام علی گڈھ منعقد ہوا۔

استقبالیہ کمیٹی کے صدر مشہور عالم اور رئیس مولوی محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی نواب صدر یار جنگ بہادر تھے اس اجلاس میں نواب صدر یار جنگ بہادر کا خطبہ نہایت دل آویز اور پر از معلومات تھا۔ تقریباً ایک ہزار ممبر اور ۳۲۷ ڈیلیگیٹ اجلاس میں شریک ہوئے۔ جن کی میزبانی کے فرائض نہایت خیر و خوبی سے انجام دیئے گئے۔

اس اجلاس کے صدر خلیفہ محمد حسین قصبہ سامانہ کے ایک قدیم خاندان کے رکن تھے۔ اسی خاندان میں حکیم غلام حسن اپنے زمانہ کے مشہور طبیب گذرے ہیں۔ ان کے بیٹے حکیم خلیفہ سعادت علی عرصہ دراز تک رئیس پٹیالہ کے شاہی طبیب رہے اور بعد کو پٹیالہ کے ولی عہد کے اتالیق مقرر ہوئے۔ اسی نسبت سے یہ خاندان اب تک "خلیفہ" کے لقب سے مشہور ہے۔

حکیم خلیفہ سعادت علی کے بیٹے خلیفہ محمد حسین تھے۔ وہ مسلمانوں کی قدیم تہذیب اور شائستگی کا بہترین نمونہ تھے اور فضیلت علمی کے ساتھ نہایت باوقار اور سنجیدہ بزرگ تھے۔ انھوں نے ریاست پٹیالہ اور برٹش گورنمنٹ کی عمدہ خدمات انجام دیں جن کے صلے میں ہر دو حکومتوں کی جانب سے خطابات، انعامات اور جاگیریں عطا ہوئیں۔ پنجاب کی سب سے پہلی لیجسلیٹو کونسل میں وہ ریاست پٹیالہ کی جانب

سے ممبر مقرر ہوئے۔

گو وہ راسخ العقیدہ شیعہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے مگر تعصبات مذہبی کی طرف سے نہایت فراخ دل واقع ہوئے تھے۔ جب مدرستہ العلوم علی گڑھ میں شیعوں اور سنیوں کے واسطے جدا جدا دو مسجدیں تعمیر کرنے کی تجویز اراکین کمیٹی کے سامنے پیش ہوئی تو انھوں نے اور ان کے بڑے بھائی خلیفہ محمد حسن المخاطب بہ وزیر الدولہ نے سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی اور سرسید کو لکھا کہ یہ تجویز اس اتحاد و یک جہتی کے اصول کے منافی ہوگی جس کے قائم کرنے کے لئے ہم سب نے کالج کی بنیاد قائم کی ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا رائے کا احترام کرتے ہوئے جملہ ٹرسٹیان مدرستہ العلوم علی گڈھ نے ایک مسجد تعمیر کرنے پر اتفاق رائے کیا۔

ان کو تصنیف و تالیف کا بھی شوق تھا۔ اعجاز التنزیل ترجمہ سفرنامہ ڈاکٹر برنیر اور تاریخ پٹیالہ ان کے علمی شغف کی یادگار ہیں۔ خلیفہ محمد حسین ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۹۰۰ء میں انھوں نے اس دار فانی کو خیرباد کہا۔

انھوں نے اس اجلاس میں خطبہ صدارت کے دوران فرمایا کہ :-

"سرسید کے انتقال کے بعد میرے خیال میں اگر ہمارے محسن قوم اسم با مسمے نواب محسن الملک بہادر کی مساعی جمیلہ سے کانفرنس کا اجتماع جاری نہ رہتا تو مسئلہ تعلیم اہل اسلام ضرور یا تو پژمردگی و افسردگی میں پڑ کر نیم مردہ ہو جاتا۔ یا انتشار و اختلاف اس کے متعلق تمام کوششوں کو پراگندہ اور بیکار کر دیتا۔"

نیز ارشاد فرمایا

"یہ زمانہ صنعت و حرفت و تجارت کا زمانہ ہے۔ اس زمانے میں اقوام و ممالک کی طاقت و عزّت نہ مذہب پر منحصر ہے نہ مردم شماری پر نہ رقبہ پر۔ بلکہ صرف اس قوم کی تجارت اور علم کی حالت پر منحصر ہے۔ صنعت و حرفت اور

تجارت میں اصلی ترقی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کی عمارت سائنس اور علوم کی مستحکم بنیادوں پر نہ اٹھائی جائے۔ صنعت و حرفت و تجارت اور اس کے لئے ایجاد و اختراع کی استعداد جیسی کہ چاہیئے بغیر سائنس میں کمال حاصل کرنے کے نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ مسلمان طالب علم اعلیٰ سے اعلیٰ درجات تعلیم مختلف علوم و فنون کی شاخون میں حاصل نہ کریں مدارج کمال اور فارغ البالی حاصل نہیں کر سکتے ''

انھوں نے ارشاد فرمایا

"ایک اور اہم اور نازک معاملہ جس پر کانفرنس کے اجلاس میں کچھ گفتگو ہو چکی ہے وہ تعلیم نسواں کا مسئلہ ہے۔ اس زمانے میں کسی ذی فہم شخص کو اس امر سے اختلاف نہیں ہے کہ جس طرح لڑکوں کی تعلیم ضروری ہے لڑکیوں کی تعلیم بھی ویسی ہی ضروری ہے۔ اگر اس مسئلہ اشاعت تعلیم نسواں میں کچھ اختلاف ہے تو محض تعلیم دینے کے طریقوں کی نسبت ہے"

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیوشن پاس ہوئے۔

۱۔ تعلیمی مردم شماری کی جائے

۲۔ صنعتی تعلیم کے لئے کانفرنس کے اہتمام سے مسلم طلبہ کو یورپ بھیجا جائے۔

مولوی امجد علی اشہری نے چند رباعیات اور ایک قصیدے کے کچھ اشعار پڑھے اور حکیم مظفر حسین خاں نے شجر اسلام کے عنوان سے ایک مسدس پڑھا۔

رباعیات اشہری

اللہ کا فضل ہے جو لکھواتا ہے ✧ لاشئے کو وہ شئے سے بڑھکے دکھلاتا ہے
گو نقطہ ہوں اشہری مگر وقت رقم ✧ جس ہندسہ سے مل جاؤں وہ بڑھ جاتا ہے

اے مدرسۃ العلوم نازاں ہو تو — محسن کا ثنا سنج و ثنا خواں ہو تو
آتے ہیں پرنس آف ویلس تجھ میں — گلگشت کو اُن کے اب گلستاں ہو تو

قصیدہ

دکن ہے مایۂ صد نازش جہات بلاد
بھلائے یاد دکن کی مراغہ و بغداد

خدا کے فضل سے اب پائے تختِ ملکِ دکن
بنا حضور کے دم سے ہے دوسرا بغداد

جناب شبلی و حالی و داغ نام آور
چلن سے حالی کے ہیں فیض یاب نقد مراد

امیر کو بھی کیا تھا طلب حضور نے واں
تھے قدر دانِ سخن راجہ کشن پرشاد

ہوا زمانۂ حضرت میں جو ہے نظم و نسق
ہوئی ہیں روشنیاں اس کی نور بخش سواد

تمام ملک کو اب امن عام حاصل ہے
نہ ہے روہیلوں کی شورش نہ ہے عرب کا فساد

تمام ملک میں جو ہے نظام کا گلشن
کروڑ سے ہے زیادہ نفوس کی تعداد

حضور کی جو ہوئی جوبلی چہل سالہ
دلوں میں گو بجتے ہیں نعرۂ مبارک باد

برآئی ملک کی مدت سے آرزو جو تھی
ہوا نگین ریاست پہ نقش حسب مراد
کئی مہینے رہے سب امیر محوِ طرب
کئی طرح سے غریبوں کی کی گئی امداد
شب برات رہی رات، روز عید کا دن
وفورِ عیش کی شکلیں نئی ہوئیں ایجاد
رہے وہ شام و سحر وقف شادی و عشرت
ملی حسینوں کو دم بھر نہ فرصت بیداد
ہوا ہے جشن جہانگیر شاہ آصف کا
رہے صحیفۂ تاریخ میں ہمیشہ یاد
دکن ہے نازشِ دوراں حضور کے دم سے
وزیر جوش مسرت سے ہیں سراپا شاد
خوشی منائی گئی اس کی ہر طرف سب میں
میں بھیجتا ہوں علی گڑھ سے یہ مبارکباد
گیا دکن میں ہوں دو بار اس سے پہلے میں
ملی وزیروں سے ہر طرح کی مناسب داد
عنایتیں بھی ہوئیں میرے حال پر مبذول
رعایتوں نے کیا مجھ کو مورد امداد
مگر ہے اب تو امید قبول اس سے سوا
کہ ہیں سخن کے شناسا دکن ہیں حضرت شاد
جناب شاد ہیں شاگرد خاص آصف کے
حضور شعر و سخن کے ہیں بے بدل نقاد

مسدّس

خدا کے فضل سے ہندوستاں دنیا کی جنت ہے
رواں ہیں دودھ کی نہریں بھرا نہروں میں شربت ہے
تماشاگاہ عالم جلوہ ریز عیش و عشرت ہے
حضور ایڈورڈ ہفتم کا عہد امن و راحت ہے
سیاحت کے لئے شہزادۂ ذی جاہ آتے ہیں
مبارک ملک کو فرزند شاہنشاہ آتے ہیں

پرنس آف ویلس ہم سفر ہیں عیش و عشرت سے
بندھا گل برگ تر ہے رشتہ مہر و محبت سے
قرآن مہر و ماہ ظاہر ہوا دونوں کی صورت سے
دیا ہے نور کو جوزا نے حصہ اس سعادت سے
الٰہی ملک میں دونوں ضیا را فروز گیہاں ہوں
یہ دونوں چاند، سورج، رات دن دنیا میں تاباں ہوں

یہاں بھی لائیں گے تشریف۔ قسمت ہر مسلماں کی
ہے چیونٹی کی طرف سے فی المثل دعوت سلیماں کی
یہ کالج کے لئے ہے انتہا اعزاز سلطاں کی
دلوں پر سب مسلمانوں کے کر دی مُہر احساں کی
ہماری قوم کو گر پاس ہے قومی حمیت کا
تو اس موقع پہ دکھلا دے گی جلوہ اپنی ہمت کا

علی گڑھ کو خدا نے کر دیا تعلیم سے روشن
بنایا اس کو سر سید نے اپنا وادیٔ ایمن

بنا یہ علم کا مرکز ہوا یہ قوم کا گلشن
زمیں کھودی علی گڑھ کی تو نکلی علم کی معدن
خدا کے فضل سے ہندوستاں میں اب یگانہ ہے
جواہر علم کے انمول رکھتا یہ خزانہ ہے
یہ وہ لڑکے ہیں تھے اسلاف جنکے نازش دوراں
یہ وہ لڑکے ہیں تھے اجداد جن کے بالش گیہاں
بھرے فوجوں میں وہ آگے، ہوئے جنگوں میں وہ قرباں
وہ تھے منشی وہ تھے بخشی وہ تھے ناظم وہ تھے دیواں
جواں تھیں ہمتیں اُن کی، ارادے انکے محکم تھے
سخاوت میں وہ حاتم تھے شجاعت میں وہ رستم تھے
در دولت پہ ان کے بھیڑ رہتی اہل حاجت کی
اُنھیں تھی قدر دل سے ملک میں اہل فضیلت کی
رواں رہتی تھیں نہریں انکے احسان و سخاوت کی
کہی جاتی ہیں ابتک داستانیں انکی ہمت کی
سروکار ان کو دینے کے سوا کچھ تھا نہ دولت سے
صدا دوں دونکی آتی انکے دروازوں پہ نوبت سے
اُنھیں کی آج یہ اولاد نازاں ہے اطاعت پر
خدا کے فضل پر تکیہ توکل ہے قناعت پر
نہ وہ اب حکمرانی ہے نہ قبضہ مال و دولت پر
مگر ہے ناز اب بھی قوم کو ان کی شرافت پر
جہاں ٹل جائے اُنکے پاؤں جا سے ٹل نہیں سکتے
اطاعت کی سڑک کو چھوڑ کر یہ چل نہیں سکتے

علی گڑھ پر یہ نازاں ہیں علی گڑھ ان پہ نازاں ہے
اطاعت شاہ کی ان کے دلوں کا جزو ایماں ہے
یہ مرکز علم کا ہم پایۂ بغداد و طہراں ہے
اگر دارُالعلوم قوم ہو تو فخر گیہاں ہے
الٰہی اب تو یہ دارُالعلوم قوم بن جائے
خدایا جلد وہ دن تیرے فضل و جود سے آئے

ہشیار ہو اے قوم کہ دنیا ہے گزرگاہ
رہتا ہے گدا اس میں ہمیشہ نہ شہنشاہ
کیا مرحلۂ صعب ہے العظمت للّٰہ
تھراتے ہیں رہبر بھی وہ پُرخوف ہے یہ راہ
ایمان و عقائد میں نہ ہرگز خلل آئے
کیا جانئے کس وقت پیام اجل آئے

مُسدس شجر اسلام

از حکیم مظفر حسین خاں

وہ اسلامی شجر جس کو محمدؐ نے لگایا تھا
وہ اسلامی شجر جس کو صحابہؓ نے بڑھایا تھا
وہ اسلامی شجر سارے جہاں پر جس کا سایا تھا
رہا باقی نہ جس کے فیض سے اپنا پرایا تھا

اب اس کی ڈالیوں میں ایک بھی باقی نہیں پتا
کہ وہ ہمت نہ سوکھے یہ جو سوکھا تو غضب ہوگا
ہے اسکی بیخ مکہ میں، ہیں شاخیں تا بلوچستاں
جزائر اور ہند و چین و جاوا اور ترکستاں
بملک روس اور ایران و شام و مصر و انگلستان
بچا ہو کوئی ملک اس سے بتائے تو کوئی انساں
وہی تو ہے یہ اک عالم نے جس سے فیض پایا تھا
قریب المرگ ہے جس نے کہ مردوں کو جلایا تھا
رہِ طائف میں حضرتؐ تھک گئے چلنے سے بتھے عاری
اُحد میں دانت ٹوٹے اور دہن سے خون تھا جاری
کبھی فاقہ میں پتھر پیٹ پہ باندھے بہ ناچاری
لگایا اس کو حضرتؐ نے اُٹھا کر سختیاں بھاری
سُکھائے دیتی ہے اب اُمتِ خیرُ الامم دیکھو
اسی کے وارثوں سے اس پہ یہ کیسا ستم دیکھو
نہیں یہ وہ شجر جس نے کہ پانی سے غذا پائی
صحابہؓ نے پلایا خون اس نے پرورش پائی
بنے مالی ائمہ اس لئے اس پر بہار آئی
ہوئے ہم ناخلف ایسے کہ اس کی شکل مُرجھائی
نہ وہ زینت رہی اس کی نہ اس کا وہ رہا سایا
ہماری غفلتوں سے اس کی پلٹی اس قدر کایا
ہے اس نخلِ مقدس کو نکموں سے پڑا پالا
اور اُن کی غفلتوں سے ہے خزاں نے ناس کر ڈالا

کرو ہمت کہ ہو سرسبز پھر ہو پھول پھل والا
جو ہوگی متفق کوشش کھلے گا پھر گلِ لالا

ہزاروں ایسی دنیا میں بہاریں پھر کے آئی ہیں
کھلی ہیں اور کھل کر پھر گھٹائیں گھر کے آئی ہیں

لگائیں باغ باغیچے الم اس کا نہیں کچھ بھی
اُڑائیں خوب گلچھرّے الم اس کا نہیں کچھ بھی

ہوں لاکھ اسلام پر حملے الم اس کا نہیں کچھ بھی
کہاں تک یہ شتر غمزے الم اس کا نہیں کچھ بھی

نہ لیں گے ہم خبر اس کی رہینگے کب تلک غافل
پشیمانی ہو آخر میں چرا کارے کند عاقل

بتاؤ تو سہی للّٰہ اس کا کون والی ہے
نظر جس سمت کرتے ہیں اُدھر میدان خالی ہے

توجہ اس طرف سے ہم نے اب بالکل اُٹھالی ہے
گئے ہم بھول چال اپنی وہ اوروں نے اُڑالی ہے

ہمیں تو اب فقط باہم جدال و جنگ آتی ہے
ہمارے نام سے مذہب کو عار و ننگ آتی ہے

کہیں فرمان باری بھی کسی صورت سے ٹلتے ہیں
نہ جب تک قوم خود بدلے نہیں وہ بھی بدلتے ہیں

بھلا ان لچھنوں سے کام کب اچھے نکلتے ہیں
نہیں چھوٹا بڑا کہنے میں اپنی راہ چلتے ہیں

نہیں ہے نیک و بد پر کچھ نظر ہم کو یہ غفلت ہے
سمجھتے ہی نہیں سمجھانے سے کیسی بُری مت ہے

نہ اخلاقِ محمد ہم میں نے شرم و حیا باقی
نہ آداب شریعت ہے نہ زہد و اتقا باقی
بتائیں کیا کہ ہم میں کیا گیا اور کیا رہا باقی
چھنیں سب نعمتیں ایک ایک اک جھگڑا رہا باقی
جدھر دیکھو عناد و بغض کی تلوار چلتی ہے
ذرا سی بات پر دن بھر میں سو سو بار چلتی ہے
ہے اپنوں سے عداوت اور غیروں سے محبت ہے
جو صدمہ غیر سے پہنچے نہیں اس کی شکایت ہے
جو اپنی بات بھی کہدے قیامت پر قیامت ہے
بھلا وہ قوم کیا سنبھلے کہ جس کی ایسی حالت ہے
ہم اپنی آبرو اپنے ہی ہاتھوں کھوتے جاتے ہیں
اسی باعث سے سب اپنے پرائے ہوتے جاتے ہیں
کیا محسوس کچھ تم نے بھی کیوں یہ اپنی حالت ہے
خصوصًا بھائی کو بھائی سے اپنے کیوں عداوت ہے
میں کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ جہالت کی بدولت ہے
یقیں جانو مسلمانو! کہ علم اک بڑھتی دولت ہے
یہ دولت ہاتھ آجائے تو سب کچھ ہاتھ آجائے
جسے تم کھو کے بیٹھے ہو وہ سب اک ساتھ آجائے
ہو یونیورسٹی گر کوششِ موفور ہو جائے
یہ افلاس دماغی دوستو کافور ہو جائے
جو مفلس ہیں تونگر ہوں دلدر دُور ہو جائے
بلند اختر ہو پھر اسلام ظلمت نور ہو جائے

لگیں پھر چار چاند ایسے کہ دُنیا ماند ہو جائے

ہلال علم بڑھ کر پھر تو پورا چاند ہو جائے

خرد ہی سے ہوا انساں ہر اک مخلوق پر حاوی

خرد نے رہنمائی اُسے بزرگو علم سے سیکھی

نتیجہ علم کا چاہو کرو اُس پر عمل جاری

اسی میں کامیابی ہے یہی ہے فطرت باری

بغیر از سعی و کوشش ہو سکے کچھ کام ناممکن

پھر اسکے بعد بھی ہو جائیں ہم ناکام کیا ممکن

ہوئیں تجویزیں صدہا اور ان کو پاس کروایا

بہ استثنائے چندے کچھ عمل کر کے نہ دکھلایا

بنائیں خود ہی تجویزیں اور آپ ہی صاف ٹھکرایا

یہ گویا ریت کا گھر تھا جو بنوایا بگڑوایا

نہ ہوں جس کام کی بنیاد میں مضبوطیاں پوری

نتیجہ ہے یہی اس کا کہ رہ جائے بہ مجبوری

اسے میلہ سمجھ کر ہم یہاں ہر سال آتے ہیں

لباس اچھے پہن کر آتے اچھے کھانے کھاتے ہیں

یہ طرفہ ہے کہ اس کو علم کی مجلس بتاتے ہیں

مگر جا کر یہاں سے ساری باتیں بھول جاتے ہیں

یہاں جو دیکھتے سنتے ہیں وہ اک خواب ہے گویا

پئے تفریح دل یہ مجمعٔ احباب ہے گویا

نہیں زینت کی کچھ پروا تو آئینے سے کیا حاصل

بلندی پر نہیں چڑھنا تو پھر زینے سے کیا حاصل

گئی عزت تو ایسے کھانے اور پینے سے کیا حاصل
جو گزرے زندگی ذلت میں اس جینے سے کیا حاصل
ذلیل و خوار ہو کر زندگی یارو بسر کرنا
بہت بہتر ہے ایسی بے حیائی سے کہیں مرنا
نہ دُن روپی کے صیغہ کی کسی نے قدر دانی کی
مگر کیا انتہا ہے قوم کی اس آنا کانی کی
جو کوشش کرتے سب مل کر فراہم لاکھوں کر لیتے
یہاں بھی عیش کرتے اور وہاں جنت میں گھر لیتے
جو نقشہ ہم بنائیں اس پہ ہو تعمیر غیروں کی
بگڑ کر اپنی تدبیریں بنے تدبیر غیروں کی
یہاں قسمت کو روئیں ہم ہنسے تقدیر غیروں کی
خطائیں اپنی ہوں ساری تو کیا تقصیر غیروں کی
یہ جو کچھ رات دن ہم ذلتیں دنیا میں سہتے ہیں
ہماری ہی خطا ہے کیوں بُرا اوروں کو کہتے ہیں
وہاں ہوں بیس لاکھ اکدم میں یاں پھر پائی پائی ہو
رسومات قبیحہ میں بھرے گھر کی صفائی ہو
جو قومی کام میں مانگیں تو خاصی ہاتھا پائی ہو
تو کہیئے کامیابی تک ہمیں کیوں کر رسائی ہو
ہمارے پاس پیسہ ہے مگر دینا نہیں آتا
مگر کہتے یہ پھرتے ہیں تمہیں لینا نہیں آتا
اُڑائیں شادیوں میں زر یہ اسلامی شجر سُوکھے
نمائش میں لٹائیں گھر یہ اسلامی شجر سُوکھے

غرض کیا ہے ہمیں جو خود غرض ہیں کچھ بھی ہو جائے
نہ کیوں ان غفلتوں سے بخت خفتہ اور سو جائے

در و دیوار سے پیہم صدا یاں آ رہی ہے یوں
وہ روحِ پاک سرسیّد ہمیں فرما رہی ہے یوں

خزانے علم کے برطانیہ لٹوا رہی ہے یوں
نہیں بیدار ہوتے ہو یہ دولت جا رہی ہے یوں

تمہیں پیچھے رہے جاتے ہو کل تک سب سے آگے تھے
وہ تم سے آگے جاتے ہیں جو تم سے پیچھے جاتے تھے

جو سمجھو مصرف خیرات تو بھی کام چل جائے
زکوٰۃِ مال ہی دے دو تو یہ کالج سنبھل جائے

ہماری شومیٔ طالع بھی ممکن ہے بدل جائے
یہ گاڑی قوم کی اٹکی ہوئی دم میں نکل جائے

نہ جاں اور مال سے چُوکو بس اب تیار ہو جاؤ
بہت ہی سو چکے للٰہ اب بیدار ہو جاؤ

نتیجہ اپنی خیراتوں کا اکثر یہ نکلتا ہے
کہ بھنگ گھٹتی ہے تکیوں میں قدح دن رات چلتا ہے

دا آما السائل پڑھ کر جو بھک منگا مچلتا ہے
بس ایسے مانگنے والوں سے اپنا جی ہی جلتا ہے

انھیں دے کر کے پیسہ بالیقیں برباد کرنا ہے
لٹا کر اپنی دولت کاہلوں کو شاد کرنا ہے

اس آیت کا بزرگو گر یہی مطلب سمجھتے ہو
کہ دینا لازمی اُس کو ہے جو مانگے نہ حجت ہو

تو ہم بھی مانگتے ہیں قوم کی خاطر، ہمیں دے دو
ٹلیں گے بے لئے کب ہم فلاتنہر کو تم پڑھ لو
الم نشرح اگر مفہوم ہے یہ نصِّ قرآں کا
تو ہم جیسوں کو دو ورنہ خدا حافظ ہی ایماں کا
غلط فہمی کو کالج سے مٹانے میں کرو ہمت
فوائد اس کے جو کچھ ہیں انھیں دو قوم میں شہرت
دکھائی دے نہ فرق اصلاچڑھاؤ سب پہ اک رنگت
یہی راز ترقی ہے اسی میں اپنی ہے عزّت
رہو ہر وقت ہر دم تفرقہ کھونے پہ آمادہ
جو کوئی شکوہ پیدا ہو رہو دھونے پہ آمادہ
معزز طالبانِ علم تم پر ہے مدار اس کا
بڑھاؤ یا گھٹاؤ اپنے ہاتھوں افتخار اس کا
جو سیکھو نیکیاں اس میں بڑھے عزّ و وقار اس کا
ہوں بد اخلاقیاں تم میں تو جائے اعتبار اسکا
تمہیں پر اے عزیزو منحصر کالج کی عزّت ہے
تمہیں پر دوستو اب فرض اس کالج کی خدمت ہے
محبّو سب کو تم قومی کتابیں خوب دکھلاؤ
بنا کر ہم خیال اپنا اثر ہر سمت پھیلاؤ
جو رؤ در رؤ کوئی بحثے تو تم جھگڑے سے کتراؤ
مگر اصلاحِ قومی سے ذرا بھی تم نہ اکتاؤ
کتابیں ہیں بہت سی جن پہ لوگوں کو کرو مائل
کہے دیتے ہیں پر تم سے نہوں ناپاک وہ ناول

یہ نقشہ جس شجر کا ہے سمجھتے ہو کہ یہ کیا ہے

نہال اسلام کا ہے اور خزاں کا اس پہ دورا ہی

نہ اس میں پھول ہے کوئی نہ پھل ہی اور نہ پتا ہے

اسے خون جگر سے مدتوں سید نے سینچا ہے

بڑی محنت سے کوشش سے فقط پھوٹی ہے اک کونپل

عجب کیا ہے خدا کے فضل سے دینے لگے یہ پھل

جناب محسن الملک اب بہت عرصہ سے ہیں کوشاں

سلامت ان کا سایہ مدتوں ہم پر رکھے یزداں

اگرچہ تندرستی کی خرابی رکھتی ہے حیراں

مگر ہمت تو دیکھو مال وجاں کرتے ہیں سب قرباں

حضر ہو یا سفر ہو ان کو اس کی فکر ہے ہر دم

یہ سب کچھ اس لئے ہے تاکہ یہ کالج ہو مستحکم

اُٹھا کر قوم نے چھپّر رکھا ہے ایک کے سر پر

مگر جو کام ہے سو کا وہ ہوگا ایک سے کیوں کر

جو کہنا ان کا مانے قوم تو گزرے نہ لمحہ بھر

در و دیوار پٹ جائیں یہ ہو انبار سیم و زر

کسر جو کچھ رہی ہے دوستو وہ بے زری کی ہے

اسی میں دیر تم نے صاحبو اب تک ذری کی ہے

مسلمانو اگر یہ بات تم نے دل میں ٹھانی ہے

کہ یونیورسٹی ہم کو جدا اپنی بنانی ہے

نہ دولت کی کرو الفت کہ یہ تو آنی جانی ہے

محبت قوم سے ہونا اک ایماں کی نشانی ہے

وہ دولت جمع کرو جس کا ہم میں آج توڑا ہے
کہانی ہے بڑی افسوس لیکن وقت تھوڑا ہے

ہماری قوم میں بھی کچھ رئیسوں کا نہیں گھاٹا
وہ قومی کام میں دیتے بھی ہیں لیکن پڑا کھٹا
وہ ساغر پیش کرتے ہیں جہاں پر کام ہے خُم کا
اسی باعث سے مقصد قوم کا ہوتا نہیں پورا
ان او سوں سے کہیں بھی صاحبو یہ پیاس بُجھتی ہے
جو ساری قوم مل کر دے تو بے وسواس بجھتی ہے
جو رکھی ہمنے کالج کی شکایت بے زری باقی
تو اس نخل تمنا میں جو ڈالی ہے ہری باقی
یہ بیشک سوکھ جائیگی رہے گی نے تری باقی
خدارا اب نہ چوکو گر حمیت ہے ذری باقی
بس اسکے سینچنے میں خون پانی ایک کرڈالو
جو محسن قوم کے ہیں جھولیوں میں اُنکی زر ڈالو
یہ منت ملتجی ہے اے بزرگو قوم کا خادم
کرو مل کر جتن ایسے کہ محشر میں نہ ہوں نادم
رہے دنیا میں عزت اور عقبےٰ بھی رہے قائم
کرو وہ کوششیں جن کے نتیجے نیک ہوں دائم
شجر اسلام کا پھولے پھلے شاداب ہو جائے
یہ سب ادبار قومی اک خیال و خواب ہو جائے

مولانا حالی، مرزا قلیچ بیگ

اکیسواں[۲۱] سالانہ اجلاس منعقدہ کراچی ۱۹۰۷ء[۱]

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اکیسواں اجلاس دسمبر ۱۹۰۷ء میں بمقام کراچی منعقد ہوا۔ شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی نے اس اجلاس کی صدارت فرمائی۔ اجلاس کی دعوت سردار محمد یعقوب خاں وزیر ریاست خیرپور کی طرف سے دی گئی تھی مگر سردار صاحب انعقاد اجلاس سے قبل ہی وفات فرما گئے۔ اور نواب محسن الملک بہادر نے بھی رحلت فرمائی۔ ان دو عظیم سانحوں کے باوجود کانفرنس کے نئے آنریری سکریٹری نواب وقار الملک مشتاق حسین اور جوائنٹ سکریٹری آفتاب احمد خاں نے ہر ممکن تدبیر عمل میں لاکر کراچی (سندھ) میں اجلاس کے انعقاد کو ممکن کر دکھایا۔ خوش قسمتی سے اس وقت ریاست خیرپور کی مسند وزارت آنریبل شیخ صادق علی کو تفویض ہوئی جو اجلاس کو کامیاب بنانے کے لئے پوری قوت عمل کے ساتھ آمادہ ہو گئے۔ ایک انتظامیہ کمیٹی قائم کی گئی جس کے سکریٹری مسٹر علی محمد خاں دہلوی بیرسٹر قرار پائے۔ کانفرنس کی اہمیت اور ضرورت کا اعلان سندھ کمیٹی اور کارکنان کانفرنس کی جانب سے ملک کے گوشے گوشے میں کیا گیا۔ تیرہ سو کے قریب مہمان کراچی آئے جن میں حیدرآباد دکن، میسور، رنگون اور برہما تک کے نمائندے شامل تھے۔

اجلاس کے لئے ایم جیون جی کے پر فضا اور وسیع باغ میں کیمپ قائم کیا

---

[۱] کانفرنس کا بیسواں سالانہ اجلاس ۱۹۰۶ء زیر صدارت جسٹس شرف الدین صاحب ڈھاکہ میں منعقد ہوا۔

گیا تھا۔ یہ جگہ کراچی کی بہترین پر فضا تفریح گاہ تھی۔ کیمپ میں ہر صوبہ کے نمائندوں کے لئے علٰحدہ علٰحدہ قیام گاہوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ ہر کیمپ کے وسط میں ایک بڑا شامیانہ بطور ڈرائنگ روم آراستہ تھا جو باہمی ملاقات کے لئے مخصوص تھا۔ کیمپ میں تار گھر، ڈاک گھر، وغیرہ کی سہولتیں بھی بہم پہنچائی گئی تھیں۔ کیمپ سے ملحقہ گورنمنٹ گیسٹ ہاؤس بھی مہمانوں کے لئے کھول دیا گیا تھا۔

جب یہ انتظامات بھی مہمانوں کے لئے ناکافی ہوئے تو مدرسہ اسلامیہ کراچی میں مہمانوں کے قیام کا انتظام کیا گیا۔

تمام مہمانوں کی مہمانداری ریاست خیرپور کی طرف سے شبانہ روز نہایت سیر چشمی اور سلیقہ کے ساتھ کی گئی۔ سندھ کے کمشنر اور ڈائرکٹر جنرل اور ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم نے بھی شرکت کی اور اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

آنریبل شیخ صادق علی نے کانفرنس کے فنڈ میں پانچ ہزار روپیہ دینے کا اعلان فرمایا جس میں ۳ ہزار روپیہ ہز ہائینس میر خیرپور کی جانب سے اور ۲ ہزار روپیہ زمینداران سندھ کی جانب سے عطا کئے گئے تھے۔

اجلاس کے صدر شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی کی ذات مجمع الصفات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ پانی پت کے ایک انصاری خاندان کے مایہ ناز فرزند تھے اور ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے آٹھ نو برس کی عمر ہی میں ماں باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ ان کے بڑے بھائی خواجہ امداد حسین نے پدرانہ شفقت کے ساتھ پرورش کی۔ سب سے پہلے انھوں نے قرآن کریم حفظ کیا۔ اس کے بعد مولوی جعفر علی سے فارسی اور مجتہد حاجی ابراہیم حسین انصاری سے عربی صرف و نحو کا درس لیا۔ سترہ سال

کی عمر میں ان کی شادی ہوگئی جس کی وجہ سے سلسلہ تعلیم منقطع ہوگیا۔ کچھ عرصہ کے بعد تشنگی علم سے بے قرار ہوکر بغیر اطلاع پانی پت سے دہلی چلے گئے۔ اور مولوی نوازش علی سے جو اس زمانہ کے مشہور واعظ اور بہترین معلّم تھے، عربی صرف و نحو اور منطق کا درس لیتے رہے۔ ۱۸۵۵ء میں اعزا کے اصرار پر ان کو پانی پت واپس آنا پڑا۔ اور ضلع حصار کے دفتر کلکٹری میں کسی آسامی پر مقرر ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی کا آغاز ہوا اور وہ حصار سے پانی پت واپس آگئے۔ چار برس تک مختلف علوم منطق، فلسفہ، حدیث تفسیر کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول رہے۔ اس کے بعد دہلی میں تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھا اور مرزا غالب سے اکتساب علمی و شعری کرتے رہے۔ اسی زمانہ میں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ رئیس دلی و تعلقہ دار جہانگیرآباد کی سرکار سے تعلق پیدا ہوگیا۔ نواب شیفتہ کی صحبت اور مذاق سخن نے ان کے ذوق شاعری کو اُبھارا اور حقیقت پسندی اور واقعہ نگاری کی صلاحیتوں کو اُجاگر کیا۔ پنجاب بک ڈپو میں ملازمت ملنے پر انھیں انگریزی مصنفوں کے خیالات و طرز ادا سے واقفیت پیدا ہوئی جس کے سبب فارسی شاعری اور مشرقی مبالغے کی وقعت دل سے جاتی رہی اور ان کی شاعری میں حقیقت نگاری کا وہ رنگ پیدا ہوا جس نے اُردو میں نیچرل شاعری کو جنم دیا۔

انھوں نے ایسے زمانہ میں آنکھ کھولی تھی جب قوم میں نکبت، افلاس، مایوسی اور جہل کی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ عام جہالت، ناپسندیدہ رسوم، عالمگیر توہمات اور مبتذل اخلاق مسلمانوں پر محیط تھے۔ ان رُوح فرسا حالات کی وجہ سے حقیقت شناس طبیعت کے اندر ہی اندر سوز و گداز کا جو پھوڑا پک رہا تھا بالآخر ایسا ناسور بن کر بہا، جو آخر زندگی تک رسنے سے نہ تھما۔

چنانچہ خود فرماتے ہیں :۔

سینہ کوبی میں رہے جبتک کہ دم میں دم رہا
ہم رہے اور قوم کے اقبال کا ماتم رہا

اس زمانہ میں سر سید احمد خاں سے ان کی ملاقات ہوئی۔ سر سید نے مسلمانوں کے اسباب زوال پر نظم لکھنے کی فرمائش کی۔ اس فرمائش نے اس آگ کو مشتعل کر دیا جو اندر ہی اندر سلگ رہی تھی اور اس کی تعمیل "مسدس حالی" کی شکل میں آہ سوزاں بن کر نکلی جس نے نیم جان قوم اور بےحس قلوب کو چونکا دیا۔ یہ ایک قلبی کیفیت تھی جو دل سے اٹھی اور دلوں میں اتر گئی۔ گزشتہ صدی میں یہ قبول عام کسی تصنیف کو حاصل نہ ہو سکا جو مسدس حالی کو حاصل ہوا۔

وہ نہ صرف ایک باکمال شاعر تھے بلکہ ایک خوش مقال ناثر اور بلند پایہ محقق بھی تھے۔ حیات سعدی اور حیات جاوید ان کی اعلیٰ طرز نگارش اور تحقیقی کاوش کی بہترین مثال ہیں۔

قوم میں اشاعت تعلیم کی فکر ان کو ہمیشہ دامنگیر رہی۔ اس سلسلہ میں انھوں نے سر سید کی تعلیمی تحریک میں جو عملی حصہ لیا اس سے قطع نظر اپنے وطن پانی پت میں ایک مدرسہ لڑکوں کے لئے اور ایک مدرسہ لڑکیوں کے واسطے قائم کیا اوّل الذکر بعد کو "حالی مسلم ہائی اسکول" کے نام سے موسوم ہوا۔

وہ عزت و جاہ کی خواہش سے مستغنی تھے۔ تاہم علمی خدمات کے صلہ میں گورنمنٹ نے ان کو شمس العلما کا خطاب عطا فرمایا۔ انھوں نے ستر برس تک گلشن ہستی کی سیر کی اور ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء کو عالم آخرت کی راہ لی۔

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل اہم ریزولیوشن پاس ہوئے۔

۱۔ سندھ کے مسلمان زمینداروں سے مال گزاری پر فی روپیہ ایک پیسہ تعلیمی ٹیکس لیا جائے اور اس طرح جو روپیہ جمع ہو وہ سندھ کے مسلمانوں کی تعلیم پر خرچ کیا جائے۔

۲۔ سندھ میں مسلمان یتیم بچوں کی پرورش اور تعلیم کے لئے ایک یتیم خانہ قائم کیا جائے۔

۳۔ سندھ کے سرکاری مدارس میں فارسی زبان کی تعلیم کے لئے حتی الامکان مسلمان مدرس مقرر کئے جائیں۔

۴۔ مسلمانان سندھ کی تعلیمی ترقی کے لئے ایک خاص کمیٹی مقرر ہونی چاہیئے جو اس سلسلے میں ہر ممکن کوشش کو عمل میں لائے۔

۵۔ گورنمنٹ، مسلمانوں کی تعداد کے اعتبار سے نادار طلبہ کے لئے وظائف اور معافی فیس کا انتظام کرے۔

۶۔ سندھ میں مسلمان افسر تعلیمات مقرر کئے جائیں۔

۷۔ چونکہ سندھ ایک زراعتی صوبہ ہے اس لئے یہاں کے باشندوں کو علم بیطاری اور سلوتری کے فن کے سیکھنے کی سہولت فراہم کی جائے اور ان کو مدد دی جائے

۸۔ چونکہ پنجاب میں سول انجینیروں کی بہت ضرورت ہے۔ اور محکمہ تعمیر عامہ کے اعلےٰ درجے میں صرف دو مسلمان انجینیر ہیں اس لئے پنجاب گورنمنٹ مسلمان طلبہ کو اس تعلیم کے لئے وظائف دے۔

۹۔ مسلمانان کشمیر کی تعلیمی پستی پر مسلمانان کشمیر اور مہاراجا صاحب کشمیر کی توجہ ضروری ہے۔

۱۰۔ سندھ میں مسلمان اساتذہ اور افسران معائنہ مقرر کئے جائیں۔

۱۱۔ سندھی طلبہ کی تعلیم میں فارسی زبان کی تعلیم بھی شامل کی جائے۔

۱۲۔ سندھ کے ورناکیولر مدارس میں مسلمانوں کے مذہبی احساسات کے موافق کتابیں رائج کی جائیں۔

۱۳۔ سندھ کے مسلم طلبہ اور طالبات کے لئے لائق اور منتخب سندھی اشخاص پر مشتمل "سندھ لٹریچر کمیٹی" قائم کی جائے اور وہ سندھ کے مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے سندھی زبان میں ایسی کتابیں تیار کرے جن میں مذہبی اور اخلاقی مضامین ہوں۔

۱۴۔ سندھ کے میونسپل اور لوکل بورڈ اسکولوں میں ابتدائی تعلیم مفت ہونی چاہیئے۔

۱۵۔ سندھ کے دیہاتی اسکولوں کے نصاب میں ترمیم کی ضرورت ہے

۱۶۔ سندھ میں پانسو روپے سے زیادہ مال گزار زمینداروں کے بچوں پر ابتدائی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔

۱۷۔ بنگال کے ابتدائی مدارس میں جو تعلیمی کتابیں بنگالی زبان کی رائج ہیں ان کی زبان سادہ اور خالص بنگالی نہیں ہے بلکہ اس میں سنسکرت زبان کے الفاظ کثرت سے اور خاص طور سے مخلوط کیئے گئے ہیں چونکہ اس صوبہ کے مسلمان طلبہ کو ان کتابوں کا پڑھنا اور سمجھنا دشوار ہے اس لئے ان تعلیمی کتابوں کی مناسب اصلاح اور درستی کرائی جائے۔

خطبہ صدارت کے دوران خواجہ الطاف حسین حالی نے حسب موقع اشعار پڑھے اور مرزا قلیچ بیگ صاحب نے ایک فارسی قصیدہ پڑھا۔

منظومات حالی

مدراس میں سوتوں کو جگایا جا کر   غل علم کا برہما میں مچایا جا کر
چھائی ہوئی مردنی جہاں قوم میں تھی   واں آب حیات ان کو پلایا جا کر

جس وقت کا دھڑکا تھا وہ وقت آگیا آخر

یاروں پہ مصیبت کا سماں چھا گیا آخر

وہ ملک کا محسن وہ مسلمانوں کا غمخوار

سر کر کے مہم قوم کے کام آگیا آخر

سید کا بدل قوم کو مشکل سے ملا تھا

اس کو بھی وہی قوم کا غم کھا گیا آخر

رہنا تھا زبس قوم کی تقدیر میں بے کس

لکھا ہوا تقدیر کا پیش آگیا آخر

بخت کا پتہ ڈھونڈتا پھرتا تھا مقدر

بخت کا مقدر کو پتا پا گیا آخر

جیتا تھا تو لوگوں کو گمان اس پہ تھے کیا کیا

پر مر کے خلوص اپنا وہ منوا گیا آخر

جو خندہ زنی کرتے تھے ہر کام پہ اُسکے

وہ خون کے آنسو اُنھیں رُلوا گیا آخر

یوں جیتے ہیں یوں مرتے ہیں قوموں کے فدائی

دنیا کو تماشا یہ وہ دکھلا گیا آخر

مہدی کے لئے قوم عزادار ہے ساری

کہرام ہے کشمیر سے تا راس کماری

زمانہ دیر سے چلا رہا ہے اے مسلمانو

کہ ہے گردش میں میری غیب کی آواز پہچانو

سنا تم نے نہ ہو قولِ نبی گر شان میں میری

تو اب سُن لو کہ ہوں میں شان ربانی مجھے مانو

وہ ناصح اور ہونگے جن کا کہنا ٹل بھی جاتا ہے
اگر میری نہ مانو گے تو پچھتاؤ گے نادانو

مری بازی کا منصوبہ گیا کب کا پلٹ یارو
خبر تم کو بھی ہے کچھ لے مری چالوں سے بیگانو

گئے وہ دن کہ ثروت باپ دادا چھوڑ جاتے تھے
بس اب ثروت ہے مزدوروں کا حصہ آتن آسانو

گئے وہ دن کہ لاکھوں بے ہنر یاں عیش کرتے تھے
ہوا ہے بے ہنر جینا بھی اب مشکل مری جانو

نصیحت میری مانو اب بھی اپنی ہٹ سے باز آؤ
پھری جس وقت دیکھو میری چتون تم بھی پھر جاؤ

گیا دورہ حکومت کا بس اب حکمت کی ہے باری
جہاں میں چار سو علم و عمل کی ہے عملداری

جنہیں دنیا میں رہنا ہے رہے معلوم یہ اُن کو
کہ ہیں اب جہل و نادانی کے معنی ذلت و خواری

ضرورت علم و دانش کی ہے ہر فن اور صناعت میں
نہ چل سکتی ہے اب بے علم نجاری نہ معماری

جہاں علم تجارت میں نہ ماہر ہوں گے سوداگر
تجارت کی نہ ہوگی تا قیامت گرم بازاری

نہ آئیگی پسند ان نوکروں کی خدمت و طاعت
جنھیں پائیں گے آقا زیور تعلیم سے عاری

کوئی پیشہ نہیں اب معتبر بے تربیت ہرگز
نہ فصادی نہ جراحی نہ کحالی نہ عطاری

جہانتک دیکھیے تعلیم کی فرماں روائی ہے
جو سچ پوچھو تو نیچے علم ہے اُوپر خدائی ہے
گئے وہ دن کہ تھا علم و ہنر انساں کا اک زیور
ہوئی ہے زندگی اب منحصر خود علم و دانش پر
کوئی بے علم روٹی سیر ہو کر کھا نہیں سکتا
نہ زرگر اور نہ آہنگر نہ بازی گر نہ سوداگر
مہندس چاہیے مزدور اب اور راج اقلیدس
بس اب دنیا میں بے علموں کا ہے اللہ ہی یاور
گئے وہ دن کہ تھے محدود کام انسان کے سارے
برابر تھا بئے کا گھونسلا اور آدمی کا گھر
یہ دورہ ہے بنی آدم کی روز افزوں ترقی کا
جو آج اک کام ہے اعلیٰ تو کل ہے اس سے اعلیٰ تر
نہ تھا غیر از ترقی فرق کچھ انسان و حیواں میں
دیا ہے امتیاز انساں کو یہ تعلیم نے آکر
زمانہ نام ہے میرا تو میں سب کو دکھا دوں گا
کہ جو تعلیم سے بھاگیں گے نام ان کا مٹا دونگا

جو اپنے ضعف کا کچھ کرتی نہیں تدارک تو ہیں وہ چند روزہ دنیا میں میہماں ہیں
گھڑیال اور مگرمچھ ہیں انکو نگلے جاتے دریا میں مچھلیاں جو کمزور و ناتواں ہیں
سنبھلو وگرنہ رہنا یاں اس طرح پڑے گا
بھیل اور گونڈ جیسے گمنام و بے نشاں ہیں

قصیدہ فارسی

از مرزا قلیچ بیگ

مرحبا اے صاحبان ہند ذوالعز و وقار
مرحبا اے اہل علم و عقل و حکم و اختیار

شد ز تشریف شما ہم سندہ را حاصل شرف
شد ز تدبیر شما ہم سندیاں را افتخار

می شنیدیم از زبان خلق تعریف شما
بہر تعظیم شما بس می کشیدیم انتظار

شکر للہ شد نصیب ما ملاقات شما
ہست لیکن بر دل ما داغ حسرت لالہ وار

در فراق محسن الملک آں نواب محترم
با دل افگار ہستیم اشک بار و سوگوار

چونکہ محرومیم از دیدار فیض آثار او
می کنیم افسوس از دل اے عزیزاں صد ہزار

رحمت حق بر روانش باد تا روز جزا
بہ کہ اکنوں عرض بگذاریم احوال فگار

گرچہ با فتح عرب اسلام از ینجا شد شروع
ہست در اقلیم ہند امروز حال سندہ زار

ماندہ در علم و ہنر پس تر ز دیگر ملکہا
آمدہ در سیم و زر مفلس تریں از ہر دیار

طاقت خدمت گزاری کاش اگر می داشتیم
بر شما بے شک ہمی کردیم گوہر ہا نثار

ما نیاوردیم یاراں شرط مہمانی بجا
زاں سبب پیش شما ہستیم از بس شرمسار

بلکہ با ایں مفلسی و عجز۔ با اخلاص دل
از شما داریم ما اُمید ہائے بے شمار

حق شمارا دولت علم و عمل کردہ عطا
واجب آمد تا دراں سازید ما را حصہ دار

در زکوٰۃ علم ما ہستیم یاراں مستحق
زاں سبب گشتیم در جود شما امیدوار

عمر ہا شد خواب خرگوش است ما را دوستاں
وقت بیداریست۔ بنمائید ما را ہوشیار

کارواں رفت و میاں دشت بس ماندیم ما
خضر راہ ما شوید آرید ما را بر کنار

در ترقی دیگراں شد در تنزل روئے ما
ہمتے اے دوستاں وقتِ مدد باشید یار

صاحباں کوشید در تعلیم و در تادیب ما
مشورت سازید بہر ما در ایں اصلاح کار

تا مگر چوں دیگراں بہتر شود ہم حال ما
آید از لطف شما بے قراراں را قرار

ما ہمہ مرہون احسان شما خواہیم شد
با دل و جاں خیر خواہ و مدح خوان و حق گزار

بیش ازیں لازم نباشد عرض احوال اے قلیچ
سامعاں ہم دیں و ہمدردند و غمگیں غمگسار

منشی یعقوب الحسن، ایڈیٹر مشورہ جبل پور

چوبیواں[24] سالانہ اجلاس منعقدہ ناگپور ۱۹۱۰ء

کانفرنس کا چوبیسواں سالانہ اجلاس ۱۹۱۰ء میں بمقام ناگپور منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت علامہ عبداللہ ابن یوسف علی بیرسٹرایٹ لا، آئی، سی، ایس، ڈپٹی کمشنر سلطان پور نے فرمائی۔ ناگپور میں اجلاس منعقد کرنے کی دعوت رنگون کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۱۹۰۹ء میں ہی خان بہادر مولانا ایچ ایم ملک رئیس مہدی باغ (ناگپور) نے دی تھی۔ اجلاس کے لئے استقبالیہ کمیٹی کے صدر نواب خان بہادر اسلام اللہ خاں رئیس دیول گھاٹ (صوبہ برار) منتخب ہوئے یہ پہلا موقع تھا کہ صوبہ کی سرکار کی جانب سے ہر سرکاری ملازم کو کانفرنس کی شرکت کی باضابطہ طور پر اجازت دی گئی۔

کانفرنس کیمپ انجمن ہائی اسکول ناگپور کے وسیع احاطہ میں قائم کیا گیا اور قرب وجوار کی سرکاری عمارتیں مہمانوں کے قیام کے لئے تجویز ہوئیں۔

شرکت کرنے والے ڈیلی گیٹوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی۔ شرکائے اجلاس میں سب سے نمایاں شخصیت ہز ہائنس سر آغا خاں کی تھی۔

عبداللہ بن یوسف علی، ۴ راپریل ۱۸۷۲ء کو سورت میں پیدا ہوئے انھوں نے بمبئی میں تعلیم حاصل کی اور ۱۸۹۰ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد وظیفہ قابلیت لے کر انگلستان گئے جہاں کیمبرج یونیورسٹی سے ایم۔ اے اور ایل ایل ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد بیرسٹری کا امتحان

پاس کیا، سول سروس کے امتحان میں اوّل درجے میں کامیاب ہوئے۔ واپسی پر صوبہ جات متحدہ آگرہ و اودھ میں مختلف اضلاع میں بحیثیت اسسٹنٹ کلکٹر، فرائض انجام دیئے۔ پنشن سے قبل وہ گورنمنٹ آف انڈیا میں انڈر سیکرٹری اور ڈپٹی سکریٹری کے مناصب پر بھی فائز رہے اور ضلع فتحپور سے پنشن پاکر ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔ کچھ عرصہ ریاست حیدرآباد میں بھی صدر المہام مالگزاری کے رفیع منصب سے سرفراز رہے نیز اسلامیہ کالج لاہور کی پرنسپلی کے عہدہ پر مامور ہوکر مسلمانوں کی بیش بہا قومی و تعلیمی خدمات انجام دیں۔ وہ عربی فارسی اُردو زبانوں کے علاوہ انگریزی ادب اور لٹریچر میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ ہندی، گجراتی، مرہٹی زبانوں پر بھی علمی حیثیت سے عبور حاصل تھا۔ فرانسیسی اور لاطینی زبانوں سے بھی واقف تھے۔ علامہ عبداللہ ابن یوسف علی کو مسلمانوں کی تعلیمی و علمی ترقی سے بہت دلچسپی تھی۔ چنانچہ اس سلسلے میں انھوں نے قابل قدر علمی خدمات انجام دیں۔ مسلم ثقافت اور تاریخ پر کئی کتابیں لکھیں۔ قرآن کریم کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔ ۱۹۵۴ء میں لندن میں انتقال ہوا۔

ان کا خطبہ صدارت ایک علمی دستور العمل کا مرتبہ رکھتا ہے انکے نزدیک

"تعلیم کو عمل کے ساتھ وہی مناسبت ہے جو ہراول فوج کو لڑنے والے سپاہیوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ ایک اچھے مخبری محکمہ کے بغیر بہادر سے بہادر اور پورے طور پر مسلح فوج بیکار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وہ عمل جس میں اچھے تعلیم یافتہ اشخاص کی رہنمائی نہ ہو بے ثمر رہ جاتا ہے یا در اصل مضر ہو جاتا ہے۔

"تعلیم کا ذکر بطور ایک غیر محسوس شے کے کرنا غلطی ہے۔ اس کی بنیاد ہمیشہ زندگی کے محسوسات پر ہونی چاہیئے۔ تعلیم میں ہر قسم کے دماغی اور تمدنی تغیرات و تبدلات کا لحاظ ہونا چاہیئے۔ جن واقعات کی نسبت طالب علم کو تحقیق کرنی پڑتی

سے اور جن دقتوں کا ان کو مقابلہ کرنا پڑتا ہے وہ مختلف اوقات اور مختلف حالات کے لحاظ سے تبدیل ہوتی رہتی ہیں چنانچہ کوئی اخلاقی و مذہبی قانون اور رسم جس کا انسانی عمل سے تعلق ہے مکمل نہیں کہا جا سکتا جب تک اس میں مترادف اثرات اور خواہشات اور مختلف آرا کے اتحاد کا مادہ نہ ہو۔

" بہترین تعلیمی جماعت کا مقصد یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ لوگ جو معمولاً کام کرنے کے قابل سمجھے جاتے ہیں انھیں کو زیادہ قابل بنایا جاوے۔ بلکہ ان لوگوں کو بھی جو کہ کام کرنے کے قابل معمولاً نہیں سمجھے جاتے اس امر کا استحقاق اور موقع دیا جائے کہ وہ ایک پیچیدہ اور شائستہ جماعت کے کام میں حصہ لے سکیں اور ترقی کر سکیں اور اس کی مختلف ضروریات اور فرائض پورے طور سے ادا کر سکیں۔

تعلیم نسواں کے متعلق انھوں نے فرمایا

" ذکور اور اناث کی مساوات تمدنی ترقی کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔ ہمارے بھائیوں کی اور ہماری آئندہ نسلوں کی بہبودی اس امر پر منحصر ہے کہ ہماری مائیں، بہنیں، بیویاں اور بیٹیاں علم اور اجتماعی تجربہ میں اگر ہم سے زیادہ نہ ہوں تو مساوی ضرور ہوں کسی شادی میں زن و شو کے درمیان اگر عمر کا تفاوت بہت نمایاں ہوتا ہے تو وہ نہایت معیوب سمجھا جاتا ہے اور اس کا معیوب سمجھا جانا حق بجانب بھی ہے تو کیا پبلک کو اس سے زیادہ اظہار تنفر اس حالت میں نہ کرنا چاہیئے جب کہ ایک ہی جماعت کے ذکور و اناث میں جسمانی دماغی اور تمدنی تعلیم کے مواقع کا فرق ایک مضحکہ خیز درجہ تک پہنچا ہوا ہے "

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیشن پاس ہوئے۔

۱۔ قومی جلسوں میں علمائے دین کو شریک کیا جائے۔

۲۔ مشرقی بنگال میں ایک سینیر مسلمان افسر بحیثیت معاون و مشیر ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم مقرر ہو تاکہ وہ مسلمانوں کی ضروریات کے موافق مشورہ دیا کرے۔

۳۔ کراچی اور رنگون کے اجلاسوں میں مسلمانان کشمیر کی تعلیم سے متعلق جو ریزولیوشن پاس ہوئے تھے ان کے متعلق مہاراجا کشمیر کو توجہ دلائی جائے۔

۴۔ قیدیوں کی تعلیم کی تجویز سے اتفاق رائے کیا۔

۵۔ صوبہ سرحد کے مسلم طلبہ کے لئے خاص وظائف مقرر کیے جائیں۔ فیس میں کمی کی جائے۔ گورنمنٹ کی طرف سے مڈل اسکول کھولے جائیں اور پرائمری اسکولوں کی تعداد بڑھا دی جائے۔

منشی یعقوب الحسن ایڈیٹر "مشورہ" جبل پور نے مندرجہ ذیل قومی نظم پڑھی۔

نظم

واہ اے قلب زار و سودائی — خوب تاثیرِ عشق دکھلائی
اللہ اللہ یہ جلوہ آرائی — مجمع حُسن و شانِ یکتائی

جمع دلدادگان جلوۂ ہوش
رند مے نوش و شیخ بادہ فروش

بادل اُٹھے ہیں اُودے اور کالے — جمع ہیں خم کے گرد متوالے
ابرِ رحمت سے پانچ دس جھالے — ہُن برس جائے ہاں کرم ڈالے

رندِ روزِ الست بیٹھے ہیں
مئے عرفاں کے مست بیٹھے ہیں

عشق بازانِ حُسن طلعت قوم — فکر سازانِ دفعِ کلفتِ قوم

ساقیانِ شرابِ اُلفتِ قوم — مے گُساران خُمِ رحمت قوم
منتظر ہیں کہ کچھ کرم ہو جائے — پیالہ رندوں کا جامِ جم ہو جائے
جمع ہیں میہمانان کانفرنس — شاد ہیں میزبان کانفرنس
ہے ترقی پہ شان کانفرنس — آئے پیرِ مغان کانفرنس

کامرانی ہو دورِ ساغر سے
بدلیوں سے شراب ہی برسے

میکشو! ہاں بس اب قدم اُٹھیں — ہاتھ ساغر پہ دمبدم اُٹھیں
رند اک اک نہیں بہم اُٹھیں — ہاتھ اٹھیں تو جام جم اُٹھیں

مے کشو! نام چار سو ہو جائے
پیرِ مے خانہ سرخرو ہو جائے

زاہدوں کو نہ دیکھو اور بھالو — ہاتھ جیبوں میں تو ذرا ڈالو
بادۂ حُبِّ قوم پی ڈالو — ہاں "بگیر و بنوش" متوالو

رند! ہاں محوِ مے پرستی ہوں
ہم پئیں بدلیاں برستی ہوں

قوم اے قوم مستِ غفلتِ خواب — رات گزری وہ چھپ گیا مہتاب
دیکھ نکلا وہ مہرِ عالم تاب — بھر کے ساقی نے رکھا جامِ شراب

حُسنِ ساقی سے روشنی پھیلی
دھوپ ہے جس کے سامنے میلی

قوم اے قوم تجھ میں جوش نہیں — مے پئے ہی بغیر ہوش نہیں
کام کے تیرے چشم و گوش نہیں — اُف صدائے "بدہ بنوش" نہیں

بادۂ علم سے رہے محروم
وائے بر قوم و حیف قسمتِ شوم

قوم اے قوم میری پیاری قوم　　عاشق و محو نقش صورت نوم
گزرے جاتے ہیں یونہی ساعت یوم　　فکر دنیا نہ شغل طاعت و صوم
کب تلک آہ ایسی بے خبری
شمع قومی ہے شمعِ سحری

ہائے تیری یہ کیا ہوئی حالت　　مبتلائے مصیبت و آفت
تیرے قصے فسانۂ عبرت　　قوم اے قوم شرم اور غیرت
اے مسلمانو پہلے تم کیا تھے
اب ہو کیا اور ہو گے کیا آگے

پہلے تم ہی تھے تاجدار جہاں　　پہلے تم ہی تھے افتخار جہاں
پہلے تم ہی تھے نامدار جہاں　　پہلے تم ہی تھے زردار جہاں
پہلے ڈنکے تمہارے بجتے تھے
راج پہلے تمھی تو کرتے تھے

قوم پہلی وہ تیری شوکت و شاں　　کیا ہوئی۔ اب کہاں وہ نام و نشاں
پہلے تو تھی حکیم اب ناداں　　ہائے اے قوم تیرا خواب گراں
کاش مجھ کو تو موت آجاتی
تیری حالت نہیں کہی جاتی

قوم پہلے تھا تیرے فرق پہ تاج　　اب تو تو ہے گداگر و محتاج
اُف سلاطین سے لے جو قوم خراج　　آج پائے نہ بھیک تکعشہ اناج
ہائے اے قوم تو فقیر ہوئی
مفلسی اک طرف حقیر ہوئی

وہ مسلماں ہیں زیر خاک نہاں　　کارنامے ہیں جنکے نام و نشاں

ان کی اولاد ہم چو گم شدگاں حیف شرم است اے مسلماناں
خوب رسوا کنانِ قوم ہوئے
ہم تو آفت بہ جان قوم ہوئے

قوم اونے سی اک ضرورت ہے میں کہوں تجھ میں گر حمیت ہے
سخت اب درستی کی حاجت ہے قومی تعلیم کی ضرورت ہے
گر ہو ہمت تو جوش دکھلا دو
اس کو قائم ہی کر کے بتلا دو

دَور آیا ہے اب ترقی کا اس میں کیا تیرا کچھ نہیں حصہ
قوم تو سوئے جاگے سب دنیا نیند سے چونک اب تو بہر خدا
خوانِ یغما پہ لوگ ٹوٹ پڑے
تو نہ ہو اور ایسی لوٹ پڑے

مگر ہاں تم سے ہو نہیں سکتا یہ بھی تھا اک غلط خیال مرا
قوم وہ قوم جو کہ ہو مُردا اس سے اُمید رکھنا ہے بیجا
ہے ز دست تو سینہ چاک شدم
اُف ز سوزِ غم کہ خاک شدم

قوم اُے قوم تیرے افسانے سُنے جاتے ہیں نے کہے جاتے
یہ تغافل یہ نیند کیا کہیئے ہاں بس اب سوز قوم پھونک مجھے
الوداع اے قرار دردِ دلم
رخصت اے صبر سینہ چاک کنم

ٹھیرا ے جوشِ وحشت دلِ زار اے حسن بڑھ نہ جائے یہ آزار
قوم شاید کہ ہووے پھر ہشیار ہاں ذرا ساقیان جوش آثار

بادۂ حُبِّ قوم چھلکا دیں
بے خودوں کو ذرا تو چونکا دیں

قوم اے قوم ہاں وہی سطوت　　قوم اے قوم ہاں وہی سیرت
جلوہ آرا ہو پہلی سی صورت　　قوم اے قوم ہاں وہی ہمت

ہاں بزرگوں کے نام روشن کر
وادیٔ قوم پھر سے گلشن کر

اے سخاوت کے تیز رَو دریا　　ہاں ذرا اس طرف کو بھی بہ آ
آج ایسی روانیاں دکھلا　　جس طرح رودِ نیل کا دھارا

ہاں ذرا جوش سے مدد لے کر
قوم اے قوم آگے پاؤں تو دھر

بے نظیر شاہ وارثی۔ اسمٰعیل میرٹھی۔ علامہ اقبال۔ خواجہ کمال الدین

پچیسواں (۲۵) سالانہ اجلاس منعقدہ دہلی (۱۹۱۱ء)

کانفرنس کا پچیسواں سالانہ اجلاس ۱۹۱۱ء میں بمقام دہلی منعقد ہوا اس اجلاس کے صدر ہز ہائی نس سر سلطان محمد شاہ آغا خاں (سویم) منتخب ہوئے تھے مگر وہ بوجوہ دیگر مصروفیات شرکت نہ کر سکے اس لئے جلسہ کی صدارت کے فرائض نواب عماد الدولہ عماد الملک بہادر مولوی سید حسین بلگرامی نے انجام دیئے۔ اجلاس کے لئے عربک اسکول کی وسیع عمارت اور اس کا ملحقہ فراخ اور کشادہ میدان حاصل کیا گیا۔ عمارات مدرسہ کی صفائی، میدان کی درستی، اس میں ڈیروں اور خیموں کے سنٹر قائم کرنے اور پنڈال کی تعمیر و تزئین پر مہینوں کام ہوا۔ وہ مقام جو کچھ عرصہ پہلے چٹیل میدان تھا، شاہانہ عمارات کے ساتھ خیموں کا ایک خوبصورت اور دلآویز شہر بن گیا۔ جب اس پنڈال میں اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی تو اس سے گویا دربار شاہی کی شان و شوکت کا اظہار ہوتا تھا جس کے پلیٹ فارم پر نواب، مہاراجے، امیر الامرا، شہزادے، ارکان حکومت، قدیم اور جدید علوم کے تعلیم یافتہ غرض ہر درجہ اور طبقے کے اصحاب زینت دہ انجمن تھے۔

اس اجلاس میں مسٹر ایچ شیلروز۔ پرسیغہ تعلیم گورنمنٹ ہند نے مسلم یونیورسٹی کے قیام کی تجویز سے اظہار ہمدردی فرمایا اور قوم کو فنڈ مہیا کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ اور مہاراجہ دربھنگہ کی طرف سے بیس ہزار روپیہ کے عطیہ کا اعلان کیا۔ مہاراجہ صاحب بنفس نفیس اس اجلاس میں رونق افروز تھے۔

ہز ہائی نس سرکار عالیہ نواب سلطان جہاں بیگم والیۂ بھوپال نے صیغہ تعلیم نسواں کی صدارت فرمائی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ ایک مسلم پبلک جلسہ میں عوام کے دوش بدوش بیٹھ کر ایک فرماں روا اور والئ ملک کی حیثیت سے قوم کی بہبودی مسائل میں سرکار عالیہ نے حصہ لیا۔

مہاراجہ بڑودہ نے بھی اپنی تشریف آوری سے اس اجلاس کو رونق بخشی۔

صدر منتخب آغا خاں کے حالات سولھویں اجلاس منعقدہ ۱۹۰۲ء کے ضمن میں اور صدر اجلاس نواب عماد الدولہ عماد الملک بہادر مولوی سید حسین بلگرامی کے حالات چودھویں اجلاس منعقدہ ۱۹۰۰ء کے ضمن میں درج کئے جا چکے ہیں۔

صدر منتخب ہز ہائی نس سر آغا خان نے اپنے مختصر خطبہ میں فرمایا

"ہم کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارا پہلا فرض ہے کہ ہم اسلامی روح کو زندہ اور تر و تازہ رکھیں۔ ہم کو ہمیشہ اپنے اسلاف کی پاک مثالوں کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اسلام کا سچا اور اصلی جوہر اس کی پاک تعلیمات، عمل کی سچائی اور روحانی تعلیم ہے۔ افسوس ہے کہ آخری نسلیں غلط فہمی سے اس پاک تعلیم کو فراموش کر رہی ہیں یہ ہمارا فرض ہے کہ اس غلطی کی اصلاح کریں اور یہ ثابت کر دیں کہ ہم کم از کم اپنے محبوب مذہب کی سچی ماہیت سے بے بہرہ نہیں ہیں۔ ہم کو گذشتہ زمانے سے سبق حاصل کرنا چاہیئے اور اسلام کی اخلاقی اور ذہنی قوتوں میں رُوح پھونکنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

میرا اس بات پر پورا یقین ہے کہ ابتدائی تعلیم مفت اور جبری ہونی چاہیئے اور یہ ایسے طریقہ سے دی جائے کہ آبادی کے لحاظ سے ہندوستان کی قلیل سے قلیل اور بڑی سے بڑی جماعتیں اس سے یکساں طور پر مستفید ہوں۔

آپ اس بات کو بھی اچھی طرح سے سمجھ لیں کہ پرائمری تعلیم کا انتظام تا وقتیکہ مفت اور جبریہ نہ ہو اور اس میں آپ کی دیسی زبان کی تعلیم کا انتظام نہ ہو آپ کی قوم کے لئے زیادہ مضر ہوگا۔

میں نے اکثر صنعتی اور تجارتی تعلیم کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

انھوں نے ارشاد فرمایا

"حضرات۔ وہ کیا ایثار علی النفس تھا جو صحابہ رسول اللہ صلعم نے اپنی ذات پر کیا؛ اور وہ کیا ایثار اور قربانی کی مثالیں تھیں جو حضرت فاروق اعظم رض کی خلافت کے بعد تک ظاہر ہوتی رہیں۔ ہم سب نہایت فخر سے اندلس و بغداد کے شاندار کارناموں کو یاد کرتے ہیں۔ ہم کو ایثار اور قربانی کے اس جوش کو ہرگز نظر انداز نہ کر دینا چاہیئے جس کی بدولت پہلی صدی کے مسلمانوں کو تاریخ میں بقائے دوام حاصل ہوئی۔ ہم کو ان زندہ جاوید مثالوں سے سبق حاصل کرنا چاہیئے اور اسلام کی اس شان وشکوہ کے نور کو جو اب ماند پڑتا جاتا ہے برقرار رکھنے اور اس میں جلا اور روشنی پیدا کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا چاہیئے۔ میں آپ سے صاف صاف کہتا ہوں کہ اگر ہم نے اپنی دولت' اپنی آمدنی' اپنے وقت اور اپنے جوش اور خیالات کی ضروری قربانی نہ کی تو

وہ دن دور نہیں جب کہ ہم کو نہایت شرمناک اور ناقابل علاج ناکامی اور تباہی کا سامنا ہوگا۔

صدر اجلاس نواب عماد الدولہ عماد الملک مولوی سید حسین صاحب بلگرامی نے اپنے خطبہ صدارت میں تعلیم نسواں کے متعلق ارشاد فرمایا۔

"ہم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جب تک ہم مسئلہ تعلیم نسواں کو حل نہ کر سکیں

گے ہم صحیح معنوں میں کوئی ترقی نہ کر سکیں گے، ہماری حالت رو بہ اصلاح نہ ہو سکے گی۔ اور ہماری قوم کو اخلاق کے متعلق کوئی دائمی اور مستقل فروغ نہ حاصل ہو سکے گا۔ مجھ کو ایک زمانہ میں مسلمان لڑکیوں کی تعلیم سے کام پڑا ہے اور مجھ کو ہمیشہ یہی نتیجہ نکالنا پڑا کہ لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیاں زیادہ تربیت پذیر ہوتی ہیں اور مجموعی حیثیت سے مقابلۃً زیادہ زود فہم اور محنت شعار ہوتی ہیں اور اپنے استادوں کی خوشنودی حاصل کرنے کا اور کام کو عمدہ طریقہ سے انجام دینے کا لڑکیوں کو زیادہ شوق ہوتا ہے کیا یہ افسوس کا مقام نہیں ہے کہ ایسا عمدہ سرمایہ اس طرح یوں برباد ہو جائے؟"

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیوشن پاس ہوئے

۱۔ کلکتہ مدرسہ کو ترقی دے کر اسلامیہ کالج بنا دیا جائے

۲۔ مہاراجا کشمیر اپنی مسلمان رعایا کی اعلیٰ تعلیم کی طرف توجہ فرمائیں جو تعداد کے لحاظ سے نوّے (۹۰) فی صدی ہے۔

۳۔ مسٹر گوکھلے کی ابتدائی تعلیم کے بل کے اصول جبریہ سے اتفاق رائے ہے بشرطیکہ مسلمانوں کی ضرورتوں اور مقاصد کی پوری حفاظت کی جائے۔

اس اجلاس میں بے نظیر شاہ وارثی نے ایک نظم اور علامہ اقبال کے کچھ اشعار پڑھے، مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی کی ایک نظم "نوائے زمستان" پڑھی گئی۔ خواجہ کمال الدین نے بھی اپنے لکچر میں کچھ اشعار پڑھے۔

خطاب بحضور سلطان جہاں بیگم والیۂ بھوپال

(از بے نظیر شاہ وارثی)

تیری جو عنایت ہے سلطان جہاں بیگم　　اپنی بڑی قسمت ہے سلطان جہاں بیگم

اس وقت جو زینت ہے سلطان جہاں بیگم — سب تیری بدولت ہے سلطان جہاں بیگم

نسواں کی ترقی کا بیڑا جو اُٹھایا ہے — تیری ہی یہ ہمت ہے سلطان جہاں بیگم

گو مستعد اس پہ اب کچھ اور بھی ہوں لیکن — تجھ کو ہی فضیلت ہے سلطان جہاں بیگم

نسواں تو یہ کہتی تھیں، اب مرد بھی کہتے ہیں — اللہ کی رحمت ہے سلطان جہاں بیگم

ہر نہی سے نافر ہے پابند اوامر ہے — کیا تیری طبیعت ہے سلطان جہاں بیگم

رہ پاک و پسندیدہ بندی تو ہے خالق کی — باندی تری عصمت ہے سلطان جہاں بیگم

جو کام کئے تو نے مردوں سے نہ ہو سکتے — کہنے کو تو عورت ہے سلطان جہاں بیگم

نسواں میں جہالت ہے، تعلیم کی حاجت ہے — ہاں تیری ضرورت ہے سلطان جہاں بیگم

جو قوم کی حالت ہے معلوم ہے سب تجھکو — کیا کہنے کی حاجت ہے سلطان جہاں بیگم

مخلوق کی خدمت ہے اللہ کی خدمت ہے — یہ حکم رسالت ہے سلطان جہاں بیگم

دارا و سکندر کو جو زیر زمیں دیکھا — دولت ہے نہ حشمت ہے سلطان جہاں بیگم

کوئی نہ رہا آخر نیکی ہی رہی باقی — سچی یہی دولت ہے سلطان جہاں بیگم

تقدیر ازل کیا ہے دم بھر میں خدا جانے — جو دم ہے غنیمت ہے سلطان جہاں بیگم

کیا فخر زمانہ ہیں یہ جملہ خواتین بھی — تجھ سے جنھیں الفت ہے سلطان جہاں بیگم

موجود ہو تو ہم میں پھر بھی رہیں ہم غم میں — یہ کیسی مصیبت ہے سلطان جہاں بیگم

ہو لیتے ہیں رخصت ہم سب یہ دعا دیکر — کل چلنے کی رخصت ہے سلطان جہاں بیگم

خوش تجھسے رہے خالق تو خوش رہے خالق سے — ہم سب کی یہ دعوت ہے سلطان جہاں بیگم

نوائے زمستاں

از مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی

سوار جہاں گرد خورشید رخشاں — گیا تا جدی جب بہ تقدیر یزداں

تو ماہ دسمبر کی پچیسویں کو
ہوا جانب استوا گرم جولاں

مگر استوا پر نہ ٹھہرے گا ہرگز
کرے گا سفر تا گزرگاہِ سرطاں

نہیں خطِ سرطاں بھی جائے توقف
وہاں سے بھی پلٹے گا افتاں و خیزاں

رہیگی اسی طرح اس کی تگ و دو
کہ ہے گردش گوئے محکوم چوگاں

کبھی بقعۂ نور ارض جنوبی
کبھی سرزمیں شمالی درخشاں

اگر ایک جانب خزاں کا عمل ہے
تو ہے دوسری سمت فصل بہاراں

اگر صبح دم شرق ہے اس کا منظر
تو ہے شام کو غرب اس کا شبستاں

کہیں دن ہے مستور ظلمات شب میں
کہیں رات دن کی تجلّی میں پنہاں

کسی منطقہ میں ہے گرمی کی شدت
کسی جا ہے آغاز فصلِ زمستاں

جو سوچو تو یہ اختلافات مبین
ہیں دراصل آثار الطاف رحماں

کرو حمد خلاق عالم کہ جس نے
بنائے مہ و مہر و مرّیخ و کیواں

چنی دست قدرت نے کن خوبیوں سے
جبین فلک پر ستاروں کی افشاں

زمیں کے کرّہ پر کئے اس نے پیدا
جماد و نبات اور انسان و حیواں

پھر انساں کو اپنا خلیفہ بنایا
کیا اس کو مامور انصاف و احساں

سنو عدل اقرار توحید حق ہے
اور احساں ہے تصدیق و تکمیل ایماں

زباں سے بھی دل سے بھی افعال سے بھی
کرو پہلے ثابت کہ ہم ہیں مسلماں

مسلمان کامل کی ہے کیا نشانی
کرے خدمت خلق تا حدِّ امکاں

مگر ایسی خدمت کہ پُر منفعت ہو
نہ ایسی کہ جس کا نتیجہ ہو نقصاں

گدایان مبرم کو گر آج دوگے
تو پاؤ گے کل صبح پھر ان کو نالاں

نہ دیتے تو کچھ یہ بھی کھاتے کماتے
یہ دنیا ہے مستلزم قتل انساں

جو منگتے گدا ہیں تو دانا گداگر
گداگر کے معنی انھیں پر ہیں چسپاں

گدایان ملتان کی شہرت تھی آگے | مگر اب تو ہر شہر قصبہ ہے ملتاں
ذرا جمعہ کے روز مسجد میں دیکھو | کہ ہر صف میں ہیں کتنے سائل خراماں
خطیب اور واعظ کو ہوتی ہے دقت | مچاتے ہیں جب شور پھیلا کے داماں
نہیں ان سے خالی گلی اور کوچے | نہیں ان سے محفوظ بازار و دکاں
نہیں کوئی ہنگامۂ شادی و غم | نہ ہو جس میں جوش و خروش گدایاں
ترقی پہ ہے مفت خوری کا پیشہ | گدائی کا سیلاب ہے رو بطغیاں
انھیں کھو دیا دین و دُنیا سے تم نے | ہزار آفریں ہے کیا خوب احساں
نہیں جور دشمن کی حاجت کچھ اس کو | کہ جس قوم کے ہوں شفیق ایسے ناداں
غلط بخشیوں نے بنایا اپاہج | ہے اور دل کے کندھے پہ اک نعش بیجاں
مبرّات خیرات ہرگز نہیں یہ | بہ فتوائے عقل و بفحوائے قرآں
لہو قوم کا جو پیے جونک بن کر | تو امداد اس کی ہے بد تر ز عصیاں
جو دی ایک کوڑی بھی نامستحق کو | چبھویا غریبوں کے پہلو میں پیکاں
حقیقت میں محتاج امداد ہیں جو | نہیں ان کے احوال کا کوئی پرساں
کوئی آستیں اُن کے آنسو نہ پونچھے | ہے اشک مصائب سے نم جنکی مژگاں
دلوں ہی میں گھٹاتے ہیں جوش اُنکے نالے | لبوں سے نکلتی نہیں ان کی افغاں
لباس اور خوراک ان کی نہ پوچھو | دم آب حاصل نہ پیدا لب ناں
نہ گرمی میں چادر نہ جاڑے میں کملی | نہ ثابت ہے دامن نہ سالم گریباں
نہ تنکے نہ پتے کہ تاپیں جلا کر | نہیں مہرباں کوئی جز مہر تاباں
کرے کون یاد اُن کی وقت ضیافت | کرے کون اُن کی جڑاول کا ساماں
وہ گرمی میں ہیں مثل ماہی تڑپتے | وہ جاڑے میں ہیں صورت بید لرزاں
معاون ہیں جو پیشہ ور بھک منگوں کے | سمجھتے نہیں یہ بزرگ ان کو انساں

نہیں غم کسی کو مصیبت زدوں کا — نہ فکر ایامےٰ نہ ذکر یتیماں

عیالِ خدا کی مدارات ایسی — اور اس پر یہ دعویٰ کہ ہم ہیں مسلماں

پھر ان سے بھی ایک فرقہ محتاج تر ہے — کہ حاجات ہیں جسکی از بس نمایاں

وہ علمی فلاکت کے مارے ہوئے ہیں — جہالت نے کاٹی ہے ان کی رگِ جاں

حمیّت بہت مضمحل ہو گئی ہے — شرافت بھی ہے اب کوئی دن کی مہماں

بنا کر رہے گی زمانے کی گردش — اُنھیں خلعتِ آدمیت سے عُریاں

جو ان کی طرف سے رہی قوم غافل — تو کل قوم کہلائے گی ننگِ حیواں

نہ ہوگا کوئی چارۂ کار ہرگز — جو بعد از خرابی ہوئے بھی پشیماں

کبھی وقتِ فرصت میں سوچا بھی حضرت — کچھ اس دردِ جانکاہ قومی کا درماں

یہ بچے جو پھرتے ہیں آوارہ جاہل — گھسٹتے ہیں کانٹوں میں گلہائے خنداں

یہی بننے والے ہیں ارکانِ قومی — جو ارکان بودے تو ایوان ویراں

ان ہی پر ہے موقوف اعزازِ ملت — بناؤ انھیں جلد زیبِ دبستاں

ہنرہائے کسبِ معیشت سکھاؤ — کہ ان کو ستائیں نہ سگ اور دَرباں

جہاں تک بنے اہلِ تقویٰ بناؤ — کہ تقوے ہے بیعانۂ باغِ رضواں

کرو ان کی شائستگی پر توجہ — کہ ان سنگریزوں میں ہیں لعل پنہاں

اگر بحرِ معنیٰ میں دو غسل ان کو — تو بن جائیں یہ غیرتِ دُرّ و مرجاں

جو کوشش کرو تو انہی میں سے پیدا — ابو الفضل و فیضی ہوں اور خانِ خاناں

کرو تربیت تو انہی میں سے اٹھیں — فلاطونِ عہد اور بقراطِ دوراں

یہی شافعی ہوں یہی بو حنیفہ — سکھاؤ اگر سرِّ احکامِ فرقاں

خُمِ صبغۃ اللہ گر ہو میسّر — تو بن جائیں یہ پیرِ بسطام و خرقاں

جو ہوں ان کے اعمال و اقوال راسخ — تو دُنیا میں کہلائیں یہ مردِ میداں

جو کسب معیشت سے کورا ہی رکھا — تو فقر اور فاقہ سے ہوں گے پریشاں

گراؤ باش و بدراہ ان کو بنایا — تو بن جائیں گے ظلمت گنج زنداں

بناؤ گے جو چیز بن جائینگے یہ — فرشتہ بناؤ انھیں خواہ شیطاں

نہ کی ہم نے افسوس اس وقت پروا — کہ تعلیم و تدریس تھی بیحد ارزاں

ہمارے لئے برقِ خرمن بنا وہ — جو اوروں کے کھیتوں میں تھا ابرِ نیساں

ہماری ہی غفلت کا ہے یہ نتیجہ — نہیں اس کے لازم فلاں اور بہماں

تغافل ہے اب باعث شرم و غیرت — تساہل ہے اب موجب ننگ خذلاں

گیا دور پنجاہ سالہ مگر ہم — انھیں مخمصوں میں ہیں غلطان و پیچاں

گرفتار جہل مرکب ہیں یعنی — نہ عالم نہ جاہل نہ شہری نہ دہقاں

زمانہ بہت رائگاں ہم نے کھویا — نہیں حاصل وقت جز یاس و حرماں

خلف سرخرو ہوں تو منہ لیکے بولیں — سلف ہی کے ہیں کارناموں پہ نازاں

کسی کو ہو دعوے تو آکر بتائے — کیا کون سا ہم نے کار نمایاں

فتوحاتِ علمی میں کچھ نام پایا — کیا تازہ خطہ کوئی زیر فرماں

کیا کوئی ایجاد ایسا سفینہ — کہ اڑتا ہو مانند تخت سلیماں

جو ہوئی ضرورت تو ایجاد کرتے — مثل ہے "ضرورت ہے ایجاد کی ماں"

صناعت میں حرفت میں سوداگری میں — کیا ہو جو کچھ بھی تو بولو! مگر ہاں

ضرورت میں داخل ہے ناول نگاری — ہیں ناول نگاری پہ شیدا سخنداں

ہوئے خواب ہر چند اگلے فسانے — نہ وہ نجد و ناقہ نہ خار مغیلاں

نہ زنبیل عیار و نوح طلسمی — نہ دیوان قاف اور نہ اندر کی پریاں

مگر ناولوں میں بہ تقلید یورپ — پرانا مرض ہے بہ تبدیل عنواں

بہا پھوٹ کر دوسری سمت پھوڑا — وہی خلط فاسد ہے مائل بہ سیلاں

ہمارے یہ قومی رسالے تو دیکھو
کھلاتے ہیں کیا گل خیاباں خیاباں

ہماری غذا ہیں یہ ماہانہ پرچے
تغزّل کا تیار ہے خوانِ الواں

جوانانِ نوخاستہ بن گئے ہیں
ہزاروں غزل گو ہزاروں غزلخواں

جو واجد علی شاہ کے دور میں تھیں
ہیں غزلوں میں اب بھی وہی رنگ رلیاں

قتیلِ دہان و کمر ہیں ہزاروں
تو لاکھوں ہیں وارفتۂ چشمِ فتّاں

چراغِ خرد گُل ہے پر اپنے تن کو
بناتے ہیں داغوں سے سرو چراغاں

پڑی گھر میں ہنڈیا تو پکتی ہے پھیکی
لبِ زخمِ دل پر ہے سوزِ نمکداں

پہر دن چڑھے آپ اُٹھتے ہیں سو کر
مگر صبحِ محشر ہے چاکِ گریباں

نہ سیکھا حساب اور نہ فنِ مساحت
رہے ناپتے طولِ شبہائے ہجراں

زمانہ میں ہیں پیش ملکی مسائل
کہ نظم و سیاست کا ہے دور دوراں

ہماری ہے یہ نظم اور یہ سیاست
کہ دُرِّ عدن آب ہے پیشِ دنداں

لبِ لعل کو دیکھ لے خواب میں گر
تو بہہ جائے خوں ہو کے لعلِ بدخشاں

کشش اور کوشش کا ہے وقت لیکن
یہاں پیش ہیں یہ خرافات و ہذیاں

اڑی پھر رہی ہیں تجارت کی ریلیں
ہے صنعت کی جانب بھی لوگوں کا رجحاں

ہمیں بھی تو ہیں یاد ملکی صنائع
ہمیں بھی تو از بر ہے سودا کا دیواں

نہیں آنریبل تو کیا غم! کہ ہم ہیں
سخن کی قلمرو کے فغفور و خاقاں

دعا ہے کہ دنیا ہو اور شاعری ہو
چہکتے رہیں بلبلانِ خوش الحاں

نہیں کوئی دنیا و عقبےٰ کا دھندا
بس اب رہ گئے ہیں ہمارے یہ ارماں

اگر کوئی شاعر کا پوچھے مرادف
بلا خوفِ تردید کہہ دو "مسلماں"

خبر لی نہ اب بھی تو بس قوم ڈوبی
کہ بڑھتا ہی جاتا ہے ہر لحظہ طوفاں

نظامِ تمدن کا صحرائے اعظم
تہامِ حکومت کا دریائے عمّاں

ہمیں پار کرنا ہے لیکن کریں کیا — نہ کشتی نہ لنگر نہ خر ہے نہ بالاں
گئے قافلے سب مگر ہم کھڑے ہیں — کنارہ پہ انگشت حیرت بدنداں
زمانہ کے پُرزور بازو نے کی ہے — علمِ انقلابات کی تیغِ برّاں
نہیں روک سکتا کوئی وار اس کا — نہ گودرز و رستم نہ سام و نریماں
نہ چنگیز و سنجر نہ تیمور و بابر — نہ مصر و مراکو نہ ترکی و ایراں
مرو سینہ و دست و بازو بچا کر — نہ لے جائے گا کوئی بے ساز و ساماں
حفاظت کا ساز اور سامان کیا ہے — ہنر خود ہے اور ہے علم خفتاں
نہیں غیر فضل و ہنر کوئی مامن — حوادث کا جس وقت ہو تیر باراں
جو باقی حمیّت کی کچھ بھی رمق ہے — تو شیخ اور سیّد مغل اور افغاں
امیر و غریب اور ادنےٰ و اعلےٰ — قلی اور تاجر گدا اور سلطاں
کسان اور مزدور عامی و عالم — جوان اور بڈھے رجال اور نسواں
تقاضائے وقت اور ضرورت کو سمجھیں — بنیں ایک کے ایک انصار و اعواں
فروعی نزاعات کو محو کر دیں — بھلا دیں بس اب فرق ایران و توراں
جو آپس میں ہوں تفرقے سب مٹا دیں — خصومت پہ اب کھینچ دیں خطِ بُطلاں
کریں جلد مل جل کے تدبیر ایسی — کہ بچے بنیں رشکِ امثال و اقراں
بہت اگلی قوموں کو دورِ زماں نے — بنایا ہے گُل دستۂ طاقِ نسیاں
نہیں چھوڑتا اُن کی ہڈی و پسلی — جنھیں کوٹتا ہے زمانہ کا سنداں
جو اپنی مدد کی نہ ہم نے تو ڈر ہے — بنا دے نہ ہم کو بھی گرد بیاباں
نہیں وقت وہ اب کہ بند آنکھ کر کے — کسی صومعہ میں رہو بن کے رہباں
اُٹھو قوم کی آبرو کو بچاؤ — نہ بننے دو ہرگز غلام غلاماں
حدودِ جہالت سے ان کو نکالو — کرو رہبری مثلِ موسیٰ عمراں

ہنر کی جہاں دیکھو آبیاری ۔۔۔ جہاں علم کا تازہ ہو باغ و بُستاں
وہیں ڈال دو قوم کے جا کے ڈیرے ۔۔۔ چُنو علم و حکمت کے گل اور ریحاں
مگر یہ سمجھ لو کہ جینا ہے مشکل ۔۔۔ نہ محکم ہوں گر زندگانی کے ارکاں
دماغ اور دل ہو نہ تن میں سلامت ۔۔۔ تو بیکار ہیں سب عصب اور شریاں
اسی طرح تعلیم قومی کا مرکز ۔۔۔ اگر ہو نہ قومی ضرورت کے شایاں
تو ہیں سب ہمارے خیالات باطل ۔۔۔ ترقی کا سودا ہے خواب پریشاں
مکمل کرو پہلے یونیورسٹی ۔۔۔ اسی پر ہے موقوف کل جبر نقصاں
بہم تربیت ہو دلی اور دماغی ۔۔۔ رہیں ہم قدم علم ادیان و ابداں
اگر قوم کی زندگی چاہتے ہو ۔۔۔ تو پیدا کرو چشمۂ آب حیواں
اطبائے حاذق کی تجویز ہے یہ ۔۔۔ گھٹے گا اسی سے مذلت کا یرقاں
تلافیٔ مافات کا گر یہی ہے ۔۔۔ کمر باندھ لو اور بنو مرد میداں
اٹھا دو سمندِ حمیّت کی باگیں ۔۔۔ بجا دو بس اب کوسِ ایثار و احساں
گرجنے لگے ابر جود و کرم کا ۔۔۔ برسنے لگے دام و درہم کا باراں
چمکنے لگیں بجلیاں سیم و زر کی ۔۔۔ اُبلنے لگے چشمۂ جیب و ہمیاں
خزینہ دفینہ نہیں ہے تو کیا غم ۔۔۔ نہ ہونا نہ ہونا نہ ہونا ہراساں
ز راہِ خلوص ایک کوڑی بھی دو گے ۔۔۔ تو رکھے گی وہ قدرِ لعلِ بدخشاں
کرو جمع جو جو تو ہو جائیں سو سو ۔۔۔ بنے قطرہ قطرہ سے دریائے عمّاں
ہزاروں سے بڑھکر ہو لاکھوں پہ نوبت ۔۔۔ ہو لاکھوں سے بڑھ کر کروڑوں کی میزاں
سمجھ لو کہ ہمت کا حامی خدا ہے ۔۔۔ خدا کے سوا کون ہے میر ساماں
ہے اُمید واثق بعون الٰہی ۔۔۔ کہ ہو جمع سرمایہ تا ماہ شعبان
جو دریا دلی قوم نے کی تو فوراً ۔۔۔ ہمارے امیر اور نواب اور خاں

کریں گے یہ کوشش کہ اس درستی کا
مزین ہو طغرائے شاہی سے فرماں

بہ نفسِ نفیس آئین شاہِ معظم
کریں حصنِ علمی کی مرصوص بنیاں

کرو جدّ و جہد اب خدا کے بھروسے
ہمارا تمہارا خدا ہے نگہباں

گزارش ہے اتنی کہ ہو گرم کوشش
مٹنے جو کوئی یہ نوائے زمستاں

اشعار

جو خواجہ کمال الدین نے اپنے لیکچر کے درمیان پڑھے ۔

درس قرآں نہ اگر ہم نے بھلایا ہوتا
یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا

ہم نے قرآں کو مسلک جو بنایا ہوتا
قوم کے خفتہ نصیبوں کو جگایا ہوتا

ڈالتے ہم نہ پس پشت اگر قرآں کو
میرے آقا کو نہ محشر میں رُلایا ہوتا

چاٹ لیں تم نے کتب فلسفہ اور منطق کی
ہاتھ بھولے سے بھی قرآں کو لگایا ہوتا

لائی ہر ڈاک ترے واسطے لندن کے کتاب
گھر سے ہمسایہ کے قرآں بھی منگایا ہوتا

خیر یورپ ہی کی تقلید اگر مقصد ہے
تو نمونہ اسے ہر طرح بنایا ہوتا

وہ جو انجیل یہاں تجھ کو سنانے آئے
تو نے قرآں وہاں جا کے سنایا ہوتا

قوم کا لفظ تری وردِ زباں رہتا ہے
قوم کو رازِ ترقی بھی بتایا ہوتا

قوم کے درد کا درماں تو یہ قرآن ہے
مفلسی میں کوئی ساماں ہے تو یہ قرآن ہے

کچھ تو بتلاؤ کہ تھا کونسا فطرت کا وہ راز
جس سے اسلاف تمہارے ہوئے سب پر ممتاز

باغ عالم میں وہ تھے صورت مرغ بے پر
کس سے اُڑ نکلے اُڑائے یہ نرالے انداز

اُڑ کے اس عالم سفلی سے فلک بوس ہوئے
پر شکستوں کو دیا کس نے مذاق پرواز

کس نے تعلیم دیئے علم لدنی اُن کو
قوم اُمّی تھی فضیلت کے لئے مایۂ ناز

صید ہونے لگے مرغانِ علوم عالم — ان کی تحقیق کے اُڑنے لگے جب جرّہ بجاز
کِسنے وہ اَوجِ کمال اُنکا کیا نصبُ العین — منتہی غیر کی اور ان کا ابھی ہو آغاز
ہم نفس ہو کے وہ کیا راگ انھوں نے چھیڑا — نظم عالم کے قوی ہو گئے ان کے دمساز
کچھ تو اے قوم بتا کونسا وہ افسوں تھا — تیرے اسلام نے جس سے یہ دکھائے اعجاز

میں یہ کہتا ہوں وہ اعجاز یہی قرآن ہے
اور ترقی کا ترے راز یہی قرآن ہے

بجوشید اے جوانان تا بدیں قوت شود پیدا — بہار رونق اندر روضۂ ملت شود پیدا
اگر یاراں کنو بر غربت اسلام رحم آید — باصحاب نبی نزد خدا نسبت شود پیدا
بجنبید از پے کوشش کہ از درگاہ ربانی — زبہر ناصرانِ دینِ حق نصرت شود پیدا
اگر دستِ عطا در نصرت اسلام بکشائید — ہم از بہر شما ناگہ یدِ قدرت شود پیدا

بمفت ایں اجر نصرت را دھندت ای اخی ورنہ
قضائے آسماں است ایں بہر حالت شود پیدا

نظم فارسی

از منظر شاہ وارثی

درِ مے کدہ بر سلامی زنم — دگر بر جہاں پشت پا می زنم
کشودہ در فیض پیر مغاں — مریدانِ مے را صلائی زنم
نخواہم دگر ننگ و ناموس را — کہ بر سنگ ایں شیشہ را می زنم
کنم تازیانہ من از موج مے — دگر توسنِ ہوش را می زنم

عیاں بشکنم مُہرِ خمخانہ ہا ‌‌ ‌ کہ من لافِ تقویٰ بسا می زنم

بگیرم بکف کشتیٔ بادہ را ‌ ‌ ‌ کہ در بحرِ غم دست و پا می زنم

مکن عیبم اے زاہدِ خود پرست ‌ ‌ ‌ کہ ساغر بیادِ خدا می زنم

سبو در کش و در خروشم نگر ‌ ‌ ‌ کہ ایں چنگ من از کجا می زنم

کنم نوجواں پیرِ دیرینہ را ‌ ‌ ‌ بہ آہنگِ نے چوں نوا می زنم

نتابم سر از رندی و عاشقی ‌ ‌ ‌ دریں راہ گام رضا می زنم

کنم رہن مے نسخۂ عقل را ‌ ‌ ‌ قلم بر کتابِ ریا می زنم

سرِ زلفِ ساقی بگیرم بدست ‌ ‌ ‌ دلِ خویش را بر بلا می زنم

نگر آہ را ہے نماید بہ اشک ‌ ‌ ‌ چہ بر نیلِ غم ایں عصا می زنم

روم سبحہ در دست در میکدہ ‌ ‌ ‌ بدیں رہ رہِ اتقا می زنم

خطِ جام را میدہم جا بہ دل ‌ ‌ ‌ بریں لوح نقشِ وفا می زنم

خو شانشۂ می عروجم دہد ‌ ‌ ‌ کہ چشمہ بر افلاکہا میزنم

شوم ہم نشیں طائرِ قدس را ‌ ‌ ‌ چو شہپر بر اوجِ ہوا می زنم

ملک را بسوزم بہ از سوزِ دل ‌ ‌ ‌ نفس گرم چوں در دعا می زنم

ببویم مگر زلفِ مشکیں دوست ‌ ‌ ‌ چو بستر براہ خطا می زنم

بزخمہ نوازم نہ ایں چنگِ عشق ‌ ‌ ‌ کہ بر پائے غم تیشہ ہا می زنم

بسے خونِ دل خوردہ ام در چمن ‌ ‌ ‌ کہ گلبانگ بر شاخہا می زنم

رگِ سنگِ خارا شود موجِ آب ‌ ‌ ‌ چو حرفے ازیں ماجرا می زنم

نہ گریم من از گردِ راہ ملال ‌ ‌ ‌ کہ آبے بروئے وفا می زنم

زکوئے ریا بر کشم رختِ خویش ‌ ‌ ‌ کنوں دست در بوریا می زنم

کنم رخصت زہد و از دستِ رد ‌ ‌ ‌ دگر سیلیٔ بر قفا می زنم

خوشا نغمۂ دف کہ دریا داد — چہا می سرایم چہا می زنم
کہ آمد بہ تسکین من در فراق — کہ صد نعرۂ مرحبا می زنم
خوشست باد عمراے عماد جہاں — کہ در دامنت دستہا می زنم
علیؓ با محمدؐ بود چوں بہم — دف حُبِ او برملا میزنم
زہے آفتابے کہ در عیش او — دم از مہر صبح و مسا می زنم
طلب دارم از لطف او ہمتے — قدم چوں براہِ صفا می زنم
فتادم چو قطرہ بہ عمان عشق — شدم بحر و موج انا میزنم
ز طوفاں نہ ترسم بہ یمن وقار — دم از ہمتِ آشنا می زنم
عزیزم بود آں کہ گوید نیاز — کہ گوئے بچوگاں چہا می زنم
کنم جستجو حاذق الملک را — چو من پا براہ خدا می زنم
بود یاد او ہر نفس نشترے — کہ من در دل مبتلا می زنم

خوشا ایں دم خوش کہ من بے نظیر
ہم از دست شاں جا مہا می زنم

علّامہ اقبالؒ

وہ زمیں ہے تو مگر اے خواب گاہِ مصطفٰےؐ
دید ہے کعبے کو تیری حج اکبر سے سوا

تجھ میں راحت اس شہنشاہِ معظم کو ملی
جس کے دامن میں اماں اقوامِ عالم کو ملی

جسنے عہد وصل باندھا مدت دوراں کے ساتھ
جسنے پوری منصفی کی فطرت انساں کے ساتھ

چرچا ان فاضلان قوم کی بدولت صدیوں تک زبانوں پر جاری رہے گا۔

میجر سید حسن کی تعلیم و تربیت بھی اسی نہج پر ہوئی تھی جس طرح ان کے بڑے بھائیوں کی ہوئی۔ عربی و فارسی کے علاوہ انگریزی اور مرہٹی زبانوں پر بھی ان کو کافی عبور حاصل تھا۔ انھوں نے فن طب کے اصول جدیدہ کے مطابق ڈاکٹری اور سرجری کی تعلیم بھی حاصل کی اور فوج میں میجر ڈاکٹر کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا کچھ عرصہ کے بعد ملازمت چھوڑ دی۔ اور دس بارہ سال تک مسلسل انگلستان میں قیام پذیر رہے۔ اور ڈاکٹری کی پریکٹس کرتے رہے۔ اسی زمانے میں انھوں نے کتابوں کا خاص مطالعہ کیا اور انگریزی پالٹکس اور مسئلہ تعلیم پر بہت کچھ غور کیا۔ ۱۹۱۰ء میں واپس آکر علی گڈھ میں مستقل طور پر اقامت اختیار کر لی۔ مولوی عزیز مرزا کی بے وقت موت کی وجہ سے ان کو مسلم لیگ کا سکریٹری منتخب کر لیا گیا۔

میجر بلگرامی نمود و نمائش کو ناپسند کرتے تھے بہت با اصول شخص تھے اور قومی خدمت کا جوش و ولولہ رکھتے تھے۔ پختہ خیالات اور مضبوط کیرکٹر کے انسان تھے۔ ۱۹۱۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔

صدر کانفرنس کا خطبہ صدارت بہت جامع اور مفصل تھا اور اس وقت کے تعلیمی مسائل بالخصوص مسئلہ قیام یونیورسٹی پر جو اس زمانے کا اہم مسئلہ تھا پورے طور سے بسیط اور حاوی تھا۔ جس کے سننے کے بعد عام رائے یہ تھی کہ ایسا زبردست خطبۂ صدارت آجتک کانفرنس کے کسی اجلاس میں نہیں دیا گیا۔ اس اجلاس میں دوسری خاص چیز آنریری جوائنٹ سکریٹری کانفرنس کی رپورٹ کا وہ حصہ تھا جس میں انھوں نے مسلمانان اودھ کی قابل عبرت تعلیمی پستی کا نقشہ پیش کیا اور اس میں انھوں نے اودھ کے مشہور بارہ اضلاع کی خصوصیات

مولانا صفی لکھنوی

چھبیسواں[۲۶] سالانہ اجلاس منعقدہ لکھنؤ ۱۹۱۲ء

کانفرنس کا چھبیسواں سالانہ اجلاس ۱۹۱۲ء میں لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ اس کی صدارت میجر سید حسن بلگرامی نے فرمائی۔ اس اجلاس کی دعوت حامیان تعلیم و اکابر روسار اودھ کی طرف سے دی گئی تھی۔ استقبالیہ کمیٹی کے صدر آنریبل راجا سید ابو جعفر اور سکرٹری مولوی سید ظہور احمد قرار پائے۔

اجلاس کے انعقاد کا انتظام قیصر باغ کی بارہ دری میں کیا گیا اور اس کی وسیع اور پُرشکوہ عمارات مہمانوں کے قیام کے لئے آراستہ کی گئی تھیں۔ ان کے علاوہ آنریبل سر راجا محمد علی خاں تعلقہ دار محمود آباد اور سر راجہ تصدّق رسول خاں تعلقہ دار جہانگیر آباد کے محلات بھی مہمانوں کے لئے کھلے ہوئے تھے۔

کانفرنس کے موقع پر زنانہ صنعتی نمائش کا بھی انتظام کیا گیا تھا جس کا افتتاح لیڈی سر جیمس مسٹن نے کیا اور گورنر سر جیمس مسٹن نے بھی اجلاس میں شرکت کی اسی اجلاس میں پراونشل کانفرنس کی بنیاد بھی ڈالی گئی جس کے سکریٹری مرزا سمیع اللہ بیگ منتخب ہوئے۔ میجر سید حسن بلگرامی قصبہ بلگرام کے مشہور خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے بڑے بھائی نواب عماد الملک سید حسین اور علامہ سید علی بڑے پایہ کے عالم تھے۔ ان جلیل القدر مایہ ناز ہستیوں کی بدولت اس خاندان نے وہ علمی شہرت حاصل کی جو آئندہ نسلوں کے لئے زمانہ دراز تک نقش قدم کا کام دے گی۔ اور خاندان بلگرام کی علمی اور اخلاقی زندگی کا

خشک لب انساں کو جسنے آب جاں پرور دیا
عقل کو آزاد زنجیرِ توہّم کر دیا

جس کے ڈر سے وہم کا قصرِ کہن آئیں گرا
گردن انساں سے طوقِ راہبِ خود بیں گرا

نام لیوا جس کے شاہنشاہ عالم کے ہوئے
جانشیں قیصر کے اور مسند نشیں جم کے ہوئے

ہے اگر قومیتِ اسلام پابند مقام
ہند ہی بنیاد ہے اس کی نہ فارس اور شام

آہ! یثرب! دیس ہر مسلم کا تو، ماوی ہے تو
نقطۂ جاذب تاثّر کی شعاعوں کا ہے تو

جب تلک دنیا میں تو باقی ہے، باقی ہم بھی ہیں
صبح بھی ہے اس چمن میں، گوہر شبنم بھی ہیں

قومی اوران کے اعلیٰ اور نامور مورثوں کے جاہ و حشم اور کمالات علم و فضل کے تاریخی شواہد و کارنامے پیش کئے تھے۔

اس اجلاس میں جو خاص ریزدلیوشن پاس ہوئے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ہرصوبے میں اسلامیہ کالج اور ہر ضلع میں اسلامیہ ہائی اسکول ہونا چاہیئے۔

۲۔ مسلمانانِ کشمیر کی تعلیمی پستی کے پیشِ نظر سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کانفرنس کی طرف سے ایک وفد مہاراجا کشمیر کے پاس جائے اور مسلمانان کشمیر کی افسوسناک پستی اور ان کی تعلیمی ضروریات کی طرف توجہ دلائے۔

۳۔ مسلمانان آسام کے لئے تعلیمی وظائف اور تقرر افسر معائن کی ضرورت ہے۔

۴۔ مسلمانوں کو فن ڈاکٹری کے حصول کی ترغیب دی جائے۔

۵۔ گورنمنٹ بنگال، مدرسہ عالیہ کلکتہ کو پراونشیل محڈن کالج بنادے۔

۶۔ جبل پور کالج میں عربی و فارسی تعلیم پر توجہ کی ضرورت ہے

مولانا صفی لکھنوی نے مندرجہ ذیل ولولہ انگیز نظم پڑھی

نظم

از مولانا صفی لکھنوی

زندہ ہیں اگر زندہ دنیا کو ہلادیں گے
مشرق کا سر اُٹھ کر مغرب سے ملادینگے

دھارے میں زمانہ کے بجلی کا خزانہ ہے
بہتے ہوئے پانی میں ہم آگ لگادیں گے

ہم سینۂ ہستی میں انگارہ ہیں انگارہ
شعلے بھڑک اُٹھینگے جھوکے جو ہوا دینگے

ہم کون ہیں؟ ہم کیا ہیں؟ ہم کچھ بھی نہیں لیکن
وقت آنے دو وقت آئے پھر تم کو بتادینگے

فاران پہ گرجے تھے برسے ہیں جہاں بھر میں
گھر کر جو کہیں کڑکے پھر ہوش اڑا دینگے

دنیا کے سمندر میں ہم جزر بھی ہیں مد بھی
دیکھو جو ہمیں روکا طوفاں اُٹھا دینگے

مرجھائی ہوئی کھیتی اب ہم ہیں تو کیا ڈر ہی
چھینٹے ہمیں رحمت کے پھر نشو ونما دینگے

جڑ ہم نے پکڑلی ہے کلّے نئے پھوٹیں گے
گر خاک میں بھی ہم کو اک بار ملا دینگے

ایراں ہو یا ٹرکی دونوں کو مٹا دیکھیں
کیا صفحۂ ہستی سے اسلام مٹا دینگے

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی پھر اُبھرے گا جتنا کہ دبا دینگے

گونجیں گی پہاڑوں میں تکبیر کی آوازیں
یہ صور جہاں پھونکا مُردوں کو جلا دینگے

اے جذبۂ اسلامی جس دل میں نہ تو ہوگا
یہ نظم صفیؔ پڑھ کر ہم اس کو سُنا دینگے

مولانا حالی

ستائیسواں سالانہ اجلاس منعقدہ آگرہ ۱۹۱۳ء

کانفرنس کا ستائیسواں اجلاس بمقام آگرہ ۱۹۱۳ء میں زیر صدارت آنریبل جسٹس شاہ دین (جج ہائیکورٹ لاہور) منعقد ہوا۔

آگرہ ایک زمانہ تک مسلمانوں کا دار السلطنت رہنے کے علاوہ علم و فضل، اسلامی اخلاق اور صنعت و حرفت کا مرکز رہا ہے۔ یہاں کے مسلمانوں کی تعلیمی و معاشی پستی کے پیش نظر ضروری خیال کیا گیا کہ کانفرنس کا ایک اجلاس اس تاریخی شہر میں منعقد کیا جائے تاکہ مسلمانوں کی خفتہ قوتوں کو بیدار کرکے ان میں تعلیمی و قومی ترقی کے جذبہ کو ابھارا جا سکے۔ اس تجویز کو مسلمانان آگرہ نے لبیک کہا اور خان بہادر سید آل نبی کی قیادت میں ایک مجلس استقبالیہ ترتیب دی گئی۔ جس کے سکرٹری مرزا عابد حسین مقرر ہوئے۔ خان بہادر اور مرزا صاحب کے شرکائے کار ممبران انتظامیہ کمیٹی کے حسن انتظام کی بدولت نہایت خوبی کیساتھ کانفرنس کا اجلاس اتمام کو پہنچا۔ ملک کے ہر گوشہ سے تقریباً ۸۰۰ تعلیم یافتہ اور معزز اصحاب آگرہ کے اجلاس میں شریک ہوئے جب مہمانوں کے قیام کے سلسلے میں آگرہ کے بڑے بڑے ہوٹل، بنگلے اور مکانات ناکافی ہوئے تو ڈیرے اور خیمے بھوپال سے منگا کر نصب کرنے پڑے۔ اس اجلاس میں ہر ہائنس نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ فرمانروائے بھوپال نے اپنی طرف سے اپنے فرزند رشید پرنس حمید اللہ خاں بہادر کو اپنا قائم مقام بنا کر شرکت اجلاس کیلئے بھیجا جو بعد کو خود فرمانروائے بھوپال ہوئے۔ صدر اجلاس جسٹس شاہ دین کے

حالات اجلاس نہم ۱۸۹۴ء (منعقدہ علی گڑھ) کے ضمن میں تحریر کئے جا چکے ہیں۔ انھوں نے ایک مفصل خطبہ ارشاد فرمایا جس کے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں۔ انھوں نے فرمایا۔

"مسلمان طلبہ کی تعداد بڑھانے کے لئے بہترین تجویز یہ ہے کہ ہر ایک صوبے میں ایک سلسلہ وظائف قائم کیا جائے کیونکہ تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ بہت سے طلبہ کی راہ میں جو کالج کی تعلیم حاصل کرنیکے خواہش مند ہیں افلاس ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ اور یہ کہ جہاں کہیں ایسے طلبہ کے لئے خاص وظائف کا انتظام کیا گیا ہے ان کی تعداد اس عرصۂ قلیل میں بہت بڑھ گئی ہے۔ یہ بھی انتظام ہونا چاہئے کہ ہمارے ہونہار نوجوانوں کو میعادی وظائف اس غرض سے دیئے جائیں کہ وہ ممالک غیر میں جاکر اپنی تعلیم کو خصوصاً ٹکنیکل مضامین میں تکمیل تک پہنچائیں۔"

"آج تک بہ حیثیت قوم ہم نے اپنے حصول دولت کی طاقتوں کو تقویت دینے میں بہت کچھ کوتاہی روا رکھی ہے اور نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہماری اقتصادی حالت نہایت زبوں اور خطرناک ہو گئی ہے۔ آج کل صنعت و حرفت کا دور دورہ ہے اور میں ان نوجوانوں کو جو آرٹس کالجوں میں تحصیل علم کرتے ہیں بڑے زور سے یہ صلاح دوں گا کہ وہ بمقابلہ زبان ہائے جدیدہ اور فلسفہ کے طبیعات اور اقتصادیات کے مطالعہ پر زیادہ توجہ کریں۔ زباندان یا فلسفی کے مقابلہ میں ایک ماہر طبیعات تحقیقات علمی کے مفید کام میں زیادہ نمو پاتا ہے اور ہماری قوم کے واسطے ایک ماہر علم مالیات کا وجود زیادہ مفید ہے جس کی عملی تعلیم اس کو زندگی کے مجسم حقایق سے کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے زیادہ قابل بنا دیتی ہے۔

"کوئی قومی تعلیم کی تجویز مکمل نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ اس میں مستورات کی تعلیم کے متعلق طریقہ ہائے جدیدہ پر ایک ترقی پذیر اسلامی جماعت کی خاص ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر کافی انتظام نہ کیا گیا ہو۔ ہم باشندگان مشرق اپنی جداگانہ روایات رکھتے ہیں اور ہمارے خیالات کا رجحان جداگانہ ہے اس لئے ایشیا اور یورپ کے طریقہ ہائے تربیت کو صحت بخش طریقہ پر ترکیب دیکر ہم کو اپنے واسطے ایک نیا طریقہ تربیت مرتب کرنا ہو گا یہ تو صاف ظاہر ہے کہ ہماری مستورات کی صورت میں محض مشرقی طریقہ تعلیم ایسا ہی دقیانوسی، ناموزوں اور غیر مفید ثابت ہو گا جیسا کہ وہ ذکور کی صورت میں ہوا ہے۔ زمانہ حال میں لڑکیوں کی تعلیم لڑکوں کی تعلیم کے ساتھ پہلو بہ پہلو چلنی چاہیئے اور مجھ کو یقین کامل ہے کہ اگر اس اصول سے بے پروائی کی گئی تو زندگی کی دوڑ میں ہمیں بہت سی رکاوٹوں کا سامنا ہو گا۔ عورت جیسا کہ مغرب میں دیگر معاملات میں بہت کچھ حصہ لے رہی ہے اسی طرح اس کی قسمت میں مشرق میں بھی بہت کچھ حصہ لینا ہے"

"ایک دوسرا امر جس کا ہماری قوم کی تعلیمی ترقی سے نہایت عملی تعلق ہے وہ اسلامی اوقات تعلیم کا انتظام ہے۔ مسلمانوں کے خیراتی اور تعلیمی اوقاف سے بڑی رقمیں سالانہ وصول ہوتی ہیں اور اگر ان اوقاف کا ٹھیک انتظام کیا جائے اور ان کی آمدنی جائز مصارف میں لگائی جاوے تو ایک کیا کئی مسلم یونیورسٹیوں کے اخراجات کافی ووافی طور پر نکل سکتے ہیں۔ آپ صاحبان کب تک اپنے صریح فرائض سے غفلت کرتے رہیں گے اور رقوم کثیر کو جو اصل واقف کی نیت کے مطابق ترقی تعلیم میں اور مسلمانوں کے بچوں کی دماغی اور اخلاقی ترقی میں صرف ہونی چاہئیں خود غرض غاصبوں کے

ناجائز تصرف میں آنے دیں گے۔

"ہم کو چاہیئے کہ ملک کے ہر حصہ میں اسلامی اوقافِ تعلیمی کی تاریخ اور کارگزاریوں کی اسلامی اوقاف تعلیمی کی تاریخ اور کارگزاریوں جن سے ان اوقاف کا کام اصلی واقف کی نیت کے مطابق چلایا جاوے اور ان جماعتوں کو نفع پہنچایا جاوے جن کی منفعت کے لئے وہ اوقاف قائم کئے گئے ہیں"

صاحب صدر نے اُردو زبان کے متعلق فرمایا

"اس زبان (اُردو) کے ادبی اور علمی نشو ونما میں مدد پہنچانا ہماری کانفرنس کے پروگرام کا خاص اہم جزو ہے۔ اس ذمہ داری کو انجام دینے میں ہماری قوم نے نہایت غفلت دکھائی ہے۔ دیگر زبانوں کے مقابلہ میں اُردو کو ایسی سہولتیں حاصل ہیں کہ اگر اس کانفرنس کی طرف سے معمولی سی امداد بھی صحیح اصول اور باقاعدہ طریقہ پر کی جائے گی تو وہ تمام رکاوٹیں جو اس زبان کی ترقی میں سدِ راہ ہیں دور ہو جائیں گی ــــ کچھ عرصہ کے لئے اُردو شاعری کی طرف سے ہم کو اپنی توجہ کم کر دینی چاہیئے اور ایسی تدبیر کرنی چاہیئے کہ شعبہ شاعری میں تصنیفات کا سلسلہ کم کر دیا جائے اور اپنے نوجوانوں کو آمادہ کیا جائے کہ انگریزی زبان کی تصنیفات جو علمی مضامین پر جدید تحقیقات کے متعلق ہیں ان کے تراجم زبان اُردو میں تیار کرکے اُردو لٹریچر کو مالا مال کر دیں۔ اس مدعا کے حصول کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام علوم جدیدہ کی اصطلاحات کی ایک مکمل لغات تیار کی جائے۔ یہ اصطلاحات ان اصطلاحات کا جو زبان انگریزی اور یورپ کی دیگر زبانوں میں عموماً مروّج ہیں یا تو ترجمہ ہوں یا ان کا اتخاذ ہوں"

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیوشن پاس ہوئے۔ مسلمانان کشمیر

کے سلسلے میں مندرجہ ذیل تجاویز کشمیر کے مہاراجا کو بھیجی گئیں۔

۱۔ ریاست کے کالجوں اور اسکولوں میں مذہبی تعلیم کا انتظام ہو۔

۲۔ ان دیہاتوں میں جہاں (۵۰۰) یا اس سے زیادہ آبادی ہو ابتدائی مدارس یا مکاتب قائم کئے جائیں۔

۳۔ ابتدائی تعلیم مفت اور جبریہ دی جائے

۴۔ ہر ضلع کے صدر مقام پر اینگلو ورناکیولر اسکول قائم ہوں

۵۔ ہر صوبے کے صدر مقام پر ہائی اسکول جاری ہوں۔

۶۔ ریاست کے اسکولوں اور کالجوں میں مسلم طلبہ کی تعداد بڑھانے کے۔ لئے خاص اہتمام کیا جائے۔

۷۔ موجودہ اسلامیہ اسکول کو اسلامیہ کالج بنا دیا جائے۔

۸۔ تمام شعبہ ہائے تعلیمی میں مسلم طلبہ کے لئے وظایف کی کافی تعداد دی جائے

۹۔ ریاست کے کالجوں، اسکولوں، اور تعلیمی صیغے میں مسلمان پروفیسر، مدرس، افسر اور انسپکٹر مقرر کئے جائیں۔

۱۰۔ ایک خاص مسلمان افسر یا انسپکٹر اس کام پر مقرر ہو کہ جو ریاست میں مسلمانوں کی تعلیم کا نگراں اور ان کی ترقی کا کوشاں ہو۔

۱۱۔ نارمل اسکولوں میں مسلمان امیدواروں کی تعداد بڑھانے کے لئے خاص اہتمام وتدابیر اختیار کی جائیں۔

۱۲۔ اہل حرفہ کے بچوں کے لئے مدارس قائم ہوں۔

۱۳۔ جاگیرداروں کے بچوں کے لئے تعلیم کے خاص سامان ہوں۔

۱۴۔ تعلیم کی سالانہ رپورٹ میں مسلمانوں کی تعلیم سے متعلق ایک خاص باب رکھا جائے۔

۱۵۔ ان اسلامیہ انجمنوں کی حوصلہ افزائی کی جائے جو مسلمانوں کی تعلیم کی ترقی کی خواستگار ہوں۔

۱۶ - گرانٹ اِن ایڈ (امداد) اور حکام کے ذاتی اثرات سے اسلامی تعلیمی درسگاہوں کی معاونت ہو۔

۱۷ - صوبہ پنجاب میں مسلمانانِ پنجاب کی تعلیمی ترقی کے لئے پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی جائے۔

۱۸ - ہر صوبے میں مسلمان بچوں کے لئے صنعتی تعلیم اور وظائف کا انتظام ہونا چاہیئے۔

۴ - اسلامی تعلیمی اوقاف کے بنیادی حالات اور طریقہ کارروائی کے متعلق پوری پوری تحقیقات کی جائے۔

اسی جلسہ میں نذیر احمد (علیگ) نے اپنے مضمون کے دوران مولانا حالی کے مندرجہ اشعار سے حاضرین کو متاثر کیا :-

---

اشعار مولانا حالی

کرتے ہیں سو سو طرح سے جلوہ گر — ایک ہوتا ہے اگر ہم میں ہنر
جانتے ہیں آپ کو پرہیزگار — عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر
دوست اسکے ہیں نہ اس کے آشنا — گو بظاہر سب سے ہیں شیر و شکر
خصلتیں روباہ کی رکھتے ہیں ہم — گو دکھاتے آپ کو ہیں شیر نر
اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقیں — کرتے ہیں نفرت بدی سے جس قدر
کرنی پڑتی ہے کسی کی مدح جب — کرتے ہیں تقریر اکثر مختصر
گر کسی کا عیب سن پاتے ہیں ہم — کرتے ہیں رسوا اُسے دل کھول کر
کی نہیں جس سے کبھی کوئی بدی — شکر کے ہیں اس سے خواہاں عمر بھر
ایک رنجش میں بھلا دیتے ہیں سب — ہوں کسی کے ہم پہ لاکھ احساں اگر

عیب کچھ گنتے نہیں اس عیب کو جس سے ہوں اپنے سوا سب بے خبر
خیر کا ہوتا ہے ظن غالب جہاں کھینچ کر لاتے ہیں اس کو سوئے شر
بنتے ہیں یاروں کے ناصح تاکہ ہو عیب اُن کا ظاہر اور اپنا ہنر
دوست ایک عالم کے پر مطلب کے دوست ایسے یاروں سے حذر یارو حذر

عیب حالی اپنے یوں کہتا ہے کون
خواہش تحسیں ہے حضرت کو مگر

میر نثار حسین۔ مولوی انیس احمد۔ مولوی الف دین نفیس

اٹھائیسواں سالانہ اجلاس منعقدہ راولپنڈی ۱۹۱۴ء

کانفرنس کا اٹھائیسواں سالانہ اجلاس ۱۹۱۴ء میں بمقام راولپنڈی منعقد ہوا۔ خان بہادر مولوی رحیم بخش صاحب سی آئی ای پریسیڈنٹ کونسل بہاول پور اسٹیٹ نے فرائض صدارت انجام دیئے۔

راولپنڈی میں اجلاس منعقد کرنے کی دعوت جناب نواب ملک محمد مبارز خان صاحب رئیس اعظم شاہ پور اور قاضی سراج الدین احمد صاحب بیرسٹر ایٹ لا، راولپنڈی کی طرف سے موصول ہوئی تھی اور راولپنڈی میں اس اجلاس کا کامیاب طریقہ پر انجام پانا انھیں اصحاب کی سرگرم اور مخلصانہ توجہ کا نتیجہ تھا۔ اس اجلاس میں مسلمانوں کے دوش بدوش مقتدر ہندوؤں اور سکھوں نے بھی شرکت کی۔ صدر اجلاس مولوی سر رحیم بخش ان منتخب افراد قوم میں سے ہیں جو اپنے زور بازو سے اُٹھ کر اعلےٰ مدارج پر پہنچے۔ وہ ایک راجپوت خاندان کے چشم و چراغ تھے ابتدائی عمر اپنے وطن موضع ٹٹسکہ میراں جی ضلع کرنال میں گذری۔ وطن کے مدرسہ سے مڈل پاس کرکے نارمل اسکول دہلی میں داخل ہوئے۔ ۱۸۷۹ء میں مدرسی پر تقرر ہوا جس سے ترقی کرکے ۱۸۸۶ء میں چیفس کالج لاہور کے صدر مدرس مقرر ہوئے ان کی مدرسی کے زمانے میں ولی عہد ہز ہائی نس نواب صادق محمد خان رابع نواب بہاول پور چیفس کالج میں زیر تعلیم تھے۔ نواب صاحب کیلئے ایک لائق مصاحب کی ضرورت پیش آئی تو مولوی صاحب کے اوصاف حمیدہ کی وجہ سے ۱۸۹۲ء میں ان کو نواب صاحب کا اتالیق مقرر کیا گیا۔ پانچ سال تک

مولوی صاحب نے ان خدمات کو باحسن وجوہ انجام دیا۔ اور بطور خاص پنشن حاصل کی۔

اس کے بعد ضلع مظفر نگر اور کرنال کی ریاست منڈال کے مینجر مقرر ہوگئے تین سال کے قریب فرائض مینجری انجام دینے کے بعد ریاست بہاول پور میں نواب محمد بہاول خاں خامس کے عہد میں بطور پرائیوٹ سکرٹری ہز ہائی نس والیٔ بہاولپور مقرر کئے گئے۔ اس کے بعد چیف جج اور فارن سکرٹری کے عہدوں پر فائز رہے۔

نواب صاحب کی وفات (۱۹۰۷ء) کے بعد ریاست میں کونسل آف ریجنسی قائم ہوئی تو کونسل کی صدارت عظمیٰ کا عہدہ ان کو تفویض کیا گیا۔ ان خدمات کے سلسلہ ہی میں ان کو سی آئی ای کا خطاب عطا ہوا۔ ۱۹۱۷ء میں گورنمنٹ آف انڈیا کے سنٹرل پبلسٹی بورڈ کے ممبر بنائے گئے اور جنگ عظیم کی خدمات کے صلے میں کے۔ سی۔ آئی۔ ای کا خطاب پایا۔

انھوں نے ہمیشہ سادہ اور عملی زندگی کو اپنا نصب العین بنائے رکھا۔ وہ پابند مذہب اور با اخلاق مسلمان تھے۔ مسلمانوں کی علمی تحریکوں اور قومی تعلیمی اداروں سے ان کی دلچسپی اور عملی ہمدردی آخر وقت تک قائم رہی۔ ان کا کارنامۂ حیات قومی ہمدردی "سیلف ہیلپ" اور خودداری کے لحاظ سے ایسا نمونہ ہے جو ہر لحاظ سے قابل تقلید اور لائق عمل ہے"۔

مولوی رحیم بخش صاحب نے نہایت عالمانہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں انھوں نے اس زمانے کے حالات، جنگ کے لوازم و اثرات، مجالس تعلیمی کی قدر و قیمت، مسلمانوں کے اخلاق، مذہبی تعلیم، عربی زبان کی تعلیم کی ضرورت، خوددار قوم کی خصوصیات، اعلیٰ تعلیم اور قیام یونیورسٹی کی ضرورت، صنعتی و حرفتی تعلیم اور تعلیم

نسواں کی اہمیت کو خاص طور سے دلائل و براہین کے ساتھ پیش کیا۔ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ

"اخلاق اور تعلیم کے درمیان میرے خیال میں کبھی کوئی تفریق نہیں کی گئی ایک شئے دوسری پر موثر ہے اور پھر یہ دونوں خاص انحصار باہمی کی وجہ سے ایسے اجزا پیدا کرتے ہیں جن سے قومی وقار اور قومی خصوصیات بنتی ہیں۔ میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا ہے کہ مسلمانان ہند کا اخلاقی معیار بالعموم انحطاط کی طرف جا رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی قوم کی خصوصیات علی العموم اس کے علم ادب میں منعکس ہوتی ہیں یعنی اس علم ادب میں جو غیر کا نہ ہو بلکہ خود اسی قوم کا ہو"

"میرا اعتقاد ہے کہ اگر کسی قوم کے خیالات کا اندازہ اس کی نظم، اسکی ادبیات اور روزانہ زندگی کے اعمال سے ہو سکتا ہے تو (ہماری شاعری) سے اس مردانگی اور خودداری کے تنزّل اور انحطاط کا پتہ چلتا ہے جس نے قرون اولیٰ میں ہمارے آباؤ اجداد کو امتیاز بخشا تھا۔ مذہبی تربیت اخلاقی جرأت کے حصول پر اُبھارتی ہے اور اخلاقی جرأت و خودداری عزت نفس کا مادہ پیدا کرتی ہے۔"

"کسی قوم کے تموّل کا اندازہ سرکاری ملازمت میں اس کی نیابت سے نہیں کیا جا سکتا۔ انگلستان یا حقیقت میں یوروپ کے کسی اور ملک کی دولت اور ثروت، ان کی مصنوعات کی وسعت، اور ان کی تجارتی ترقی اور قابلیت پر منحصر ہے۔ اس کشمکش حیات میں جو ہمارے گرد جاری ہے میں اپنے نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے کو آزاد اور سود مند پیشوں اور کاموں میں لگائیں۔ اور ملک کے ان ذخائر کی تلاش کریں جو مشترک سرمایہ اور باقاعدہ محنت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ انھیں باہر جا کر بڑے بڑے کارخانوں اور عظیم الشان تجارتی دوکانوں میں کام سیکھنا چاہیئے اور پھر خود اپنا کاروبار جاری کرنا چاہیئے۔

اس قسم کے پیشے کچھ کم نہیں ہیں جن کو ہم قلیل سرمایہ سے چلا سکتے ہیں۔ اور ان کے ذریعہ معقول آذوقہ حاصل کر سکتے ہیں۔ ایسی دستکاریوں کی تعداد بھی بے شمار ہے جن کے چلانے کے لئے سرمایہ کی اس قدر ضرورت نہیں ہے جس قدر محنت اور استقلال کی؛"

"ہندوستان میں تعلیم عامہ کے ہم پلہ تعلیم نسواں کا مسئلہ بھی ہے۔ اس سوال کے دو شق ہیں (۱) یہ کہ طریق تعلیم کیا ہو؛ (۲) نصاب تعلیم کیسا ہو جو عورت کے لئے سود مند ہو؟۔

"سب سے پہلا اور بڑا معلم مثال ہوتی ہے۔ اور یہ مثال ماں ہی کی ہوتی ہے۔ جو ہمیشہ بچوں کے پیش نظر ہوا کرتی ہے اور ان کی زندگی پر اس کا ہی اثر پڑا کرتا ہے یہ ماں ہی کا سانچہ ہے جس میں روزانہ بچہ ڈھلتا رہتا ہے۔ ہم پر مذہباً اور اخلاقاً واجب اور لازم ہے کہ ہم ان کو (عورتوں کو) تعلیم دیں اور اس قابل بنائیں کہ زندگی میں وہ ہمارے لئے ایک رفیق اور ہمدم ثابت ہوں۔ اگرچہ میں اس امر میں مخالفین تعلیم نسواں کے ہم رائے نہیں ہوں کہ عورتوں کو جغرافیہ کی اتنی تعلیم ہو کہ وہ گھر کے مختلف کمروں کو جان لیں کیمسٹری کی اس قدر کہ پانی کا اُبالنا جانیں اور تاریخ کی اس قدر کہ اپنے والدین کے مختلف رشتہ داروں کو معلوم کر لیں تاہم میں اس تعلیم کا بھی سخت مخالف ہوں جو عورت کو اس کے دائرہ سے نکال دے یا اس کے گھر کی چہار دیواری کو اس سے چھڑا دے۔ اپنی لڑکیوں کی تعلیم کی اسکیم میں مذہبی تعلیم اور کامل مذہبی تعلیم کو سب سے اوّل جگہ دوں گا۔ اس کے بعد سینا پرونا سوزن کاری اور خانہ داری کی تھوڑی تعلیم حفظان صحت کا علم ان کے علاوہ انگریزی سے بھی تھوڑی بہت واقفیت ہو تاکہ دوائی کی شیشیوں کے لیبل اور دوسری ضروریات خانہ داری کی چیزوں کے ناموں کی شناخت ہو سکے"

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیوشن پاس ہوئے۔

۱۔ مدراس کے مختلف شہروں ترچناپلی، ویلور اور کرنول وغیرہ میں جہاں مسلمانوں کی خاصی آبادی ہے اسکول جاری ہونے چاہئیں۔

۲۔ راولپنڈی کے مسلمانوں کی درخواست ہے کہ ان کی آمدنی سے تین پائی فی روپیہ تعلیمی اغراض کے لئے وصول کئے جائیں۔

۳۔ مدرسہ کلکتہ کو اسلامیہ کالج بنایا جائے۔

۴۔ صوبہ سرحد و پنجاب میں صوبہ یوپی کی طرح مسلمان طلبہ کے اسلامیہ اسکول جاری کئے جائیں۔

۵۔ کلکتہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے کلاس سے عربی و فارسی کی تعلیم متروک نہ کی جائے۔

میر نثار حسین نے علامہ شبلی نعمانی کی وفات حسرت آیات پر ایک قطعہ تاریخ پڑھا اور مولوی الف دین نفیس نے ایک نظم پڑھی۔

قطعہ تاریخ وفات حسرت آیات علامہ شبلی نعمانی مرحوم

از میر نثار حسین ڈپٹی مجسٹریٹ علیگڈھ

شبلی کہ بود منبع افضال و کان علم — شبلی کہ بود صاحب اوصاف بیکراں

شبلی کہ بود شمع شبستان علم و فضل — شبلی کہ بود عاقل و فرزانہ بے گماں

شبلی کہ بود بلبلِ باغ سخنوری — شبلی کہ بود زینتِ بزمِ سخنوراں

شبلی کہ بود بلبل بستانِ مصطفےٰ — بُد فخر علم و فضل و ادب را بذاتِ آں

آں مجمع الصفات چو خوابید زیر خاک — شد آفتاب علم و ہنر در زمیں نہاں

برباد گشت گلشن فضل و کمال آہ — چوں مرغ روح او بجناں کرد آشیاں
آں فاضلِ اجل چو خرامید سوئے خلد — ہر سو بپا ز درد شدہ نالہ و فغاں
یکتائے روزگار و وحید زماں گزشت — می کرد ناز قوم براں فاضل جہاں
تالیفِ سیرۃ نبوی ناتمام ماند — شد پارہ پارہ دفتر امیدِ ناگہاں
مثلش نزاد مادر گیتی کسے دگر — مانند او نیافت مگر دورِ آسماں
زیں واقعہ کہ بر دلِ من تیر غم نشست — زیں حادثہ کہ دیدۂ من کرد خوں فشاں

گفتہ نثار خستہ جگر سال رحلتش
بگزشت وائے شبلیٔ علامۂ زماں
۱۳۳۲ھ

اشعار جو مولوی انیس احمد صاحب بی اے۔ نے اپنے لیکچر میں پڑھے۔

تم کسی قوم کی تاریخ اُٹھا کر دیکھو
دو ہی باتیں ہیں کہ جن پر ہے ترقی کا مدار
یا کوئی جذبۂ دینی تھا کہ جسنے دم میں
کر دیا ذرۂ افسردہ کو ہم رنگ شرار
ہے یہ وہ قوتِ پر زور کہ جس کی ٹکر
سنگ خارا کو بنا دیتی ہے اِک مشت غبار
اس کی زد کھا کے لرز جاتی ہے بُنیاد زمیں
اس سے ٹکرا کے بکھر جاتے ہیں اوراق دیار
یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچے
کھیلنے جاتے تھے ایوان گہ کسریٰ میں شکار
وہ الٹ دیتے تھے دنیا کا مرقع دم میں
جنکے ہاتھوں میں رہا کرتی تھی اُونٹوں کی مہار

اس کی برکت تھی کہ صحرائے حجازی کی سموم
بن گئی دہر میں جا کر چمن آرائے بہار

یہ اُسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے رہزن
فاش کرنے لگے جبریل امیں کے اسرار

یا کوئی جاذبہ ملک و وطن تھا جس نے
کر دیئے دم میں قوائے عملی سب بیدار

ہے اسی مے سے یہ سرمستی احرار وطن
ہے اسی نشہ سے یہ گرمیٔ ہنگامۂ کار

نظم خطاب بہ مُسلم

از مولوی الف دین نفیس

مسلمانو! کہاں اب ہیں وہ عظمت کے نشاں باقی
سبق آموز عبرت ہے تمہاری داستاں باقی

نہ وہ محفل، نہ وہ ساماں، نہ وہ میخوارگاں باقی
نہ وہ مینا، نہ وہ ساغر، نہ وہ پیر مغاں باقی

ہوئی چشم زدن میں بزم اخوان الصفا برھم
نہ اب وہ شمع ہے روشن، نہ وہ پروانگاں باقی

دلِ پُر داغ ہے اک یادگار محفل رنگیں
عوض مینا کے رہتی ہے یہ چشم خونچکاں باقی

رہا ہے ہم نشینو! یادگار صحبت عشرت
خمار بادۂ دوشینہ سے اک سرگراں باقی

ہوئی وہ بزم کیوں برہم نکمّے ہو گئے کیوں ہم
بپا کیوں ہے یہ ماتم، اور کیوں آہ و فغاں باقی

سبب اس کا تو ہے ظاہر کہ قرآں طاق نسیاں سے
پکارے ہے کہ اب میرا نہیں کوئی قرآں باقی

وہ روحِ وحدتِ انساں، کہ جس کو لایا تھا میں یاں
نہیں اے نام کے مسلم کہیں اس کا نشاں باقی

یہ شیعی ہے وہ ہے سنی، یہ رافض ہو وہ ہے ناصب
نہیں اے وحدتِ ملت ترا نام و نشاں باقی

کبھی تھا اتحادِ باہمی سرمایۂ نازش
مگر اب رہ گئیں لے دے کے خانہ جنگیاں باقی

اُترنا ساحلِ مقصود پر دشوار ہے اپنا
خلیج شیعی و سنی ہے جب تک درمیاں باقی

بہت ہوں گے خدا حافظ بہارو میرزا پیدا
رہا گر ادعائے مہدیٔ آخر زماں باقی

ہے جب واحد خدائے قبلۂ پیغمبر و قرآں
رہیں پھر کیوں مسلمانو! یہ فرقہ بندیاں باقی

کبھی ہم پیشرو رُوئے زمیں پر تھے تمدن کے
ہیں اب تک رہ گزاروں پر نشانِ کارواں باقی

اگر چین میں ابی کبشہ ہے تو اندلس میں طارق ہے
ہے ذکر ابن قاسم سندھ میں وردِ زباں باقی

زمانہ پر عیاں ہے رفعتِ مینارِ دلّی سے
زمینِ ہند میں اسلام کا ہے آسماں باقی

وہ تاجِ آگرہ ممتاز عالم اپنی خوبی میں
مجسّم ہے سراپا حیرت نظارگاں باقی

ادھر چوٹی ہمالہ کی اُدھر پرنیز کی وادی
شکوہِ سطوت اسلام کے ہیں ترجماں باقی

اشدّاء علی الکفار پر تھے رحم دل باہم
تمہاری نرمی وگرمی سے تھا نظم جہاں باقی

جب اس نرمی وگرمی پر حکومت تھی فراست کی
تھے اقلیم سیاست میں تمہیں تم حکمراں باقی

تھا قرآں ہاتھ میں تکبیر لب پر وِرد سینے میں
نہ تھا روئے زمیں پر کوئی اپنا ہم عناں باقی

جھکا اللہ کے آگے جھکایا ساری دنیا کو
یہ رازِ عظمت مسلم تھا سجدہ میں نہاں باقی

کمال عبدیت میں تھا جلال سلطنت مضمر
یہ نکتہ سیرتِ احمد سے ہے یکسر عیاں باقی

یہودی ہیں کہ نصرانی برہمن ہیں کہ زرتشتی
یہ ہیں سب نعمت اسلام کے متلاشیاں باقی

کوئی دن میں یہ سارے جذب ہو جائینگے وحدت میں
رہے گا سکۂ توحید عالم میں رواں باقی

تو اے دین الٰہی کاشفِ اسرار فطرت ہے
رہے گا تیرے قبضہ میں ہمیشہ ملک جاں باقی

گل توحید قرآں سے معطر ہے مشام جاں
رہے گی باغ احمد میں بہارِ بے خزاں باقی

الٰہی کیا ہوا وہ اعتصام عروۃ الوثقےٰ
کہ ہے اب منتشر شیرازۂ اسلامیاں باقی

نہ وہ مومن نہ وہ ایماں نہ وہ مسلم نہ وہ عرفاں
یونہی ہیں پیکر بے جاں بدست زندگاں باقی

نہ ساجد ہیں نہ ہیں راکع نہ قاعد ہیں نہ ہیں قائم
نہ سر اندازیاں باقی نہ سر افرازیاں باقی

جمود عام سے طاری نہیں تیزی دماغوں میں
نہ دل میں نرمیاں باقی نہ خوں میں گرمیاں باقی

نہ سر سید کی دلسوزی نہ مہدی کی دل افروزی
نذیر خوش بیاں باقی نہ شبلی نکتہ داں باقی

رہے گلدستہ رنگیں سے اک شیریں بیاں حالی
سو ہیں یہ اک گل پژمردہ یادِ گلستاں باقی

الٰہی دیر تک محفوظ رکھیو دست گل چیں سے
کہ ان کے بعد یاں خالی ہے جائے رفتگاں باقی

گل، اشکِ چشم، لالہ، داغ دل، سنبل پریشاں
یہی اب رہ گئی ہے یادگار گلستاں باقی

مدد اے جذبۂ فیض خدائے برتر و دانا
کہ ہے اس دور رجعت میں یقینِ خصت گماں باقی

ترا در چھوڑ کر یارب بتا جائے کہاں مسلم
کہ ہے اللہ والوں کا یہی اک آستاں باقی

تو اکرم ہے کریموں میں تو ارحم ہے رحیموں میں
تو ہی اک بیکسی میں ہے نصیر بے کساں باقی

شفیق عاجزاں ہے تو غفور عاصیاں ہے تو
توہی بس بے بسی میں ہے رفیق بے بساں باقی

سہارا تیری رافت پر بھروسہ تیری رحمت پر
کرم پر ہے ترے تکیہ معین و مستعاں باقی

ترا ارشاد ہے مولے اجیبُ دعوۃ الداعی
رہیگا کب تلک محزوں نفیسؔ خستہ جاں باقی

اکتیسواں سالانہ اجلاس منعقدہ کلکتہ ۱۹۱۷ء

کانفرنس کا اکتیسواں سالانہ اجلاس بمقام کلکتہ ۱۹۱۷ء میں ہوا۔ اس جلسہ کی صدارت مسٹر محمد اکبر علی نذر علی حیدری (نواب سر حیدر نواز جنگ) نے فرمائی۔ یہ اجلاس مولانا مولوی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی (نواب صدر یار جنگ بہادر) کے جائنٹ سکرٹری شپ کے زمانے میں پہلا اجلاس تھا۔

اس اجلاس کی دعوت بنگال پراونشیل ایجوکیشنل کانفرنس کی طرف سے دی گئی تھی۔ استقبالیہ کمیٹی کے صدر مسٹر عبدالرحیم بخش الٰہی، اور آنریری سکرٹری مسٹر واحد حسین بی اے بی ایل منتخب ہوئے۔ مہمانوں کے قیام کا انتظام مدرسہ عالیہ، بنگالی مدرسہ، ڈھاکہ بلڈنگ، مسافر خانہ حاجی الٰہی بخش کی عمارتوں میں کیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ بعض مہمان دوسرے مقامات پر بھی ٹھہرائے گئے تھے۔ جلسہ گاہ کی تعمیر پر کئی ہزار روپیہ صرف ہوئے۔

صدر جلسہ محمد اکبر نذر علی حیدری ایک تاجر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ ۸ فروری ۱۸۶۹ء کو بمبئی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر پائی۔ اس کے بعد الفنسٹن ہائی اسکول میں اور پھر سینٹ زیویر ہائی اسکول میں داخلہ لیا۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد سینٹ زیویر کالج سے سترہ برس کی عمر میں بی اے آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ انڈین فینانس کے امتحان میں شاندار کامیابی حاصل کرنے کے بعد ناگپور میں اسسٹنٹ کنٹرولر کی حیثیت سے فینانس ڈپارٹمنٹ میں عملی زندگی شروع کی۔ یہ ۱۸۸۸ء کی بات ہے۔ قیام ناگپور میں انھوں نے انجمن

حامی اسلام کی بنیاد ڈالی اور ایک اسلامی اسکول قائم کیا۔
جولائی ۱۸۸۹ء میں لاہور کرنسی آفس میں تبادلہ ہوا اور اس کے بعد کلکتہ اور الہ آباد یونیورسٹی کے محمڈن بورڈنگ ہاؤس کی تعمیر میں بھی انھوں نے حتی الوسع حصہ لیا۔ جب وہ مدراس میں ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل تھے تو وہاں محمڈن لٹریری سوسائٹی کے فروغ میں حصہ لیا۔ ۱۹۰۱ء میں افسر خاص کی حیثیت سے ہندوستان اور برہما کے سرکاری پریسوں کی مالی حالت کے متعلق ایک مکمل رپورٹ اور اسکیم پیش کی جو "حیدری اسکیم" کے نام سے موسوم ہوئی اور سرکار ہند نے اس پر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔
۱۹۰۵ء میں ان کی خدمات سرکار عالی نظام حیدرآباد نے حاصل کرلیں۔ وہاں ان کا تقرر معتمد فینانس کے عہدے پر ہوا۔ ان کے مشورے سے محکمہ تعلیمات حیدرآباد میں اصلاحیں کی گئیں۔ محبوبیہ گرلس اسکول کی ترقی میں انھوں نے بہت حصہ لیا۔ ۱۹۲۰ء میں وہ گورنمنٹ ہند کی ملازمت پر واپس آگئے -- اور صوبہ بمبئی میں اکاؤنٹنٹ جنرل کے عہدہ پر تقرر ہوا۔ یہ پہلے ہندوستانی تھے جنہیں اعلیٰ درجے کے صوبہ میں یہ عہدہ دیا گیا۔ سرکار ہند کی ملازمت سے سبکدوش ہونیکے بعد پھر حیدرآباد دکن میں دولت آصفیہ کی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۲۵ء میں ان کو انٹر یونیورسٹیز بورڈ کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس کے علاوہ مختلف سیاسی اور ملکی خدمات انجام دیں ۱۹۴۲ء میں انتقال ہوا۔
کلکتہ کے اجلاس میں انھوں نے جو خطبہ صدارت ارشاد فرمایا اسکا ضروری اقتباس حسب ذیل ہے :۔
"جب ہم ہندوستان کے مختلف صوبوں کی تعلیمی رپورٹوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم کر کے حیرت ہوتی ہے کہ خواہ ان مقامات کی اردو زبان کے

لحاظ سے کچھ ہی حیثیت ہو لیکن مسلمان یکساں طور پر اس بات کے خواہشمند ہیں بلکہ
ان کا اصرار ہے کہ ان کے بچوں کے لئے کسی نہ کسی شکل میں اُردو تعلیم کا انتظام
کیا جائے، اور ان کا یہ اصرار بالکل بجا ہے کیونکہ اس مقدس سرزمین کی
دوسری اقوام کی طرح مسلمانوں کو بھی اپنا مذہب جان سے زیادہ عزیز ہے۔ اور
اسلامی مذہب و اخلاق کا سرمایہ جس قدر اُردو میں ہے ہندوستان کی کسی دوسری
زبان میں نہیں ہے۔ اور چونکہ مسلمانوں کے بچے ہر جگہ ابتدا میں قرآن شریف پڑھتے
ہیں اور اس کی اور اُردو کی تحریر اور اسلامی مذہب و اخلاق کی اکثر اور مستند
کتابیں اُردو میں ہیں اس لئے مذہبی اور اُردو زبان کی تعلیم باہم اس طرح وابستہ
ہو گئی ہیں کہ ان کا جدا کرنا ممکن نہیں اور اس لئے اُردو کے مطالبہ کا پورا کرنا قوم اور
گورنمنٹ دونوں کا فرض ہے لیکن میرا مطلب اس انتظام سے یہ نہیں ہے کہ ہر جگہ
اُردو ذریعہ تعلیم قرار دی جائے۔ اس کا فیصلہ مقامی حالات پر منحصر ہے۔

"میں نے بعض صاحبوں کو یہ اعتراض کرتے سنا ہے کہ اگر مسلمان طلبہ کیلئے
اُردو کی تعلیم لازمی قرار دی گئی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ علاوہ مقامی زبان کے جس
کا سیکھنا مقامی ضروریات و تعلقات کے لحاظ سے ضروری ہے مسلمان طالب
علموں پر ایک اور زبان سیکھنے کا بار بڑھ جائے گا۔ بیشک یہ صحیح ہے اور یہ
بار مسلمانوں کو اُٹھانا پڑے گا۔ اور اس کے اُٹھانے کے لئے وہ خوشی سے آمادہ
ہیں کیونکہ وہ اُردو کو قومی زبان سمجھتے ہیں۔ اور تہذیب ذوق، اسلامی تمدن
اور اتحاد خیال و یک جہتی کے لئے اس کا سیکھنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ دُنیا
میں جو قومیں قلیل تعداد میں ہوتی ہیں انھیں بہت کچھ خسارہ اُٹھانا پڑتا ہے اور
تھوڑی بہت قربانی کرنی پڑتی ہے۔ اگر ہمیں اپنی ہستی قائم رکھنا ہے تو ہمیں بھی
اس خسارہ اور قربانی کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ اور اگر مقامی لحاظ سے جزئی

نقصانات بھی ہوں تو انھیں برداشت کرنا چاہیئے ۔ ورنہ مسلمانوں کی قلیل جماعتیں جو مختلف صوبوں اور مقاموں میں منتشر پائی جاتی ہیں وہ اسلامی تمدن و تہذیب اور اسلامی اخلاق و مذہب سے محروم ہو جائیں گی اور ان کی حالت اس قدر ذلیل اور پس ماندہ ہو جائے گی کہ ان میں اور نیچ قوموں میں کچھ فرق نہ رہے گا یا وہ گمنام و بے نشان ہو کر دنیا سے مٹ جائیں گی ۔

" ہندوستان کے ہر صوبہ میں مسلمانوں کے سینکڑوں اور ہزاروں مکتب موجود ہیں جہاں قرآن شریف اور اُردو کی بُری بھلی تعلیم ہوتی ہے اگر ہم اپنی ابتدائی تعلیم کے لئے غور و احتیاط کے ساتھ ایک مناسب نصاب تعلیم مقرر کر دیں تو یہی مکتب ہمارے مقاصد کے لئے نہایت مفید و کار آمد ہو سکتے ہیں ۔ کانفرنس کا فرض ہے کہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے کام کرنے والوں کی ایک جماعت قائم کرے جو ہر گاؤں اور قصبہ میں موجود ہوں، مسلمانوں کی مقامی ضروریات کا صحیح طور سے مطالعہ کریں اور اپنے مشورہ اور اتحاد سے ان کی مشکلات کے آسان کرنے میں مدد دیں ۔ جب تک مستعد، مخلص اور خاموشی سے کام کرنے والے افراد ملک کے گوشہ گوشہ میں نہ پھیل جائیں گے اس وقت تک ہماری عمدہ سے عمدہ تجویزیں، فصیح سے فصیح تقریریں اور پُر زور سے پُر زور درخواستیں اور میموریل بیکار ثابت ہوں گے ۔ ایسے افراد مہیا کرنے میں جو خوشی و دیانت کے ساتھ کام کرنے پر رضا مند ہوں محنت، صبر اور استقلال کی ضرورت ہوگی ۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ جو لوگ اس مبارک جماعت میں شریک ہوں گے وہ اپنی قوم پر بڑا احسان کریں گے ۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں یہ حالت ہوگی کہ کوئی مسلمان بچہ ایسا نہ ملے گا جو کم از کم ایک زبان میں لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو ۔

سوال یہ ہے کہ کیا اُردو زبان کی وسعت صرف ابتدائی تعلیم تک

محدود رہے گی. کیا اس میں آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں ہے. میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اُردو زبان میں آگے بڑھنے، اعلیٰ لطیف اور علمی خیالات کے اظہار کی کافی صلاحیت موجود ہے. بشرطیکہ ہم میں خودداری اور غیرت ہو۔"

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیوشن پاس ہوئے ۔

۱۔ صنعتی درسگاہوں میں مسلمانوں کے لئے سہولتیں پیدا کی جائیں.

۲۔ بنگال کے سرکاری کالجوں میں پچاس فیصدی اور امدادی کالجوں میں تیس فیصدی نشستیں مسلم طلبہ کے لئے مخصوص رہیں.

۳۔ پنجاب یونیورسٹی میں مشرقی علوم کے امتحانات کے لئے جو سہولتیں ہیں کلکتہ یونیورسٹی میں بھی یہی طرز عمل اختیار کیا جائے ۔

۴۔ صوبہ بمبئی و بنگال میں ان طلبہ کے لئے جن کی مادری زبان اُردو نہیں ہے اُردو کو سیکنڈ لینگویج کی فہرست میں شامل کیا جائے ۔

۵۔ مجوزہ ڈھاکہ یونیورسٹی کے نظام میں مسلمان پچاس فیصدی رکھنے چاہئیں.

۶۔ اسلامی طب کی ترقی کی کوشش ہونی چاہیئے اور گورنمنٹ سے اعانت کی درخواست کی جائے ۔

اس اجلاس میں مولانا حالی اور علامہ شبلی کے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے گئے ۔

مولانا حالی مرحوم

پڑ رہی ہے چار سو دوڑو بڑھو کی یاں پکار
نیند کے ماتو! نہیں اب وقت غفلت، ہوشیار
ہو رہی ہے عرصۂ آفاق میں قوموں کی دوڑ
بڑھ رہے پیادوں سے پیادے ہیں سواروں سے سوار

قوم جو اس دوڑ میں ہاری اُسے سمجھو کہ وہ
ہوگئی زور آزمائی کا حریفوں کی شکار
سائے میں برگد کے جیسے جل کے رہجاتی ہے گھاس
ہے یوں ہی ہوتی زبردستوں میں مٹی اسکی خوار
حق ہے غالب کا کہ کچلے اور دلے مغلوب کو
ہے یہی مغلوب ہونے کا مآل انجام کار
یاد رکھو دوستو! سنت ہے یہ اللہ کی
جو نہ بدلی اور نہ بدلے گی الیٰ یوم القرار
جو بڑھے گا، مرتبہ اس کا بڑھایا جائے گا
جو گرے گا اپنے درجہ سے گرایا جائے گا

علامہ شبلی مرحوم

آپ نے ہمکو سکھائے ہیں جو یورپ کے علوم
اس ضرورت سے نہیں قوم کو ہرگز انکار
بحث یہ ہے کہ وہ اس طرز سے بھی ممکن تھا
کہ نہ گھٹتا کبھی ناموس شریعت کا وقار
ہم نے پہلے بھی تو اغیار کے سیکھے تھے علوم
ہمنے پہلے بھی تو اس نشہ کا دیکھا ہے خمار
نام لیتے تھے ارسطو کا ادب سے ہرچند
تھے فلاطون الٰہی کے بھی گو شکر گزار

جانتے تھے مگر اس بات کو بھی اہل نظر
کہ حریفوں کو نہیں انجمن خاص میں بار

سید محمد علی فانی شیرازی، مولوی غلام بھیک نیرنگ

تینتیسواں[ا] سالانہ اجلاس منعقدہ خیرپور ۱۹۱۹ء

کانفرنس کا تینتیسواں سالانہ اجلاس، بمقام خیرپور میرس (سندھ) ۱۹۱۹ء میں منعقد ہوا۔ اجلاس کے صدر منتخب آنریبل نواب مولوی شمس الہدیٰ صاحب رئیس کلکتہ تھے مگر وہ بوجہ علالت شریک اجلاس نہ ہو سکے اس لئے ان کا خطبۂ صدارت آنریبل سر مولوی رحیم بخش صاحب پریسیڈنٹ کونسل بھاولپور نے پڑھا اور اجلاس کی صدارت کے فرائض بھی انھیں نے انجام دیئے۔

کانفرنس کا ایک سالانہ اجلاس ۱۹۰۷ء میں صوبہ سندھ میں بمقام کراچی منعقد ہوا تھا۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ کانفرنس کا اجلاس صوبہ سندھ میں ہوا جس میں صوبہ سندھ کی گزشتہ بارہ سال کی تعلیمی رفتار کا جائزہ لیا گیا۔ اس اجلاس کے محرک خان بہادر مولوی محمد ابراہیم صاحب وزیر ریاست خیرپور تھے اور ان کی صدارت میں جو مجلس استقبالیہ ترتیب دی گئی اس کے جنرل سکریٹری جناب میر محمد ایوب خاں بیرسٹرایٹ لا، کراچی قرار پائے۔ ان دونوں حضرات کی مساعی اور نگرانی میں یہ اجلاس نہایت کامیابی کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔ پہلے اجلاس میں ہز ہائینس میر صاحب نے بھی شرکت فرمائی۔

صدر منتخب مولوی شمس الہدیٰ بنگال کے ایک ذی علم خاندان کے فرد فرید تھے۔ عربی کے فاضل اور مذہبی علوم سے باخبر تھے۔ علوم جدیدہ میں کلکتہ یونیورسٹی سے انھوں نے ایم اے کی ڈگری حاصل کی نزاں بعد وکالت کا امتحان پاس کیا

[ا] کانفرنس کا تینتیسواں اجلاس بمقام

اور وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ اعلیٰ درجے کی قانونی شہرت اور کامیاب وکالت کی وجہ سے وہ ہائیکورٹ کی ججی کے منصب پر فائز ہوئے۔ اس عہدے کے فرائض نہایت نیکنامی اور قابلیت کے ساتھ انجام دینے کے بعد وہ اس خدمت سے سبکدوش ہوئے اور گورنر بنگال کی ایگزیکٹیو کونسل کے ممبر نامزد کئے گئے اعلیٰ کارکردگی کے صلے میں ان کو شمس العلماء، خان بہادر، نواب اور سر کے خطابات عطا ہوئے۔ ہر قسم کی سوشل اور علمی سوسائٹیوں کی اصلاح اور ترقی سے انکو خاص دلچسپی تھی۔ انھوں نے تقریباً ستر سال کی عمر میں ۱۹۲۳ء میں انتقال کیا۔

اگرچہ اس اجلاس کی صدارت وہ بہ نفس نفیس بوجہ علالت نہ فرما سکے تاہم ان کا تحریر کردہ خطبہ صدارت اس اجلاس میں پڑھا گیا اور صدارت مولوی سر رحیم بخش صاحب پریزیڈنٹ کونسل بہاولپور نے فرمائی۔ خطبہ صدارت کے جستہ جستہ حصے درج ذیل ہیں :

"تعلیمی پالیسی قرار دینے میں صرف دو اصول ہمارے مدنظر ہونے چاہئیں سب سے پہلے حصول تہذیب اور دوسرے حکومت کے اندر اثر۔ اور ان دونوں مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے مغربی تعلیم ازبس ضروری ہے۔ مغربی حصول تعلیم سے میری مراد کسی مغربی زبان کے ذریعہ سے تعلیم دینا نہیں ہے۔ اگر حالات زندگی اجازت دیتے تو میں مسلمانوں کے لئے ذریعہ تعلیم اُردو کو قرار دینے کو ترجیح دیتا۔"

"یہ بات زمانۂ حال کے معمول میں سے ہے کہ ہماری تعلیم ایک غیر ملکی زبان کے واسطہ سے شروع ہو۔ یہ شیر خورانی کا وہی مصنوعی طریقہ ہے جس نے ہماری دماغی نشو و نما کو بیخ و بن سے ضائع کر دیا ہے۔ اور ہمارے بچوں کی تعلیم کو اصل سے دوچند مشکل کر دیا ہے۔ اس سے اُپج کا مادہ بالکل ضائع

ہوگیا ہے اور تحقیقات کی روح مردہ ہوگئی ہے جس کی وجہ سے ہمیں تعلیمی ترقی میں قدم قدم پر مشکلوں کا سامنا ہوتا ہے۔"

میری رائے میں ہماری تعلیمی پالیسی کی انتہائی منزل یہ ہونی چاہیئے کہ اپنی مادری زبان کے ذریعہ سے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیمی امتیاز حاصل کرسکیں جو ہمیں کسی ہندوستانی یونیورسٹی سے ملنا ممکن ہے۔ انگریزی زبان کی تعلیم محض اس ضرورت سے جاری رہنی چاہیئے کہ موجودہ زمانہ کی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ اور جو لٹریچر اُردو میں پیدا نہیں ہوا ہے پیدا ہو جائے۔"

تعلیم نسواں کے متعلق انھوں نے فرمایا کہ

ہر مسلمان لڑکی کو تعلیم اُردو میں سائنس اور ادب کی دی جائے اس طریقہ سے اس پر سے بار نہایت کم ہو جاوے گا۔ ایسا کرنے سے عام طور پر مسلمانوں میں تعلیم نسواں کا شوق پیدا ہوگا اور ترقی ہوگی اگر ہم مذہبی تعلیم اسکے ساتھ لازمی قرار دیں۔"

- اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیوشن پاس ہوئے

۱۔ سندھ کے ملا اسکولوں کی عمارات و فرنیچر میں ترقی دی جائے اور ان کو ترقی دے کر لوکل بورڈ کے اسکولوں کے نمونے پر لایا جائے۔

۲۔ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ایک کمیٹی قائم کی جائے

۳۔ سندھ میں زراعتی کالج قائم کیا جائے۔

اس اجلاس میں سید محمد علی قآنی شیرازی نے ایک قصیدہ اور مولوی غلام بھیک نیرنگ نے "نوائے انقلاب" کے عنوان سے ایک ولولہ انگیز نظم پڑھی۔

قصیدۂ خیر مقدم

از سید محمد علی المتخلص فانی

از ملائک تہنیت آمد ز اوج آسماں
بہرِ تشریف شما ہا اے ملائک سیرتاں

خیر مقدم مرحبا اے کاشفانِ سرِّ علم
بارک اللہ حبذا اے نیک نامانِ جہاں

پایۂ ایں حوزہ می باید کہ بر گردوں رسد
بہرِ تشریف شما اے صاحبانِ عز و شاں

از کراماتِ شما در سندہ آواز علوم
مرتفع گردید اکنوں تا چہارم آسماں

صوتِ علم و حلم تاں از گوش دل بشنیدہ ام
ورنہ کے صورت گرفتے دار علمِ ما عیاں

علم بر اور نگِ طبع ما کنوں، مادی گرفت
جہل با حال پریشاں گشت گم از ایں میاں

خاص اندر خیرپور امروز بنمودہ ہجوم
شکرِ علم از نظامِ خسروِ فرخ گماں

شاہ گردوں مرتبت سر میر امام بخش آنکہ ہست
فتح و فیروزی بدوراں یار کابش توأماں

مشتری از رائے نیکت در فلک شد مشتری
فطنتت را شد عطارد طالب اے والا مکاں

درزمانت جہل شد مفقود از اقلیم ہند

ہمچناں شد دلر با علم و ہنر چوں ہوشاں

عدل تو از یک طرف بنمودہ رو در تمشیت

جانبِ دیگر ز مطفِ جلوہ گر امن و اماں

گر نمی بودے مربی ایں وزیر نامور

کے سپاہ جہل شد از سندھ بے نام و نشاں

در ہزیمت لشکرِ جہلا تبہ کردار گشت

جلوہ گر چوں شد سپاہ علم از ہندوستاں

نیست مخفی حال ما ہا از شما دانش وراں

لازم تفصیل نہ بود تا نمایم من بیاں

ملجا و ماوائے خود دانیم از شاہ و فقیر

لطفِ بیحدِ شما را یک پس از یک ایں زماں

ناز بردار از برائے کودکاں باشد پدر

ما ہمہ طفل و شما ہا چوں پدر لے خواجگاں

مرحبا بادا بکردار شما ہر صبح و شام

بر بزرگانے کہ باشد نام شاں طب اللساں

سید شمس الہدا نواب عالی مرتبت

آں کہ باشد سرپرست جملۂ اسلامیاں

گر نخواہم یک بیک از ایں بزرگاں را بنام

مدح بنمایم بباید دفترے چوں آسماں

بہتر از مدح تو باشد، فانیا، اکنوں دعا

چونکہ اُدعونی بفرمودہ خدائے مہرباں

یارب از بہر نبی و آل؛ صحابش ملدام
کانفرنس ما بود در زماں واژ الاماں

ولہ

اے صاحبان بزم عزیباں خوش آمدید
از ملک ہند سلسلہ جنباں خوش آمدید
از علم و حلم و فضل گرفتید ملک ہند
اکنوں بقصد سندھ شتاباں خوش آمدید
معدوم گشتہ علم و ہنر در میان ما
نازک تخیلانِ سخنداں خوش آمدید
از بہر رفع جہل قدم رنجہ کردہ اید
باشد ہمیں رضائے محبان خوش آمدید
کوشش کنید تاکہ شود سندھ ہمچو ہند
از علم و فضل شہرہ بدوراں خوش آمدید
گویم من از زبان براہیم خاں مدام
اے اہل فیض و نخبۂ نیکاں خوش آمدید
"فانی" بگو بصوتِ جلی از خلوصِ دل
اے صاحبانِ دولت ایماں خوش آمدید

نوائے انقلاب

از مولوی غلام بھیک نیرنگ

چل رہی ہے باغ عالم میں صبائے انقلاب
آ رہی ہے پتے پتے سے صدائے انقلاب

انقلاب آئین ہستی ہے نہیں اس سے مفر
چلتی رہتی ہے ہمیشہ آسیائے انقلاب

زیر و بم سے ہے مرکب زندگی کا زمزمہ
زیست کہتے ہیں جسے، ہے اک نوائے انقلاب

ذرے ذرے سے ہے آہنگ تغیر موجزن
سازِ ہستی سے نکلتی ہے صدائے انقلاب

ایک حالت پر نہیں ہے کارگاہ ہست و بود
یعنی ہر ساعت نرالی ہے ادائے انقلاب

قطرہ گہہ ہے بحر، گا ہے ابر، گا ہے برف گاہ
کس قدر دلکش ہے حسن عشوہ ہائے انقلاب

ذرہ گا ہے دشت، گا ہے کوہ، گا ہے ماہ ہے
ہے سبق آموز ہمت ارتقائے انقلاب

جب تلک ہستی ہے گردش سے بھی چھٹکارا نہیں
انتہائے زندگی ہے انتہائے انقلاب

گردشِ دوراں تنزّل کا مرادف کیوں بنے
کیوں ترقی کو نہ سمجھیں مدعائے انقلاب

زندگی کا راز ہے سعیٔ مسلسل میں نہاں
اہل ہمت کو نہیں ممکن وبائے انقلاب

باری باری ہوتے آئے ہیں سبھی زیر و زبر
تجھ کو دھوکے میں نہ ڈالے ابتلائے انقلاب

یاس تو جب ہو اگر ساکن ہو دریائے حیات
مزرعِ امید مرداں ہے فضائے انقلاب

زندگی سیل رواں ٹھیری تو پھر کیسا سکوں
قطرہ قطرہ ہے یہاں تو آشنائے انقلاب
دانہ کہتا ہے کہ مرکز سے اگر تم ہٹ گئے
پیس ہی ڈالے گی تم کو آسیائے انقلاب
تیری کوشش پر مدارِ کار جب رکھا گیا
تو بنا بیٹھا ہے کیوں برگِ ہوائے انقلاب
خود ہی کچھ کر کے دکھا گردش کی کٹھ پتلی نہ بن
جوہرِ تقلیب پیدا کر بجائے انقلاب
منقلب گشتن خس و خاشاک را ہم حاصل ست
درخورِ اہلِ ہمم تدبیر کارِ مشکل ست

بند دوم

مدتوں سے گو تنزل پر ہے اپنا اختتام
اس کے یہ معنی نہیں، اب ہم نہ لیں جینے کا نام
بات مت سننا کبھی پیغمبرانِ یاس کی
ہمتیں ان کی شکستہ ہیں خیال ان کا ہے خام
وہ سمجھتے ہیں مرض ہے پیش خیمہ موت کا
انحطاطِ قوم ہے گویا دلیلِ انہدام
لغو ہے یہ قول، دنیا میں ہے ہر دکھ کی دوا
زخم ہے وہ کونسا جس کو نہیں ہے التیام
یہ تو یاروں نے ہمارے اک بنا رکھی ہے بات
ہے ہمارے حوصلوں کا توڑنا ان کا مرام

زہر اخلاقی ہے ان اقوال میں ان سے بچو
تم ہوئے بد دل تو ہوگا درہم و برہم نظام

در ہیں اصلاح و ترقی کے قیامت تک کھلے
اور پھر ہم پر، کہ ہم ہیں اُمتِ خیرُالانام

اس سے نسبت ہے ہمیں جس پر نبوت ختم ہے
متصل ہے صبحِ محشر سے ہمارے دن کی شام

حق تو وہ شے ہے کہ ہرگز ہو نہیں سکتا فنا
ہم ہیں اہلِ حق، بھلا پھر ہم کو اور مٹنے سے کام

مسلکِ حق ہے وہی توحید جس کا نام ہے
حشر تک توحید کو حاصل ہے عالم میں قیام

ہم ہیں زندہ، میں ہوں زندہ جب تلک قائم ہے حق
میں ہوں حق پر، اور دوام حق ہی خود میرا دوام

تیغ زن اسلام کا پسپا کبھی ہوتا نہیں
جنگ کا انجام کچھ ہو اس کو ہے لڑنے سے کام

وہ جہاں ڈٹتا ہے، پھر پیچھے نہیں ہٹتا کبھی
کھینچ کر شمشیرِ صولت، توڑ دیتا ہے نیام

زندگی بھی رزم کا میداں ہے انساں کے لئے
اس میں بھی تیغِ عمل سے۔ لے اسی جرأت سے کام

سعی اور امید کا دامن نہ چھوٹے ہاتھ سے
خواہ کچھ ہو، کاہلی لکھی نہ جائے تیرے نام

تیرا ذمہ سعی تک کا ہے، نتائج کا نہیں
فرض ہے تیرا ہی اتنا، کام سے رکھ اپنے کام

"لیس للانسان الا ما سعیٰ" برہان ماست
شیوۂ عزّ و توکل داخل ایمانِ ماست

بندِ سوم

ہم نے یہ مانا کہ منظر ہے نہایت دل شکن
ہمنے یہ مانا کہ ہے نذرِ خزاں اپنا چمن
مشربِ امید میں افسردگی جائز نہیں
کیا عجب ہے لوٹ آئے پھر وہی عیشِ کہن
آج پت جھڑ ہے تو ہو کل پھر بہار آنے کو ہی
سبزہ و گل پھر وہی ہوں گے وہی سرو و سمن
شاہدِ ہستی کی ہو جائے گی پھر کایا پلٹ
پھر وہی اگلی سی رعنائی وہی اس کی پھبن
سختیاں گو تجھ کو پیش آئیں تو ہرگز غم نہ کھا
چاند سورج کو بھی آخر لگ ہی جاتا ہے گہن
کام مردوں کا نہیں مشکل میں ہمت ہارنا
ہے ہنسی اس میں جگت کی اور اپنا ہے مرن
پائے استقلال طے کر لے گا آخر راہ کو
کیسی ہی ٹیڑھی ہو گھاٹی کیسی ہی منزل کٹھن
کوہ کی رگ رگ سے جوئے شیر بہہ نکلے اگر
ہاتھ میں تیشہ ہو، اور دل میں ہو عزمِ کوہ کن
دَرد پیدا کر اگر بننا ہے رہبر قوم کا
سوزِ دل ہے شرط، گر بننا ہے شمعِ انجمن

بات میں تاثیر تب ہو، درد جب پہلو میں ہو
سوز ہو پیدا سخن میں ہو اگر دل میں جلن

ذلّت قومی کا بھی احساس کچھ پیدا کرو
اپنے اپنے حال میں کب تک رہو گے تم مگن

ہم کو جبتک حس نہ ہو سود و زیاں کچھ بھی نہیں
ہم پہ ہو غم خوار نالاں، یا ہو دشمن خندہ زن

اس زمانہ میں نئی تعلیم سے چارہ نہیں
چاہیئے سکہ وہی، دنیا میں ہے جس کا چلن

ہو عجب انداز سے آرائش لیلائے علم
ایشیائی ہو متانت، اور فرنگی بانکپن

ذوق ہو یورپ کا اور اخلاق ہو اسلام کا
مشرقی ہو تربیت اور مغربی ہوں علم و فن

ایک ہی گل میں ہو سامان نشاط جسم و رُوح
رنگ تعلیم جدید و بوئے تہذیب کُہن

عقل تو از علم حاضر جام صہبائے کشد
جانِ تو از کوثر اسلام مینائے کشد

نواب محمود علی خاں

پینتیسواں سالانہ اجلاس منعقدہ علی گڑھ ۱۹۲۲ء

کانفرنس کا پینتیسواں اجلاس بمقام علی گڑھ ۱۹۲۲ء میں زیر صدارت آنریبل میاں فضل حسین صاحب وزیر تعلیمات پنجاب منعقد ہوا۔ یہ نان کوآپریشن کے قریب کا زمانہ تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کو سخت دھکا لگ چکا تھا۔ اور ۱۹۲۱ء میں کانفرنس کا اجلاس بھی نہ ہو سکا تھا اس لئے ۱۹۲۲ء میں یونیورسٹی کے پہلے کانووکیشن کیساتھ ہی کانفرنس کا اجلاس بھی ہونا قرار پایا۔ استقبالیہ کمیٹی کے صدر آنریبل نواب خان بہادر محمد مزمل اللہ خاں منتخب ہوئے۔ یونیورسٹی کی کشادہ عمارتیں مختلف کوٹھیاں مہمانوں کے لئے کھلی ہوئی تھیں۔ باہر سے آنیوالے اصحاب خان بہادر مولوی عبیدالرحمن خاں کے مہمان تھے۔ اس اجلاس میں علیا حضرت سرکار عالیہ والی بھوپال نے دوسری مرتبہ شرکت فرما کر کانفرنس کو شرف و افتخار بخشا۔ مقررین میں مولانا سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر شفاعت احمد خاں کی تقریریں نہایت دل آویز اور موثر تھیں۔

صدر اجلاس میاں فضل حسین کی پیدائش پشاور میں جون ۱۸۷۷ء میں ہوئی وہ ایک راجپوت خاندان کے چشم و چراغ تھے جو بٹالہ ضلع گورداسپور کا ایک قدیم خاندان تھا۔ ایام طفولیت ہی میں ماں کے سایہ سے محروم ہو گئے تھے۔ انیس سال کی عمر میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۸۹۸ء میں انگلستان گئے اور ۱۹۰۱ء

---

[1] کانفرنس کا چونتیسواں سالانہ اجلاس ۱۹۲۰ء خان بہادر ابراہیم ہارون جعفر صاحب کی زیر صدارت بمقام امراؤتی (برار) منعقد ہوا اور ۱۹۲۱ء میں سیاسی حالات کی عدم استواری کی وجہ سے اجلاس منعقد نہ ہو سکا۔

میں بیرسٹری کی سند حاصل کر کے وطن واپس آ گئے۔ انھوں نے پہلے سیالکوٹ میں اور اس کے بعد لاہور چیف کورٹ میں پریکٹس شروع کی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ صوبے کے ممتاز بیرسٹروں میں شمار ہونے لگے۔ اسی زمانہ میں انھوں نے سودیشی تحریک اور ترکوں کی حمایت میں خاص طور سے حصہ لیا اور اسلامیہ کالج لاہور کی اعزازی پرنسپلی کی خدمت بھی انجام دی۔ اس کے بعد بھی کالج مذکور کے نظم ونسق میں ان کا بڑا ہاتھ رہا۔ ۱۹۱۶ء میں یونیورسٹی پنجاب کی طرف سے لیجسلیٹو کونسل میں نمائندہ کی حیثیت سے نامزد کئے گئے۔ ۱۹۱۹ء تک انھوں نے سیاسی تحریکوں میں پوری دلچسپی اور جوش سے کام کیا ۱۹۲۰ء میں جدید کونسل پنجاب کے ممبر منتخب ہوئے اور اسی کونسل میں وزیر تعلیم کا عہدہ پایا۔ "سر" کا خطاب ملا۔ انجمن حمایت الاسلام کی اچھی خدمات انجام دیں یونیسٹ پارٹی کے وہ بانی مبانی تھے ان کے دور وزارت میں زمیندار طبقے کو خوب فائدہ ہوا ۱۹۳۶ء میں میاں فضل حسین کا انتقال ہوا۔

میاں فضل حسین نے اس موقع پر ایک شاندار خطبۂ صدارت پیش کیا جو نہایت جامع اور مانع تھا۔ تحریک عدم موالات پر روشنی ڈالی اور اس سلسلے میں مسلمانان ہند کے تعلیمی اداروں کے بند ہونے سے جو نقصان پہنچا تھا اس کی نشاندہی کی نظام تعلیم اور مقاصد تعلیم کا جائزہ لیا اور اس پر اپنی جچی تلی رائے دی۔ اس ہنگامہ خیز دور میں مسلمانوں کو ہمسایہ ملکوں اور ہمسایہ قوموں سے کس طرح برتاؤ کرنا چاہیئے اس کی وضاحت کی اور مسلمانان ہند کے تعلیمی نصب العین کو سامنے رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل پانچ امور پر روشنی ڈالی۔ (۱) توحید (۲) اخوت نوعی (۳) خدمت خلق (۴) مشرقیت (۵) مادر وطن کی خدمت

انھوں نے فرمایا کہ

"اس کیلئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم کو عام اور لازمی

بنا دیا جائے جس سے ہر شخص کی اقتصادی اہمیت بڑھ جائے تاکہ وہ زیادہ نتیجہ خیز کام کر سکے اور زیادہ صحت مند اور زیادہ مرفہ الحال زندگی بسر کر سکے۔

"اس ابتدائی تعلیم کو ان معنوں میں "قومی" بنا دینا چاہیئے کہ یہ طلبا کو مدنیت کے سیدھے سادے اصول سکھا سکے۔ اور ساتھ ہی اس میں مذہبی عنصر بھی موجود ہو"

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیوشن پاس ہوئے

۱۔ مسلمانوں کو صنعتی اور زراعتی بینک قائم کرنے کا مشورہ دیا

۲۔ میوات کے مسلمانوں کے لئے ایک کمیٹی اور سفیر کا تقرر کیا جائے

۳۔ مدارس اسلامیہ میں عربی تعلیم کا ہونا لازمی ہے

نواب محمود علی خاں نے تقریر کرتے ہوئے فارسی زبان کی تعریف میں مندرجہ ذیل اشعار پڑھے

اشعار فارسی

محمود علی خاں

جاوید باد پارس و شیریں زبان پارس
اے من فدائے آں کہ بگوید زبان پارس

از روے ذوق ہمی راست سروری
من بندۂ فریفتہ عذب البیان پارس

وقتے فرشتہ آید و از من کند سوال
گویم لبرئے ہمیں کہ بگوئی زبانِ پارس

گشتم بعالمے و شنیدم ز حال او
ہر کس ز مبتلا و منم بر زبانِ پارس

ایں است زاں سبب کہ نوشتم بپارسی
خواہم کہ بشنوید ز ما ہم زبانِ پارس

آں کس کہ اہل نیست فقط بزاخفش ست — گویم بآں کسیکہ شناسد زبان پارس
بُد غُرۃ الکمال نہ اعجاز خسروی — ایں غرۃ المثال ببیں در زبان پارس
آں کس کہ مشتریِ است بگیرد زخرمی — اینک زجنسِ ماکہ بیابی نشانِ پارس
بیشک بقولِ ماست فروشم ایازرا — البتہ بآں کسے کہ شناسد زبانِ پارس

مائیم ہماں قوم کہ کردیم مسخر — روم و عجم و ہند حبش، تبت و تاتار
بودند بکشش، ہمچو غلامان خطائی — درخدمت ما جملۂ شاہاں جہاں دار
مائیم ہماں قوم کہ بودیم بگیتی — والاگہر و عاقل و دانشور و ہشیار
گر فوج عدو بود چنوں سدِ سکندر — واللہ شکستیم بیک حملۂ و شنقار
قیصر بدر دولتِ ما بندۂ مسکیں — کسریٰ بہ بر حشمتِ ما بود پرستار
بودیم بہم یک جہت از عالی و دانی — بودیم بہم متفق از بندہ و سالار
یارب چہ شد آں دولت وآں حشمتِ آنجا؟ — کو گردہ عطا بود بما حضرتِ دادار
یارب چہ شد آں جوش و جواں مردی اسلام — یارب چہ شد آں ولولۂ و شیوۂ و اطوار
یارب چہ خطا سرزدہ از ما کہ بگیتی — از جملۂ ما روح پیمبر شدہ بیزار
یارب چہ شد از ما کہ بدیں گونہ بعالم — گشتیم بدرد و الم و رنج گرفتار
اے قوم چہ کردیم کہ بر کام دل ما — امروز نگردد فلک بے ہدہ کردار
بہتر بود اے امتِ مرحومہ نمائیم — امروز زہر معصیتے رفتہ ستغفار

سرسبز شود تاکہ گلستان محمدؐ
البتہ شود باز گل ولالہ پدیدار

نواب سر مزمل اللہ خاں۔ مولوی محمد حاذق

چھتیسواں ۳۶ سالانہ اجلاس منعقدہ علی گڑھ ۱۹۲۳ء

کانفرنس کا چھتیسواں سالانہ اجلاس زیر صدارت آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی منعقد ہوا۔ یہ ۱۹۲۳ء کا زمانہ تھا اور اجلاس کے واسطے چند خاص وجوہات کی بنا پر علی گڈھ ہی کو منتخب کیا گیا۔ انتظام اور اہتمام کیلئے یونیورسٹی کے پروفیسروں اور لائق کارکنوں کی ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے صدر آنریبل نواب سر محمد مزمل اللہ خاں رئیس بھیکم پور قدیم روایت کے مطابق منتخب ہوئے۔ اجلاس کانفرنس کا پروگرام خود صاحب صدر اجلاس کانفرنس نے اپنے ہاتھ میں رکھا اور اپنے فطری ذوق کے مطابق درجہ تکمیل کو پہنچایا اجلاس کے ساتھ تعلیمی نمائش کا خیال پیدا ہوا صاحب موصوف نے ماہرین فن کی تازہ تصنیفات آلات، تصاویر، نقشہ جات اور دیگر سامان تعلیمی انگلستان اور جرمنی سے اپنے انتخاب کے موافق کافی روپیہ صرف کرکے منگایا۔ کتب خانہ سلطان جہاں منزل میں جو فن تعلیم کی نادرۂ روزگار تعلیمی اور دیگر علمی کتابوں کا ذخیرہ موجود تھا اس سے کام لیا۔ جو سامان تعلیمی اس نمائش میں مہیا کیا گیا ہندوستان کے دوسرے تعلیمی انسٹی ٹیوشنوں میں اس وقت اس کی مثال موجود نہ تھی۔ ہندوستان کی صنعت و دستکاری کے نمونے اور اسکولوں سے تعلیمی سامان و آلات بھی فراہم کئے گئے۔ نواب سالار جنگ بہادر، مہاراجہ کشن پرشاد بہادر حیدرآباد اور نواب صدر یار جنگ بہادر کے کتب خانوں سے بھی نادر اور قیمتی کتابوں کے نسخے نمائش کے لئے حاصل کئے گئے۔ قدیم خطاطی کے بہترین نسخے اور وصلیاں مہیا کی گئیں۔ اردو کتابوں کے تاجروں کی دکانیں سرسید کورٹ میں قائم کی گئیں اسٹیج

ہال کے دائیں بائیں پہلو کی تمام عمارات نمائش کے سامان سے مزین تھیں۔ سلطان جہاں منزل کی وسیع عمارت بھی اسی کام کے لئے مخصوص تھی جہاں فرامین شاہی کی نمائش کا افتتاح گورنر یوپی ہز ایکسلنسی سر ولیم میرس نے کیا۔

مشتاق منزل میں بچہ کی پیدائش اور زچہ کی حفاظت کے متعلق نقشے، تصاویر اور ماڈل فراہم کئے گئے تھے۔ ایک لیڈی ڈاکٹر تصاویر کے ذریعہ ہر بات کو سمجھاتی تھیں۔ حمید اللہ خاں لکچر روم میں مونٹیسوری، ڈالٹن پلان، اور کنڈر گارٹن کے ذریعہ تعلیم کا سامان، کتابیں، کھلونے وغیرہ جمع کئے گئے تھے۔ نظام میوزیم میں قدیم وجدید کھیلوں کا سامان، آلات ورزش اور اسلحہ جات موجود تھے۔ اسی موزیم کے تیسرے حصہ میں ریاضی، علم ہیئت، فلکیات، اور طبیعات کے مسائل کو حل کرنے کے لئے جو عجیب وغریب آلات ایجاد ہوئے ہیں رکھے گئے تھے۔ آسمان منزل میں تاریخ، جغرافیہ اور علم طبقات الارض کے متعلق نقشے اور کتابیں جمع تھیں۔ برکت علی روم میں اندھوں، بہروں، گونگوں اور فاتر العقل لوگوں کی تعلیم وتربیت کا سامان اور اس مبحث پر مفید کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔

کانفرنس کے اجلاس شبانہ روز چھ دن تک جاری رہے۔

صدر اجلاس صاحبزادہ آفتاب احمد خاں مئی ۱۸۶۷ء میں اپنے وطن کنج پورہ ضلع کرنال میں پیدا ہوئے۔ ان کی عمدہ تعلیم وتربیت پر ان کے والد غلام احمد خاں نے ابتدا ہی سے توجہ کی اور جب وقت آیا کہ وہ گھر سے باہر تعلیم کے لئے بھیجے جائیں تو زمانہ شناس اور شفیق باپ نے اس زمانہ میں جبکہ مدرستہ العلوم علی گڈھ کی تعلیم سے مسلمانوں میں عام طور پر نفرت کے خیالات جاگزیں تھے ان کو ۱۸۸۳ء میں اسکول میں داخلہ کے لئے علی گڈھ بھیجا۔ جہاں ان کی جودت طبع، خوش تقریری اور بر جستگی نے سر سید کی توجہ کو بہت کچھ اپنی طرف مائل کر لیا۔ ایف اے تک تعلیم پانے کے بعد ان کو انگلستان بھیجا گیا جہاں انھوں نے کیمبرج یونیورسٹی سے بی اے آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ اور بیرسٹری کا

امتحان بھی پاس کیا۔ انگلستان سے واپسی پر انھوں نے سرسید کی خواہش پر مستقل طور سے علی گڈھ ہی میں سکونت اختیار کرکے بیرسٹری شروع کردی اور اپنی قانونی قابلیت کی وجہ سے جلد ہی کامیاب بیرسٹر مشہور ہو گئے۔

سرسید نے ان کو مدرستہ العلوم کا ٹرسٹی مقرر کیا اور بعدہٗ ان کو بلڈنگ ڈپارٹمنٹ کا انچارج ٹرسٹی بنایا گیا علی گڈھ کالج کی متعدد عمارتیں مثلاً ممتاز بورڈنگ ہاؤس، کرزن ہاسپٹل، سرسید کورٹ انھیں کے زیر اہتمام تعمیر ہوئیں اور کالج کی مسجد کی تعمیر بھی انھیں کے زمانہ میں تکمیل کو پہنچی۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۷ء تک وہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے آنریری جائنٹ سکرٹری بھی رہے اور ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کی لجسلیٹو کونسل کے ممبر بھی منتخب ہوئے۔

انجمن الفرض (ڈیوٹی سوسائٹی) جس نے لاکھوں روپیہ مدرستہ العلوم کے غریب اور ہونہار طلبہ کی اعانت میں جمع کرکے ان پر صرف کیا جس کی وجہ سے قوم میں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی کثیر تعداد مہیا ہوئی انھیں کے تخیل اور دماغ کا نتیجہ تھی اور اس کے عمدہ نتائج بھی انھیں کی پُر حوصلہ کوشش کا ثمر ہیں۔

انھیں کی کوشش سے کانفرنس کے دفتر کے لئے سلطان جہاں منزل جیسی عالیشان عمارت تعمیر ہوئی جس کے لئے ہز ہائی نس نواب سلطان جہاں بیگم فرمانروائے بھوپال کی جانب سے پچاس ہزار روپیہ کا عطیہ ملا۔ کانفرنس کے لئے مستقل سرمایہ کے طور پر اعلیٰ حضرت نظام الملک میر عثمان علی خاں کی سرکار سے ایک لاکھ ستر ہزار کا گرانقدر عطیہ حاصل کر لینا بھی انھیں کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ ۱۹۱۷ء میں وہ انڈیا کونسل کے ممبر مقرر ہوئے اور سات سال تک انگلستان میں قیام کے بعد ہندوستان واپس آئے۔ وطن واپس آنے کے بعد مسلم یونیورسٹی کی ترقی میں ساعی رہے۔ اور یونیورسٹی کے وائس چانسلر منتخب ہوئے۔ وہ علیگڈھ تحریک کے سرگرم کارکن تھے جنوری ۱۹۳۰ء میں بعارضہ فالج ان کا انتقال ہوا۔ اور

علی گڑھ ہی میں دفن ہوئے۔

صدر اجلاس صاحبزادہ آفتاب احمد خاں نے ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا جس میں انھوں نے سب سے اوّل سر سید احمد خاں کی خدمات کا جائزہ لیا اور ان کو خراج عقیدت پیش کیا۔ تفصیلی طور سے ان کی تعلیمی، مذہبی، سیاسی اور سماجی اصلاحات کو بیان کیا اور بتایا کہ مغربی تعلیم کو اہمیت دینے سے سر سید احمد خاں کا کیا مقصد تھا اس کے بعد انھوں نے مسلمان کے مقصد حیات کو قرآن کریم سنت نبوی اور اُسوۂ صحابہ کرام رض کی روشنی میں بتایا اور مسلمانوں کی علمی ترقیوں کا جائزہ لیا پھر تمام اسلامی ممالک کی تعلیمی پستی کی طرف اشارہ کیا اور بتایا کہ آج کے معاشرہ کیلئے مغربی تعلیم اور مغربی علوم و فنون کیوں ضروری ہیں۔ پھر عام تعلیم کے مسئلے کو بالتوضیح پیش کیا اور جدید طریق تعلیم کا تعارف کرایا۔ نرسری، مانٹیسوری، کنڈرگارٹن، ثانوی تعلیم، کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم پر مفصل تبصرہ فرمایا۔ تعلیم بالغاں کی طرف خاص طور سے توجہ دلائی۔ اس طرح قومی تعلیم، تعلیم نسواں، ناقص القویٰ بچوں کی تعلیم کی طرف توجہ دلائی۔ علی گڑھ تحریک اور مسلم یونیورسٹی کے قیام کے مقاصد کو بیان کیا۔ شدھی و سنگٹھن، سوراج اور مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کی طرف بھی اشارے کئے۔

آخر میں انھوں نے فرمایا

"ہمارے مسئلے کا اہم حصہ تعلیمی ہے جس پر ہمیں اپنی تمام تر قوت اور توجہ صرف کرنی چاہیئے خطرۂ عظیم میں مبتلا ہوئے بغیر خواہ کوئی مصیبت آئے خواہ کیسا ہی نازک زمانہ ہو ہمارے تعلیمی پروگرام میں کوئی خلل واقع نہ ہونا چاہیئے"

انھوں نے فرمایا

"اگر ہم اسلام کی اصلی آزادی اور روح کو پھر زندہ کرنا چاہتے ہیں اور ہمیں ضرور زندہ کرنا چاہیئے تو ہمیں صرف خارجی نتائج کو نہیں دیکھنا چاہیئے بلکہ

خصوصیت کے ساتھ معاملے کی تہہ کو پہنچنا اور اس کے اصول پر نظر کرنا
چاہیئے۔ مکاتب، اسکول، کالج، یونیورسٹیاں، امتحان اور ڈگریاں وغیرہ
وغیرہ یہ سب ضروری ہیں لیکن ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ زندہ جسم کے
لئے خارجی لباس تعلیم کی اصلی زندگی اور رُوح ہمارے فارغ التحصیل ہم قوموں
کی تربیت اور ان کے اخلاق ہیں جس طرح ایک سمجھ دار کسان پودے کی
موٹائی یا بلندی کو نہیں دیکھتا بلکہ پھل کی مقدار اور نوعیت کو دیکھتا ہے اسی
طرح ہمیں اپنے گریجویٹوں کی تعداد یا ان کی ڈگریوں پر اتنی توجہ نہیں کرنی
چاہیئے - - - - - - جتنی کہ انکی تربیت
واخلاق کی نوعیت پر، ہمیں ان کے علم اور شائستگی، صداقت، حب الوطنی،
ہمت، صفائی، قلب وجسم وزبان، صداقت پسندی، اعتدال، ایثار،
کمزوروں کے ساتھ لینت اور متکبروں کے مقابلے میں غلظت، جسمانی
برداشت کی قوت، عملی قابلیت، غیر متزلزل وجلوت وخلوت کی دیانت۔
حسن قدرت کا ذوق ان سب باتوں کو بامعان نظر دیکھنا چاہیئے''

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیوشن پاس ہوئے

(۱) کانفرنس کا نام، آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ہونا چاہیئے محمڈن کو مسلم سے
بدل دیا جائے

(۲) تعلیم بالغاں کے اجرار کار کے لئے مشورہ لیا جاے

(۳) مسلمانان کشمیر کی تعلیمی ترقی کے لئے مہاراجا کشمیر کے پاس وفد بھیجنے کی تجویز

(۴) مدارس شبینہ کی تجویز

گورنر یوپی سر ولیم میرس کی تقریب خیر مقدم میں سر مزمل اللہ خاں بہادر کی مندرجہ ذیل
فارسی نظم پڑھی گئی۔ اس کے بعد محمد حاذق صاحب نے بھی ایک نظم پڑھی۔

نظم

از نواب سر محمد مزمل اللہ خاں صاحب بہادر

حمد ایزد بر زبان آید ہمی ۔ شکر خلاقِ جہاں آید ہمی
در میان خیر اندیشان خویش ۔ میرس ذی عز و شاں آید ہمی
کے ۔سی ۔ایس ،آئی امیر نامور ۔ انجم ہندوستاں آید ہمی
او چو جاں است و علی گڈھ ہمچو جسم ۔ اے خوشا در جسم جاں آید ہمی
او کہ مہر است و علی گڈھ آسماں ۔ مہر سوئے آسماں آید ہمی
او کہ گل ہست و علی گڈھ گلستاں ۔ گل بسوئے آسماں آید ہمی
از ہجوم شوق دیدار تو قوم ۔ کاروان در کاروان آید ہمی
آنکہ خود در علم و فن کامل بود ۔ علم و فن را قدر داں آید ہمی
حکمرانِ ملک بسیار ند لیک ۔ میرسی بر دل حکمراں آید ہمی
چوں تو بر خلق خدائی مہرباں ۔ بر تو خالق مہرباں آید ہمی
از وفورِ جوشِ مداحیِ تو ۔ ہر بُنِ مویم زباں آید ہمی
بندۂ مزمل بہ یُمنِ مدحِ تو ۔ فی المثل معجز بیاں آید ہمی

نظم

از محمد حاذق صاحب ایم اے

ہدیۂ تہنیت بتقریب ورود مسعود عالی جناب معلےٰ القاب ہز ایکسلنسی سر ولیم میرس بہادر کے ۔سی ۔ایس ،آئی گورنر صوبۂ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ

نظم

صد شکر شبِ محن سر آمد — آفاق کنوں منوّر آمد
دورِ مے و جام و ساغر آمد — صبحِ طرب از خفا بر آمد
سلطانِ سریرِ خاور آمد

ہے اوج پہ خاک کا ستارا — سرسبز ہے کشتِ زار سارا
محنت کا ثمر ہے آشکارا — دہقان غریب بے نوا را
روزِ طربے میسّر آمد

وہ سبز مٹر کی سُرخ وردی — سرسوں کی وہ دل فریب زردی
السی کے وہ پھول لاجوردی — باید کہ کنارِ کشت گردی
کز دامن باغ خوشتر آمد

یہ قوم کا مزرعِ امانی — سیّد کا متاعِ زندگانی
بغداد و دمشق کی نشانی — دانش گہ ماز کا مرانی
امروز بہشتِ دیگر آمد

ہے گرم کمالِ فن کا بازار — ہر سمت سے جمع ہیں خریدار
ہے باز درِ کنوزِ اسرار — گرد آمدہ تشنگانِ امصار
کیں چشمہ حیات پرور آمد

یوں ہی یہ چمن تھا نزہت آگیں — پر اب تو کچھ اور ہی ہے تزئیں
کیوں دل سے اُٹھے نہ موج تحسیں — کز فیضِ ضیائے ملت و دیں
دانش گہ ماہ منور آمد

یہ شان، یہ نظم، یہ در و بست — ہوں غیر کے جس سے حوصلے پست
اللہ ری شگرف کاری دست — ہر نقش کہ خامہ اش ہمی بست

سرلوح ہزار دفتر آمد

یہ گلشنِ فن ہے ہو نہ کیوں کر — سر تا بقدم بہشت منظر
اللہ ری خوبیٔ مقدر — نواب مزمل ہنرور

ایں باغ مرا کدیور آمد

لو صدر ہیں آفتاب احمد — پھر کیوں نہ ہو فتح باب مقصد
وہ کون؟ وہ جانشین سید — ہر نکتہ کہ کلکِ او بروں زد

غیرت دہِ ہفت اختر آمد

ہے اوج پہ اس چمن کا اقبال — سرسبز ہوا نہال آمال
سلطان جہاں بجاہ و اجلال — آرائش تاج و تخت بھوپال

سلطان عدل گستر آمد

لبہا بہ سپاس تر زباں شد — جاں ہا ز نشاط کامراں شد
ایں گل کدہ روکشِ جناں شد — ایں خاک جواب آسماں شد

تا کوکبۂ گورنر آمد

گردوں نے بساط کہنہ کی طے — اب شام اودھ کی یاد تا کے
دیباچہ نگار صبح نو ہے — ولیم ہیرس کہ حکمت دے

آوازۂ ہفت کشور آمد

وہ بادہ فروش ذوق تعلیم — وہ مخترعِ رفارم اسکیم
دنیا کو کمال جس کا تسلیم — ولیم میرس کہ حسنِ تنظیم

در فطرت او مخمر آمد

وہ علم و عمل کا بحرِ عماں — وہ تیغ و قلم کا مرد میداں
ناظم۔ ناثر تذکی ہمہ داں — ہم ملک سیاستش بہ فرماں

ہم کشور فن سخن آمد

وہ خازن گنج پاستانی وہ ناقد گوہر معانی

بعد از ہمہ جاہ و کامرانی اب تک بکمال مہربانی

در جامعۂ علی گڑھ آمد

یارب دنیا میں تو رہے شاد سرسبز برنگ سرو آزاد

دشمن رہیں خوار دوست آباد سلطان قلمرو سخن باد

حاذق کہ ترا ثنا گر آمد

مولوی غلام بھیک نیرنگ

سینتیسواں سالانہ اجلاس منعقدہ بمبئی (۱۹۲۴ء)

کانفرنس کا سینتیسواں اجلاس ۱۹۲۴ء میں بمقام بمبئی زیر صدارت آنریبل سر ابراہیم رحمت اللہ منعقد ہوا۔ اجلاس کی دعوت قائد اعظم محمد علی جناح کی جانب سے دی گئی تھی مجلس استقبالیہ کے صدر مرزا علی محمد خاں سالسٹر بمبئی منتخب ہوئے تھے جو اپنی اعلیٰ قابلیت اور محاسن اخلاق کی وجہ سے بمبئی کے مسلم عمائد میں اثر اور قابلیت کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے تھے۔ مسٹر عبد الرحیم ڈمٹمگرا اور حاجی صدیق احمد کھتری آنریری سکرٹری منتخب ہوئے۔ کانفرنس کے اجلاس گلوب سینما ہال میں منعقد ہوئے اور مہمانوں کے قیام کے لئے اس کے قریب ایک وسیع عمارت میں انتظام کیا گیا تھا۔ اپالو ہوٹل اور تاج محل ہوٹل میں بھی بعض مقتدر مہمان اقامت گزین ہوئے۔

اجلاس کے صدر آنریبل سر ابراہیم رحمت اللہ ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے۔ اور سکنڈری تعلیم بمبئی میں حاصل کی۔ میٹرک کے امتحان میں ناکام ہو جانے کے بعد ان کی تعلیم کا خاتمہ ہو گیا۔ وہ کھیلوں میں خاص حصہ لیتے تھے اور کرکٹ اور ٹینس کے بہترین کھلاڑی سمجھے جاتے تھے۔ مسلم جیم خانے کے کپتان ہونے کا اعزاز ان کو حاصل تھا۔ ان مشاغل کی وجہ سے ان کی خصلت اور عادات میں خاص قسم کی مضبوطی اور استواری آگئی تھی جو آئندہ زندگی میں کامیاب ہونے کے لئے بے حد معاون ثابت ہوئی۔

چونکہ وہ ایک تاجر خاندان کے چشم و چراغ تھے اس لئے اسکول کی تعلیم کے ختم ہو جانے پر تجارت میں مشغول ہو گئے۔ مگر باپ کے انتقال کے باعث تجارتی کاروبار پر مضر اثر پڑا جس کی وجہ سے ان کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

ان ناکامیوں کے باوجود انھوں نے ذہنی ترقی کے مواقع سے پورا فائدہ اٹھایا تجارتی لگاؤ کے ساتھ ساتھ اپنی دماغی اور ذہنی قابلیت کو بڑھانے اور اخبارات کے مطالعہ سے معلومات عامہ کو وسیع کرنے اور فن تقریر میں مہارت کامل حاصل کرنے کی کوشش خاص طور سے جاری رکھی اور اپنی استقامت عزم اور استقلال کی وجہ سے مشہور اور قابل لوگوں کی صف اوّل میں جگہ پائی۔

۱۸۹۲ء میں وہ بمبئی کونسل کے ممبر منتخب ہوئے اور ۱۸۹۴ء میں جسٹس آف دی پیس بنائے گئے چند سال بعد کارپوریشن کی اسٹینڈنگ کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے اور ۱۹۱۸ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ اپنے ایام ممبری میں انھوں نے تزئین بلدیہ کی بیش قیمت خدمات انجام دیں۔

ابتدائی تعلیم کی توسیع واشاعت میں بہت زیادہ کوشش کی۔ بمبئی میں مدارس کی تعداد میں کافی اضافہ کیا۔ پرائمری مدارس میں قرآن شریف کی تعلیم کو مسلمانوں کیلئے لازمی قرار دیا جس کی وجہ سے مسلم طلبار کی تعداد میں بے حد اضافہ ہوا۔

۱۹۰۴ء میں ان کو بمبئی کا شیرف اور بمبئی یونیورسٹی کا فیلو بنایا گیا۔ وہ لجسلیٹو کونسل کے ممبر بھی رہے۔ مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کی کوشش میں پیش پیش تھے۔ منٹو مارلے اسکیم کی بنیاد انھیں کی تجاویز پر تھی۔ مسلم اوقاف ایکٹ ۱۹۲۳ء کی بنیاد بھی ان تجاویز پر تھی جو سر ابراہیم نے مسلم اوقاف کی رجسٹری کے متعلق بمبئی کونسل میں پیش کی تھیں۔ ۱۹۲۳ء میں ان کو بمبئی کونسل کا صدر بنایا گیا۔ دو سال بعد اس منصب سے علیحدہ ہونے پر ان کو کونسل کا نان آفیشل ممبر نامزد کیا گیا۔ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کی بدنظمیوں کی تحقیقات کے لئے جو کمیشن قائم کیا گیا تھا اس میں آپ کو صدر ممبر کی حیثیت حاصل تھی۔ اس کمیشن کی سفارشات کا اثر مسلم یونیورسٹی کے معاملات اور انتظام پر بہت دُور رس ہوا۔

صدر اجلاس مسر ابراہیم رحمت اللہ نے تعلیمی کانفرنس کے انعقاد کی ضرورت اور فوائد پر روشنی ڈالی۔ اور صوبہ بمبئی کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت اور اسمٰعیل یدھبری کالج (بمبئی) کا ترقیاتی جائزہ پیش کیا انھوں نے علم کی ضرورت ابتدائی و ثانوی تعلیم اور مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) کے بارے میں مثبت انداز میں اپنی رائے پیش کی اور تعلیم نسواں کی ضرورت کو بھی واضح کیا، ان کا خطبہ صدارت مختصر مگر جامع تھا۔

انھوں نے ارشاد فرمایا

"بہت برسوں سے ہم مسلمانوں کی ترقی تعلیم کے ذرائع اور طریقے سوچتے رہے ہیں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تعلیم سے فی الحقیقت کیا مراد ہے اور تعلیمی ترقی کا نتیجہ کیا ہوگا۔ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ اس باب میں کسی قسم کا اختلاف آرا ہے کہ تعلیم کا آخر مطمح نظر حصول علم بغرض علم ہونا چاہیئے۔ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ان ہی معنوں میں حصول علم کی تلقین کی ہے جبکہ انھوں نے فرمایا کہ علم حاصل کرو کیونکہ جو علم حاصل کرتا ہے خدا کے راستہ میں نیک کام کرتا ہے، جو علم کا ذکر کرتا ہے خدا کی تعریف کرتا ہے، جو علم کو تلاش کرتا ہے خدا کی پرستش کرتا ہے۔ جو علم سکھاتا ہے خیرات بانٹتا ہے اور جو ایسے لوگوں کو علم سکھاتا ہے جو اس کے اہل ہیں وہ خدا کی عبادت کرتا ہے۔ علم حق و باطل میں تمیز کرنا سکھاتا ہے وہ ہم کو بہشت کا راستہ دکھاتا ہے وہ بیابانوں میں ہمارا دوست ہے، تنہائی میں ہمارا مونس ہے، جب کوئی دوست باقی نہ رہے تو وہ ہمارا ہمجولی ہے۔ وہ خوشی کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے مصیبت میں وہ ہم کو ڈھارس دیتا ہے۔ دوستوں کے مجمع میں وہ ہمارا زیور ہے اور دشمنوں کے مقابلہ میں وہ ہتھیار ہے۔ علم سے خدا کا بندہ اعلیٰ درجہ کی نیکی حاصل کرتا ہے اور اعلیٰ مرتبہ کو پہنچتا ہے اس دنیا میں بادشاہوں سے ملتا ہے اور عالم بالا میں کامل خوشی حاصل کرتا ہے۔

"چونکہ پیروان اسلام نے ان معنوں میں علم کو تلاش کیا اسی وجہ سے اسلامی تاریخ

شاندار ہے۔ حصول علم میں ہر مسلمان کو یہی اصول پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ بہت ضروری ہے کہ زمانہ گزشتہ کے بڑے سائنس دانوں کی ہم تقلید کریں اور فقط علم کے لئے تکمیل کا اعلیٰ درجہ حاصل کریں"

انھوں نے فرمایا کہ

"عربی زبان کو غور سے پڑھنے کی بہت ضرورت ہے کیونکہ اس زبان میں ہمارے مذہب کا اصلی لٹریچر موجود ہے۔ مسلمانوں کی محبت اپنے مذہب سے ضرب المثل ہے مگر باایں ہمہ یہ امر قابل افسوس ہے کہ اعلیٰ تعلیم پانے والے طلباء میں زبان عربی کی تعلیم کی خواہش اس قدر نہیں ہے جیسی کہ ہونی چاہیئے۔ مجھ کو یقین ہے ہر شخص کو اعتراف ہوگا کہ قوم میں ایک ایسی تعلیم یافتہ جماعت کا ہونا نہایت ضروری ہے جو مغربی علوم و فنون کی مہارت کے ساتھ ہماری مذہبی زبان کے بھی ماہر ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ عربی زبان کا سیکھنا زیادہ مشکل ہے اسکے واسطے زیادہ محنت کی ضرورت ہے اور اس کے امتحان میں ناکام ہونے کا زیادہ اندیشہ ہے مگر مجھ کو اُمید ہے کہ مسلمان طلباء اپنی قوم کے واسطے عربی تعلیم کی اہمیت کو محسوس کریں گے اور جب ان سے سکنڈ لنگویج کا انتخاب کرنے کے لئے کہا جائے گا تو وہ عربی زبان کا حق فراموش نہ کریں گے۔"

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیوشن پاس ہوئے۔

۱۔ مسلمانوں کی ترقی صنعتی تعلیم کی محتاج ہے۔

۲۔ مسلمانوں کو تجارتی تعلیم کی ضرورت ہے۔

۳۔ عربی و فارسی کی قدیم کتب فراہم کرکے گورنمنٹ کی طرف سے طبع و شائع ہوں۔

۴۔ صوبہ بمبئی کے گورنمنٹ کالجوں میں اُردو پروفیسروں کا تقرر کیا جائے۔

اس اجلاس میں سید غلام بھیک نیرنگ نے مندرجہ ذیل نظم "راز ہستی" پڑھی۔

کارزارِ ہستی

سید غلام بھیک نیرنگ

عجب جائے اماں عہدِ کہن میں بزمِ ہستی تھی
فضائے بحر و بر کیا ایک بے فکروں کی بستی تھی

زمانہ تھا وہ گویا حضرتِ انساں کی طفلی کا
لڑکپن کا سا بھولا پن۔ لڑکپن کی سی مستی تھی

نہایت مختصر تھیں خواہشیں کیا اور ضرورت کیا
ہر اک شے مفت مل جاتی تھی۔ مہنگی تھی نہ سستی تھی

ذرا سی بھی کوشش کی تو جو چاہا وہ حاصل تھا
کہ گویا آسماں سے آپ کی روزی برستی تھی

ہر اک انساں ہر اک انساں کا ہر صورت سے ہمسر تھا
بزرگی تھی نہ خردی تھی بلندی تھی نہ پستی تھی

کوئی ان میں تونگر تھا نہ کوئی ان میں مفلس تھا
نہ رنگِ مال مستی تھا نہ شانِ فاقہ مستی تھی

غلامی اور آقائی سے تھی ناآشنا دنیا
نہ اس کی زیردستی تھی نہ اس کی چیرہ دستی تھی

نہ ملک و قوم کا قصہ نہ رنگ و نسل کا جھگڑا
نہ جوع الارض کا لپکا نہ خوئے زرپرستی تھی

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کا ترانہ تھا
کسے را با کسے کارے نباشد کا زمانہ تھا

پھر آخر رفتہ رفتہ اور ہی دورِ زماں آیا
گئی وہ سادگی کی رونیا سیلِ رواں آیا
قدم رکھا جہاں میں آکے تہذیب و تمدن نے
جلو میں اُن کی عقل و علم و فن کا کارواں آیا
جو زیرک تھا کیا قابو میں اس نے سادہ لوحوں کو
جو تھا شہ زور کمزوروں کا بن کر حکمراں آیا
گھرانے بن گئے۔ ذاتیں بنیں۔ قومیں ہوئیں قائم
ہوئے رخصت بنی آدم۔ فلاں ابن فلاں آیا
لگی محسوس ہونے ملک و مال و جاہ کی خوبی
بڑھے حرص و ہوا۔ ہنگامِ قدرِ بحر و کاں آیا
بچھایا دام حرص و آز اپنا چلتے پرزوں نے
پھنسا پھندے میں ان کے سامنے جو بے زباں آیا
لگا ہونے نمایاں فرق انساں اور انساں میں
ہوئی تفریق قائم امتیازِ این و آں آیا
غرض ہر سو خیال و مدعا کا ایک تلاطم تھا
زمانہ بھر میں اغراض و مقاصد کا تصادم تھا

جہاں میں آج بھی ہمدم وہی طوفان برپا ہے
یہ دنیا کیا ہے ٹکراتی ہوئی لہروں کا دریا ہے
توافق چاہیئے ماحول میں اور تیری حالت میں
اسی طوفان کی موجوں میں تیرا بھی بسیرا ہے

گئے وہ دن کہ تجھ کو ناز تھا بیدست وپائی پر
مری جاں اب تو جینے سے عبارت کام کرنا ہے

گئے وہ دن کہ تھی بے مدعائی داخلِ ہمت
کہ اب معیارِ عالی ہمتی جوشِ تمنا ہے

ضرورت نے بدل ڈالا ہے آئینِ عمل یکسر
جو کل حرص و ہوا تھا آج ہمت کا تقاضا ہے

ٹھہرنا لفظِ مہمل ہے زبانِ ملکِ ہستی میں
یہاں بڑھنا ہی بڑھنا ہے نہیں تو پیچھے ہٹنا ہے

ذرا ٹھہرا کوئی اور پس گیا قوموں کے ریلے میں
یہاں جینے کا ساماں ہی قدم کا بڑھتے رہنا ہے

اُدھر سطوت حریفوں کی کہ ہے ہر دم ترقی پر
اِدھر تو ساکن و ساکت کہ حیرانِ تماشا ہے

کھڑا دیکھے گا کب تک ہم سفر کی تیز رفتاری
ترے جنبش میں آنے کی بھی آئیگی کبھی باری

یہ ہرگز مت سمجھ اب پہلی حالت ہو نہیں سکتی
وہ قوت ہو نہیں سکتی وہ شوکت ہو نہیں سکتی

نہیں موقوف قوت قوم کی تعداد و دولت پر
خصائل سے زیادہ کوئی طاقت ہو نہیں سکتی

اگر عظمت کی دھن ہے قوتِ ایماں مہیا کر
اگر ایمان ہے کمزور عظمت ہو نہیں سکتی

بنائے عزت فرد و جماعت خُلق عالی ہے
اگر اخلاق میں پستی ہے عزت ہو نہیں سکتی

جہاں گیری کیا کرتا تھا مسلم اک زمانہ میں
غضب ہے تجھسے آج اپنی حفاظت ہو نہیں سکتی

ترا سب ساز و ساماں لٹ کے بس اک دیں باقی تھا
کہ تجھ سے آج اس کی بھی حمایت ہو نہیں سکتی

کیا ساماں حریفوں نے تو باطل تک کی دعوت کا
مگر تو ہے کہ تجھ سے حق کی دعوت ہو نہیں سکتی

چلے گا کام کب تک داستان گوئے سلف ہو کر
دکھا دے تو بھی اُن اچھوں کا اک اچھا خلف ہو کر

منشی واحد علی ابر

اڑتیسواں سالانہ اجلاس منعقدہ علی گڑھ ۱۹۲۵ء

کانفرنس کا اڑتیسواں سالانہ اجلاس ۱۹۲۵ء میں بمقام علی گڑھ منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت نواب صاحبزادہ سر عبدالقیوم خاں رئیس پشاور نے فرمائی۔

امسال اجلاس مدراس میں منعقد ہونا قرار پایا تھا مگر جب مسلم یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد نے فیصلہ کیا کہ مدرسۃ العلوم کی پنجاہ سالہ جوبلی کا جشن امسال منایا جائے اور قوم نے اس خیال کو بالعموم پسند کیا تو طے کیا گیا کہ کانفرنس کا اجلاس بھی علی گڈھ ہی میں منعقد کیا جائے۔ اس تجویز سے اہل مدراس نے بھی اتفاق کیا۔

جب عام اتفاق رائے سے جوبلی کے زمانے میں اجلاس ہائے کانفرنس کا علیگڈھ میں منعقد ہونا قرار پایا تو جوبلی کے دلکش خیال نے عام خواہش اور جذبے کو علی گڈھ کی طرف مائل کر دیا۔ جس قدر بھی قومی مجالس قومی بہبودی کی غرض سے مختلف جماعتوں کے ہاتھوں میں تھیں سب نے تہیہ کر لیا کہ وہ اپنی اپنی مجلسوں کے جلسے بھی اس موقع پر جوبلی کیمپ میں کریں گے۔ چنانچہ آل انڈیا مسلم لیگ، اُردو کانفرنس، پریس کانفرنس، مسلم راجپوت کانفرنس، تنظیم کانفرنس وغیرہ کے اجلاس بھی علی گڈھ میں ہونا قرار پائے۔ مہینوں کی محنت اور کوشش نے اور سینکڑوں آدمیوں کی جسمانی اور دماغی کاوش نے ڈیروں اور خیموں کا شہر تعمیر کر دیا جس کی ترتیب اور تہذیب سے پورے سلیقہ اور شاہانہ اہتمام کا اظہار ہوتا تھا۔ مسلم یونیورسٹی کی نئی آبادی کے وسط میں جوبلی ہال کی تعمیر ہوئی تھی جس پر وسعت، آرائش اور نفاست کے اعتبار سے دیکھنے والوں کو شہنشاہی دربار کا دھوکا ہوتا تھا۔ نئے شہر کے محلے اکابر قوم کے نام نامی سے موسوم کئے گئے تھے مثلاً

محسن الملک کیمپ، وقار الملک کیمپ، شبلی کیمپ، حالی کیمپ وغیرہ۔ گو اس آبادی کی عمر صرف سات دن تھی تاہم اجتماع ملی کا ایسا دلکش اور دل فریب سماں آنکھوں کے سامنے آیا کہ یقیناً ہندوستان نے محض علمی آبیاری کی غرض سے کبھی ایسا مظاہرہ پیش نہ کیا ہوگا تعلیم و تربیت، سیاست، اصلاح معاشرت، تنظیم ملت، اردو علم و ادب کی توسیع و اشاعت الغرض وسائل ترقی کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں ہوا۔

کانفرنس کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر نواب ممتاز الدولہ محمد مکرم علی خاں صاحب رئیس پہاسو منتخب ہوئے تھے۔ قلت وقت کی وجہ سے اجلاس کانفرنس صرف دو یوم ہو سکا۔

جوبلی میں شرکت کی غرض سے ایک تعلیمی وفد افغانستان سے بھی آیا تھا جو محکمہ تعلیم افغانستان کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ اس وفد کے ممبران نے کانفرنس کے اجلاس میں بھی شرکت کی۔ عہدہ داران کانفرنس نے اس وفد کا پر جوش خیر مقدم کیا۔ اس وفد کے رئیس یعنی نائب وزیر تعلیم افغانستان نے محکمہ تعلیم افغانستان کے متعلق ایک جامع تقریر فرمائی اور امیر امان اللہ خاں کے زمانہ حکومت میں جو تعلیمی ترقی افغانستان نے کی اس کا مفصل ذکر کیا۔

نواب صاحبزادہ سر عبدالقیوم ایک مقتدر اور علمی پٹھان خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ چونکہ یہ خاندان علمی، اخلاقی اور امور شرعی میں پابندی کے لحاظ سے نمایاں خصوصیت رکھتا تھا لہذا عوام و خواص میں خاندان مذکور کے افراد صاحبزادے کے لقب سے مخاطب کئے جانے لگے اور سرحد کے مختلف قبائل بہت جلد ان کی بزرگی اور اخلاقی قوت کے گرویدہ اور معتقد ہو گئے۔

نواب صاحب کے والد صاحبزادہ عبدالرؤف خاندانی وجاہت اور علمی لیاقت کی وجہ سے اپنے حلقہ میں بااثر شخص اور زبردست عالم و فاضل تھے ان کی تصانیف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ان کے خیالات زمانہ حاضرہ کے خیالات

سے بہت ملتے جلتے تھے۔ اس لئے اس زمانے کے تنگ خیال ملاّ ان کے مخالف ہو گئے اور موقع پاکر ان کو شہید کر دیا۔ صاحبزادہ عبدالقیوم ۱۲ دسمبر ۱۸۶۳ء کو پیدا ہوئے عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم کے بعد انگریزی شروع کی اور انٹرنس تک تعلیم پائی۔ پشتو اور فارسی ان کی مادری زبانیں تھیں۔ اُردو انگریزی میں بھی انھوں نے کافی مہارت اور استعداد پیدا کی۔

تعلیم کے بعد ۱۸۸۷ء میں انھوں نے گورنمنٹ انگریزی کی ملازمت اختیار کی اور اپنی خوش تدبیری تیز فہمی اور عمدہ قابلیت کی وجہ سے مناصب اعلیٰ تک ترقی کی۔ اکثر سرحدی کمیشنوں کے وہ ممتاز رکن رہے صوبہ سرحد اور قرب جوار کے اور بہت سے نازک معاملات کو اپنی اصابت رائے سے حل کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اس صلہ میں ان کو گورنمنٹ ہند نے چترال اور خیبر جیسی اہم ایجنسی کا پولٹیکل ایجنٹ بنایا۔ جنگ عظیم ۱۹۱۴ء کے دوران سرحد پر امن قائم رکھنے میں انھوں نے سلطنت برطانیہ کی خوب خدمات انجام دیں جس کے صلہ میں ان کو نواب اور کے۔سی۔آئی۔ای کے خطابات دیئے گئے۔ مزید خدمات کے صلے میں ان کو جاگیر بھی عطا کی گئی۔

ان کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انھوں نے قبائل اور سرحدی جرگوں میں علمی اور اخلاقی اسپرٹ پیدا کرنا اپنی زندگی کا مقصد اولین سمجھا۔ اسلامیہ کالج پشاور ان کے عملی کارنامہ کی بیش بہا یادگار ہے۔ انھوں نے صوبہ سرحد کو وجود بخشا اور بہت خدمت کی ۱۹۳۲ء میں وہ صوبہ سرحد کے وزیر بنے ۱۹۳۷ء میں انکا انتقال ہوا۔ صاحبزادہ عبدالقیوم کا خطبہ صدارت نہایت پر از معلومات تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مسئلہ تعلیم سے کس قدر واقفیت تھی۔

انھوں نے فرمایا

"ہم سرکاری ملازمت کو اپنا مقصد اعلیٰ قرار نہ دیں۔ ہمیں اپنی قوت اور کمزوری کا

بغور مطالعہ کرنا واجب ہے۔ اور اپنی تعلیمی پالیسی کو اپنے قوی کے اندازے اور علم پر علیٰ وجہ البصیرت قائم کرنا چاہیئے۔ ہمارے آدمی ہر پیشے اور ہر صیغہ میں ہونے چاہئیں مگر ہماری خصوصیت اور کثرت صرف انہی پیشوں میں ہو جن کے لئے ہم طبعاً و فطرتاً سب سے زیادہ موزوں ہوں۔"

پھر فرمایا کہ

"اگر ہمارے بڑے بڑے زمیندار جن کی سالانہ آمدنی لاکھوں تک پہنچتی ہے نوجوانوں کو کیمیاوی کاشت اور زراعت کے جدید طریقوں کی تعلیم دلائیں اور پھر انھیں اپنی زمینداریوں پر ملازم رکھیں تاکہ وہ ان کی پیداوار کو زیادہ کریں تو وہ اپنے آپ کو، اپنی قوم کو، اپنے ملک کو بنا سکتے ہیں۔ مگر جو حالت میں اپنے صوبہ میں دیکھتا ہوں یہ ہے کہ بڑے بڑے زمینداروں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی زمین کتنی ہے اور کہاں واقع ہے اپنی آمد و خرچ کے حساب کی جانچ بھی نہیں کرتے۔ ہزارہا بیگہ زمین زمینداروں کی غفلت کی وجہ سے بنجر پڑی رہتی ہے۔ زمیندار قدیم وضع کے ناواقف لوگ نہیں بلکہ انھوں نے وہ سب علوم حاصل کئے ہیں جو آپ اپنے اسکولوں اور کالجوں میں سکھاتے ہیں مگر انھوں نے صرف خرچ کرنا سیکھا ہے کمانا اور بڑھانا نہیں سیکھا۔ اگر آپ انھیں علمی اور عملی زراعت سکھاتے اور ان زمینوں پر کام کرنے کی رغبت پیدا کرتے تو وہ اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو فارغ البال اور نہال کر دیتے!"

اس کے بعد ارشاد فرمایا

"اب میں ایک اور قسم کے پیشہ کی تعلیم کی طرف آپ کی توجہ منعطف کرانا چاہتا ہوں۔ میرا مطلب تجارت سے ہے۔ یہ بڑا فائدہ مند پیشہ ہے۔ اس کے لئے بہت اعلیٰ تعلیم کی ضرورت نہیں بلکہ تجارت کا عملی کام سکھانا ہے۔ زیادہ سے

زیادہ تعلیم جو آپ کے عملی تاجر کے لئے ضروری ہے وہ ہائی اسکول کی تعلیم ہے۔
جب یہ نوجوان اسکول فائنل کا امتحان پاس کرلیں تو انھیں کسی بڑے تاجر
کے کارخانہ میں بطور شاگرد بھیج دینا چاہیئے۔ خوش قسمتی سے مسلمانوں میں بوہروں
اور خوجوں کی تاجر قومیں موجود ہیں جو تجارتی قابلیت میں دنیا کی ہر قوم سے
مقابلہ کرسکتی ہیں۔ آپ اس قسم کا ایک دفتر قائم کردیں جہاں آپ کی قوم کے
تاجر اپنی ضرورتوں کی اطلاع دے سکیں۔ اور آپ کے اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر
ایسے لڑکوں کے نام بھیج سکیں جو تجارت کا پیشہ اختیار کرنا چاہتے ہوں۔ کیا
آپ کی قوم کو تجارت کا علم سکھانے کے لئے اس سے بڑھ کر قابل عمل اور کم
خرچ تجویز ہوسکتی ہے؟۔ اس کے لئے ہمارے تجار میں تھوڑی فراخ حوصلگی کی
ضرورت ہے۔ انھیں اپنے بھائیوں کو تجارت کے راز بتانے میں بخل سے کام
نہیں لینا چاہیئے۔ اگر یہ لوگ کام سیکھ کر اپنے کاروبار کھولیں گے تو اکثر ان کے
معاون و مددگار اور گاہک ہی ہوں گے۔ اور اگر اپنے کام کھولنے کیلئے
ان کے پاس سرمایہ نہ ہوگا تو انہی کے کارخانوں میں بطور نائب و مینجر کام کرینگے
بوہرے اور خوجے اپنے نیک کاموں کے لئے مشہور ہیں ان کو چاہیئے کہ خیرات کو
اس کے بہترین معنوں میں سمجھیں سب سے اعلیٰ قسم کی خیرات وہ ہے جس سے کسی
شخص کو روزگار کے لائق بنا دیا جائے۔ میں بوہروں اور خوجوں تک ہی
اس اپیل کو محدود نہیں کرتا بلکہ جہاں کہیں مسلمانوں میں صاحب کاروبار
تاجر موجود ہوں انھیں قوم کے ہونہار بچوں کے لئے اپنے دروازے اور
دل کھول دینے چاہئیں۔"

کل پرزوں اور آلات کے عامل وصناع اور برقیات کے ماہر بلکہ
سب ہنرمند پیشہ ور دستکار زمانہ حال کی سوسائٹی کا آہنی پیکر اور ریڑھ

کی ہڈی ہیں۔ ہر ملک کی اصلی طاقت اس کے صناعوں اور ہنرمندوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے
طاقت اصلی دفتروں مجسٹریٹوں اور گورنروں میں نہیں ہوتی بلکہ ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے
ہے جو اس حکومت کی ریل، اور تار کے سلسلوں جہازوں اور کارخانوں پر متصرف
ہوں۔ تمھارے درمیاں لوہاروں، موچیوں اور بافندوں کا بڑی تعداد میں
ہونا تمھاری بدقسمتی نہیں بلکہ خوش قسمتی ہے۔ اگر آپ انھیں تعلیم دیں اور انھیں
اسی درجہ کا ہنر سکھائیں جیساکہ یورپ کے ہنرمندوں میں ہے تو آپ نہ صرف
اپنی غربت کے مسئلے کو حل کریں گے بلکہ اپنے دست و بازو مضبوط کریں گے۔
میں کسی ایسی تحریک کے حق میں نہیں ہوں جو ہمیں صنعت کے پرانے
اور بوسیدہ طریقوں کا پابند کرنا چاہتی ہے میرا روئے سخن اعلیٰ میکنیکس اور
مشینری کی طرف ہے۔ میں اس پر اتنا اضافہ اور بھی کرنے کو آمادہ ہوں کہ آپ
کے حوصلہ مند نوجوانوں کو فن جہازرانی بھی حاصل کرنا چاہیئے ایک وقت آئے
گا جب آپ کو ان آدمیوں کی ضرورت ہوگی۔ اس وقت آپ کی قوم کی قدر و
قیمت اہل فن کی تعداد سے معلوم ہوگی''

انھوں نے مزید ارشاد فرمایا

"اُردو ہی (وہ زبان) ہے جس میں ہندوستان کی قومی زبان بن جانے کے
آثار صدیوں سے نشو و نما پا رہے ہیں (اور یہ) اس قابل نظر آتی ہے کہ اس
کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے۔"

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیوشن پاس ہوئے

(۱) پنجاب یونیورسٹی کے مختلف شعبوں میں ان کی نمائندگی آبادی کے تناسب
سے ہونی چاہیئے۔

(۲) مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے تعلیمی کوآپریٹو سوسائٹیاں قائم ہونی چاہئیں

(۳) مسلم یونیورسٹی میں ٹیکنیکل تعلیم کا صیغہ قائم کرنا چاہیئے۔

(۴) کانفرنس کے وظائف پیشوں کی تعلیم کے لئے دیئے جائیں۔

اس اجلاس کے دوران منشی واحد علی صاحب آبر قدوائی نے ایک مسدس پڑھا جس کو حاضرین نے بہت پسند کیا۔

نظم

از منشی واحد علی آبر قدوائی

حسرت آگیں داستان غم فزا کہنے کو ہے — التجا آمیز اپنا مدعا کہنے کو ہے
قصۂ ناسازیٔ آب و ہوا کہنے کو ہے — سینۂ سینے کچھ دلِ درد آشنا کہنے کو ہے
آتش غم دیکھئے اور سینہ بریاں دیکھئے
اشک خوں پر التفات چشم گریاں دیکھئے

یہ نوائے غم ہے ہائے ہوئے رندانہ نہیں — درد آگیں ہے یہ فرحت خیز افسانہ نہیں
ساز و برگِ ملتِ بیضا ملوکانہ نہیں — بوریائے فقر قومی فرش شاہانہ نہیں
ہم غریبوں کو تو ساز غم ہی عشرت خیز ہے
نغمۂ الفقر فخری ہی نشاط انگیز ہے

کھو گئی ہیں غفلتِ قومی سے پیاری راحتیں — دل بھی ٹوٹا اور دل کے ساتھ ٹوٹی ہمتیں
مشکلوں پر مشکلیں ہیں دقتوں پر دقتیں — جو نہ دیکھی تھیں کبھی وہ آگئی ہیں آفتیں
دل بھر آتا ہے غمہائے نہانی کیا کہیں
قوم کے خواب گراں کی اب کہانی کیا کہیں

سو رہے ہیں سب، لب بام آگیا ہے آفتاب — کیا دکھائے دیکھئے ان مخملی گدوں کا خواب

لب پہ دم ہے اور پھر بھی لب پہ ہے جامِ شراب — اور شبِ عشرت، شبِ غفلت تمہارا خانہ خراب

دیکھتی ہے ہر قدم پر دام زیرِ دام ہے
قوم پھر بھی نازبردارِ خیالِ خام ہے

ایک وہ دن تھا کہ تھے روما و ترے زیرِ نگیں — قرطبہ تھا خوانِ نعمت کا ہمارے ریزہ چیں
نام سے اسلام کے ہلتی تھی دیلم کی زمیں — ہوتی تھی وقتِ غضب چیں بر جبیں شمشیرِ کیں

پرتو افگن ہر طرف تھی نورِ وحدت کی ضیا
گونجتی تھی ہر جگہ اللہ اکبر کی صدا

تیغِ اسلامی کے جوہر تھے عیاں ایک ایک پر — اندلس ہے بے خبر اس سے نہ یوناں بے خبر
سرنگوں بغداد اُدھر، فارس اِدھر خستہ جگر — کس کی طاقت تھی اُٹھاتا سامنے اسکے جو سر

خلقِ اسلامی کے جوہر تھے عیاں تادیب میں
حق نمائی کے کرشمے تھے یہاں تہذیب میں

خوشہ چینِ خرمنِ اسلام تھے اہلِ ہنر — واقفِ اسرارِ حکمت علم سے سب بہرہ ور
دین و دنیا دونوں کے رازوں سے اک اک باخبر — قوتِ بازو پہ تکیہ فضلِ خالق پہ نظر

کس قدر موجِ ہوائے یثرب فرحت خیز تھی
نکہت آمیز اس کی خاکِ پاک عنبر بیز تھی

رونقِ ملت ہے اب نااتفاقی کا شعار — بڑھ رہا ہے رہبروں کی خود پسندی کا وقار
گوشے گوشے میں اِدھر تنظیمِ ملی کی پکار — اس طرف اسلام کے گلشن میں یہ تازہ بہار

اب وہ ہمدردی کہاں جو رُوح تھی اسلام کی
ہے اُخوت نام کی لیکن وہ اب کس کام کی

کوئی خود بیں نجد والوں کے طرفداروں میں ہے — خود نما کوئی شریفی نازبرداروں میں ہے
ان میں ہر اک ملتِ بیضا کے غمخواروں میں ہے — جس کو دیکھو وہ بکارِ خویش ہشیاروں میں ہے

لاٹھیاں تو ہیں نہیں ہیں تو نہوں شمشیر و تیر
شوکت اسلام کی تدبیر اور ایسے مشیر

سنتے ہیں نااتفاقی کی جو ہے گفت و شنید — ڈر رہے ہیں مرگ ناکامی نہ دے بڑھ کر نوید
کس سے کہیئے دردمندوں کے ہے دلکی کیا امید — کون ہے ہم میں صلاح الدین و خالد بن ولید

نغمۂ ساز حجازی نوحۂ غم اب تو ہے
شعلۂ آواز، شمع بزم ماتم اب تو ہے

ہے ابھی تک تو ہمارے سود میں پنہاں زیاں — وہ برائے نام ہے جو کام دیتی ہے زباں
گلشن اسلام میں پہلی سی شادابی کہاں — ہم سلیماں تھے کبھی اب تو ہیں مور ناتواں

اب یہ حالت ہے کوئی سنتا نہیں فریاد بھی
رو رہے ہیں اب تو ہم بھی اور دل ناشاد بھی

کس کو فرصت کیوں چلیں یعنی نمائش گاہ میں — کیا غرض اس سے کہ شامی ڈوبتے ہیں چاہ میں
دل کے ٹکڑے ہو رہے ہوں ان بیکسوں کی آہ میں — جس میں ہو نقصان مایہ جاؤں کیوں اس راہ میں

کیا مصیبت ہے غریبوں کا کوئی پرساں نہیں
جز اجل راحت کا ان کی کوئی بھی خواہاں نہیں

ایک وہ ہیں منزل مقصد سے جو ہیں باخبر — نامور ان کے ہنر ہیں سعی ان کی باثمر
ایک ہم ہیں اپنی حالت پر نہیں مطلق نظر — خواب غفلت اپنا پیشہ، عیش ہے اپنا ہنر

فلسفہ حکمت کا ٹھہری نیند عشرت گاہ کی
ارتقا یہ ہے کہ بھولے یاد تک اللہ کی

شان اسلامی نہیں نظروں سے گرنے کیلئے — زندگی اس کی نہیں بے موت مرنے کیلئے
بحر غم میں ڈوبنا ہے کام کرنے کے لئے — گوہر مقصود کو لے کر ابھرنے کے لئے

صبح صادق بھی مگر اس کی بھیانک رات ہے
اتحاد قوم ہو جائے تو پھر کیا بات ہے

سچ تو یہ ہے اتحادِ قوم ہے پھولوں کا ہار یہ جو ہو تو آئے پھر اسلام میں تازہ بہار
سازِ آہنگِ مسرت خیز ہو اشکوں کا تار اب غم دل ریش ہے پھر ہو یہ عیش خوشگوار
پھر تو کشکول گدائی تاج سلطانی بنے
بوریائے فقر پھر تختِ سلیمانی بنے

نوکری ہی حاصل تعلیم ہے یہ کیا کہا اور صورت ہی نہیں کیا اس غلامی کے سوا
وہ بھی کیا قومی ترقی جس کی ہو یہ انتہا پستیٔ ہمت ہے ہم سمجھیں جو اس کو ارتقا
نوکری ہی گر مدارِ ارتقا ہے تو غلط
اور ترقی کی یہی گر انتہا ہے تو غلط

داخل تعلیم ہاں صنعت بھی ہو حرفت بھی ہو ہو یہ پھر حسنِ عمل گر اس کی یہ صورت بھی ہو
ساتھ اس رفعت کے لیکن دین کی دولت بھی ہو یوں ترقی ہو تو پھر عزت بھی ہو راحت بھی ہو
اے محبانِ ترقی کچھ تو کرنا چاہیئے
جس طرح اب مر رہے ہیں یوں نہ مرنا چاہیئے

سب کہیں گے صنعت و حرفت کے لائق زر کہاں طالع ناساز کو چمکائے وہ اختر کہاں
تو بتائیں ہم کہ مل جائے گا یہ گوہر کہاں ہمتوں میں دل کے پنہاں ہے یہ ہے باہر کہاں
بوجھ سب مل کر اٹھالو کیا یہ آسانی نہیں
خیر جاری شربت دیدار ہے پانی نہیں

تو کمر کس لو پئے امداد اٹھو مل کے سب دور ہوتا ہے ابھی سب قوم کا رنج و تعب
دل ذرا دم لے ابھی کھلتے ہیں فیاضوں کے لب دم کے دم میں زر ہی زر ہے کچھ نہیں ہے دیر اب
اہل ہمت اک ذرا ہمت خدا کے واسطے
چاہیئے کچھ دردِ قومی کی دوا کے واسطے

خانۂ اسلام گر اجڑا ہوا آباد ہو پھر تو روح پاک سرسید کی کیسی شاد ہو

دل بڑھے۔ ہمت بڑھے گر قوم کی امداد ہو
نالۂ غم کی جگہ لب پر مبارک باد ہو

ابر ہم تو رو چکے منہ آنسوؤں سے دھو چکے
منتظر ہیں اب تمنا جلد پوری ہو چکے

مولوی عبدالخالق، خلیق دہلوی

انتالیسواں ۳۹ سالانہ اجلاس منعقدہ دہلی ۱۹۲۶ء

کانفرنس علی گڑھ کا انتالیسواں اجلاس بمقام دہلی زیر صدارت آنریبل سر عبدالرحیم صاحب سابق جج ہائیکورٹ مدراس انعقاد پذیر ہوا تھا۔

استقبالیہ کمیٹی کے صدر خان بہادر مولوی عبدالرحمٰن صاحب بی اے، وکیل سکرٹری حافظ محمد صدیق صاحب ملتانی میونسپل کمشنر اور جوائنٹ سکرٹری مولوی محمد عظمت اللہ صاحب بی اے وکیل منتخب ہوئے۔ مہمانوں کے قیام کا انتظام عربک کالج کے دارالاقامہ کی عمارت میں کیا گیا تھا جہاں ہر قسم کی سہولتیں مہمانوں کے لئے فراہم کی گئی تھیں۔ اجلاس کے واسطے نواب صاحب کرنال کا درباری شامیانہ کالج کے شمالی میدان میں ایستادہ کر کے اس کے اندرونی و بیرونی حصہ کی آرائش نہایت سلیقہ کے ساتھ کی گئی تھی اور جا بجا گملوں سے چمن بندی کر کے اور اس میں مصنوعی دروازے قائم کر کے احاطہ کالج کو پر رونق بنایا گیا تھا۔

صدر اجلاس جسٹس سر عبدالرحیم ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ ایک قدیم اور تعلیم یافتہ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ انھوں نے مدناپور ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اور بیس سال کی عمر میں پریسیڈنسی کالج کلکتہ سے بی اے اور ایم اے کی اسناد اعلیٰ معیار کے ساتھ حاصل کیں۔ انگلستان جا کر بیرسٹری کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۹۰ء میں کلکتہ میں پریکٹس شروع کی۔ تین چار سال ہی میں اپنی قانونی قابلیت اور شہرت کے باعث ڈپٹی لیگل (مددگار قانون) کے عہدہ پر تعینات ہوئے ڈیڑھ سال تک یہ خدمت انجام دینے کے بعد پھر قانونی پریکٹس شروع کر دی۔

۱۹۰۰ء سے ۱۹۰۳ء تک پریسیڈنسی مجسٹریٹ کلکتہ کے منصب پر فائز رہے زاں بعد پھر پریکٹس شروع کر دی۔ ۱۹۰۸ء میں مدراس ہائی کورٹ کی ججی پر مقرر ہوئے اور ۱۹۱۲ء میں پبلک سروس کمیشن کے ممبر مقرر کیے گئے۔ دو مرتبہ مدراس ہائی کورٹ کے قائم مقام چیف جسٹس بھی بنائے گئے۔

وہ سیاسی اور تعلیمی تحریکوں میں ہمیشہ دلچسپی لیتے رہے۔ ۱۹۰۴ء میں جو آل انڈیا ڈیپوٹیشن لارڈ منٹو کے پاس گیا تھا اس کے اراکین میں وہ بھی شامل تھے۔ مسلم لیگ کے احیاء میں ان کی کوششوں کا خاص حصہ تھا۔ ندوۃ العلما اور مجلس العلما تنجور کے اجلاسوں کی استقبالیہ کمیٹیوں کی صدارت ان کو تفویض ہوئی۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاسوں کی دو مرتبہ صدارت فرمائی۔

اُن کی وفات سنہ بمقام کراچی ہوئی انھوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں ارشاد فرمایا۔

"میں بلا تامل کہتا ہوں کہ جس بات کی ضرورت ہے وہ عزم کار ہے اس لئے جو مسئلہ میں آپ کے سامنے پورے تیقن کے ساتھ پیش کرتا ہوں وہ یہ ہے۔ ہر تعلیمی منزل (ابتدائی ثانوی اور کالجی) کے بعد ان کو کسی ایسے پیشے اور حرفے کی تعلیم دی جائے جس سے فوراً روزگار مل سکے۔ یا جس سے طالب علم کم از کم انسانی ضروریات بہم پہنچانے کے قابل ہو سکے، یا اپنے فنی یا ذہنی رجحان کو پورا کر سکے۔ آپ سب واقف ہیں کہ خود ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کی پیروی میں ان کے اکثر اصحاب رضوان اللہ علیہم اور بڑے بڑے آئمہ اور فقہا رحمہ اللہ علیہم یہ روایت قائم کر گئے کہ جو کچھ اپنے ہاتھ سے پسینہ گرا کر کمایا جائے وہ ہر قسم کی دوسری کمائیوں سے مبارک تر ہے۔ اسلامی شائستگی کی تاریخ کا یہ واقعہ ہے کہ بڑے بڑے علما اور صوفیہ اور فیلسوف اس حال

میں علمی تحقیقاتیں کرتے اور بڑی بڑی کتابیں لکھتے تھے کہ اپنی روزی بھی اپنے ہاتھ سے کماتے تھے۔ بلکہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس قسم کی محنت اور ایسے اعلیٰ درجہ کے ذہنی کام ایک دوسرے کے لئے ممدّ ومعین ہیں۔ یہ کہنا مبالغہ میں داخل نہیں ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں ایسے مفید صنائع اور حرفے ایجاد کئے جن کی مثال اب تک نہیں ہے اور اب بھی ہماری قوم ہندوستان کے بہترین اور مفید ترین پیشہ ور پیدا کرتی ہے۔"

"تربیت جسمانی ایک ضروری چیز ہے اور تعلیم کی ہر اسکیم کا وہ جزو لاینفک ہے جسمانی تندرستی سب سے بڑی برکت ہے صحت دماغی اور صحت جسمانی میں گہرا تعلق بطور علوم متعارفہ کے ہے اور بعض بڑی اخلاقی خوبیاں مثلاً جرأت واستقلال لازمی طور سے جسمانی بنیاد پر قائم ہیں۔ ہم فی الحقیقت اپنی ذات اور سوسائٹی کے متعلق نہایت بڑی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرسکتے یعنی اپنی ذات، مقبوضات، عزت اور آزادی کی حفاظت نہیں کرسکتے ہیں تاوقتیکہ ہمارے پاس کافی ذخیرہ جسمانی طاقت، جرأت وہمت اور برداشت کا نہ ہو۔ بایں ہمہ کس قدر کم اشخاص ہیں جو تربیت جسمانی کو ماہرین تعلیم کے فرائض میں سمجھتے ہیں۔ میں اپنے ماہرین تعلیم سے نہایت خلوص کے ساتھ التجا کرتا ہوں کہ وہ مسلمان نوجوانوں کی جسمانی نشوونما میں پوری کوشش کریں خواہ اس کی وجہ سے امتحانات میں کم طلباء پاس ہوں اور اچھا درجہ حاصل نہ کرسکیں اگرچہ مجھے یقین ہے کہ ایسا نہ ہوگا۔ بہرحال امتحانات میں کمی کی زندگی میں کامیابی سے جو یقینی ہے کافی تلافی ہو جائے گی۔"

"مجھ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ تعلیم بڑے پیمانہ پر بلا امداد ایک وسیع لٹریچر کے نہیں ہوسکتی۔ جو عام آبادی کی دسترس میں ہو۔ اس سے ہم

فوراً بذریعۂ تعلیم ایک مشترک زبان کے مسئلہ پر پہنچ جاتے ہیں جو ساری آبادی کی ایک ہو۔ اور اگر یہ ابھی ناممکن ہو تو کم از کم ہندوستان کی آبادی کے اس حصہ کی مشترک ہو جس کو ہم مسلمان کہتے ہیں۔ سال گزشتہ میں نے علی گڑھ کی اسپیچ میں بتایا تھا کہ عربی رسم الخط کو اختیار کیا جائے جس کے ذریعہ سے ایک مشترک زبان ہونا ممکن ہے۔ جس میں ایک مرکب لغت ہو جو سنسکرت عربی اور فارسی سے ماخوذ ہو۔ ایسی زبان فی الحقیقت اُردو ہے۔ ہمارا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ فی الحال ہم اپنی ساری قوت کو اُردو کی ترقی میں صرف کریں کیونکہ فقط اسی کے ذریعہ سے اسلامی روحانی قوتوں اور نیز اسلامی تاریخ اور شائستگی کی اعلیٰ روائتوں کو بغرض تعلیم استعمال کرنا ہمارے لئے ممکن ہے۔"

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیوشن پاس ہوئے۔

۱۔ صنعتی و تجارتی تعلیم کی درسگاہیں قائم کی جائیں۔

۲۔ جن صوبوں میں مسلمان اُردو نہیں بولتے وہاں کے نصاب میں بھی اُردو رسم الخط جاری کیا جائے۔

۳۔ مشرقی علوم کی فیکلٹیاں یونیورسٹیوں میں کھولی جائیں۔

۴۔ الور اور بھرت پور کے میوات میں ابتدائی و ثانوی مدارس کھولنے کی درخواست مہاراجگان سے کی جائے۔

۵۔ مسلمانانِ کشمیر کے اہم مسئلہ تعلیم کے حل کے لئے ایک کمیٹی قائم کی جائے۔

اس اجلاس میں عبدالخالق خلیق دہلوی نے مندرجہ ذیل مسدس سنایا جس کا موضوع "تحصیل علم" تھا۔

مسدّس

از عبدالخالق خلیق دھلوی

سب سے اچھا ہے جہاں میں مشغلہ تعلیم کا
ہیں جو دانشمند انھیں ہے حوصلہ تعلیم کا
قوم کے بچوں کی خاطر سلسلہ تعلیم کا
طے مگر ہوتا نہیں یوں مرحلہ تعلیم کا
جھیلنی پڑتی ہے جو دل پر بنے اس راہ میں
ہیں چبانے کو تو لوہے کے چنے اس راہ میں

کام گو دشوار ہے محنت کا پھل ملتا ہی خوب
علم والوں کو کشاکش کا بدل ملتا ہے خوب
مرتبہ اہل خرد کو آج کل ملتا ہے خوب
شہد کا چھتہ ہے اس میں سے عسل ملتا ہی خوب
گردش دوراں میں عزّ و جاہ کا دیکھا زوال
علم کی دولت ہے دولت ہی نہ کوئی لازوال

علم سے روشن ہوئے ہیں آفتاب و ماہتاب
علم کے دم سے ترنّم ساز ہیں چنگ و رباب
علم ہی نے بیٹھ کر لکھی ہے قدرت کی کتاب
علم ہی نے کر دیا تصدیق تاروں کا حساب
علم کی طاقت سے اُڑتے اور چلتے ہیں جہاز
ڈوبتے ہیں ڈوب کر اکثر نکلتے ہیں جہاز

علم سے تار لگا ۔ ڈاک گئی ۔ ریل چلی
لگ گئی آب رسانی کے لئے نل کی نلی
لیمپ روشن ہوا ہانڈی کہیں بجلی سے جلی
رشک مہتاب نظر آتے ہیں بازار و گلی
کام کرتا ہے خدا جانے کہاں پر انجن
پنکھے بجلی سے چلا کرتے ہیں گھر میں سَن سَن

علم سیکھو کچھ تمہیں انسان بننا ہے اگر
شاہ عالی جاہ کا دیوان بننا ہے اگر
دہر میں ذی مرتبہ ۔ ذی شان بننا ہے اگر
ذی حشم ذی منزلت سلطان بننا ہی اگر

در حقیقت ہے تو ہے مقصد برآری علم سے
ہے جو کچھ عزت وہ ہے عزت تمہاری علم سے

کیا غرض کیا کام ہے شاہ و گدا سے اب تمھیں — کیا ملے گا صحبت اہل صفا سے اب تمھیں
دے رہا ہے کس تشفی سے دلاسے اب تمھیں — علم کہتا ہے ملا دوں گا خدا سے اب تمھیں

علم ہی کو ہمدم و ہمراز اپنا جان لو
علم ہی کو مونس و غمخوار اپنا مان لو

علم ہے شمع شبستاں علم ہے گھر کا چراغ — علم کے انوار سے روشن ہیں فانوس دماغ
علم کی باد سحر کرتی ہے دل کو باغ باغ — علم کا تم سے جہانتک ہو سکے ڈھونڈو سُراغ

علم وہ دولت ہے جس کو چور کا کھٹکا نہیں
ڈاکوؤں کا ڈر نہیں شہ زور کا کھٹکا نہیں

علم ہی روح رواں ہے اسمیں کوئی شک نہیں — علم ہی طبع جواں ہے اس میں کوئی شک نہیں
علم ہی حسن بیاں ہے اسمیں کوئی شک نہیں — علم ہی نطق زباں ہے اسمیں کوئی شک نہیں

اے خلیق زار جب تک علم میں کامل نہ ہو
رات دن محنت کرو۔ غافل نہو

مولانا محمد علی جوہر

چالیسواں سالانہ اجلاس منعقدہ مدراس ۱۹۲۷ء

کانفرنس کا چالیسواں اجلاس زیر صدارت آنریبل سر عبدالقادر ۱۹۲۷ء میں بمقام مدراس منعقد ہوا۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ مدراس کے حامیان تعلیم اور ہمدردان قوم کی دعوت پر وہاں کانفرنس کا اجلاس منعقد ہونا قرار پایا۔ اجلاس کی دعوت مدراس کے معزز باشندگان کی طرف سے موصول ہوئی تھی۔ استقبالیہ کمیٹی کے صدر مدراس کے مشہور حامی تعلیم اور فیاض تاجر سی عبدالحکیم اور سکرٹری سیٹھ عبدالحمید حسن بی اے علیگ منتخب ہوئے۔ معزز ارکان کمیٹی نے فراہمی سرمایہ کا کام جس جوش اور انہماک کے ساتھ انجام دیا اس کی مثال کانفرنس کے اجلاس ماسبق کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ کمیٹی کی سرگرم کوشش کے نتیجہ میں پچیس ہزار روپے سے زیادہ کی رقم مصارف اجلاس کے واسطے وصول ہوئی۔ شرکائے مجلس کی تعداد بھی غیر معمولی رہی۔ صوبہ کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں سے کافی تعداد میں آکر لوگ شریک اجلاس نہ ہوئے ہوں۔ اجلاس میں خواتین بھی کثرت کے ساتھ آئیں جن کی نشست کے لئے پردے کا انتظام کیا گیا تھا۔

صدر اجلاس سر شیخ عبدالقادر صاحب قصور ضلع لاہور کے خاندان شیوخ کے چشم و چراغ تھے اس خاندان کے افراد سلطنت مغلیہ، سکھ راج اور انگریزی عملداری میں مقتدر عہدوں پر مامور رہے ہیں۔ سر شیخ عبدالقادر ۱۸۷۴ء میں بمقام لدھیانہ پیدا ہوئے۔ فارسی اپنے والد ماجد شیخ فتح الدین مرحوم سے پڑھی۔ اور مقامی مدرسے میں دوسرے علوم مروجہ کی تحصیل کی۔ اس کے بعد

نورمین کرسچین کالج لاہور میں تکمیل تعلیم کی غرض سے داخل لیا۔ گریجویٹ ہونے سے پہلے ہی ان کی خوش تقریری کی شہرت ہو چکی تھی۔ جس وقت وہ انٹر گریجویٹ تھے انھوں نے مشہور اُردو مصنفین کی نظم ونثر کے متعلق متعدد لیکچر دیے جن کی داد علمی وادبی حلقوں کی طرف سے دی گئی۔ ان لیکچروں کا مجموعہ بہ عنوان "نیو اسکول آف اُردو لٹریچر" شائع ہو چکا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری لی۔ تعلیم سے فراغت حاصل کرنیکے بعد انھوں نے صحافت کو اختیار کیا۔ ۱۸۹۵ء میں اخبار آبزرور کی اسسٹنٹ ایڈیٹری قبول کی اور تین سال بعد اس کے چیف ایڈیٹر ہو گئے۔ دس برس تک اخبار نویسی کے اہم فرائض پوری قابلیت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ اُردو ادب کے ذوق نے ۱۹۰۱ء میں رسالہ "مخزن" جاری کرنے پر مجبور کیا۔ یہ رسالہ اُردو ادب کے آسمان پر ماہ چہار دہم بن کر چمکا اور کئی سال تک مطلع ادب کو منور کرتا رہا۔

سر شیخ عبدالقادر ۱۹۰۷ء میں انگلستان سے بیرسٹری کی سند حاصل کر کے واپس آئے۔ قیام انگلستان کے زمانے میں یوروپ کے دوسرے ممالک اور ترکی کی سیاحت بھی کی۔ انگلستان سے واپسی پر اول دہلی میں قانونی پریکٹس شروع کی اس کے بعد لاہور منتقل ہوئے۔ اور ہائی کورٹ میں پریکٹس کرنے لگے۔ ہائی کورٹ میں ججی کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔ پریزیڈنٹ لیجسلیٹو کونسل پنجاب کا منصب ۱۹۲۵ء میں ملا اور وہ پہلے ہندوستانی منتخب شدہ پریزیڈنٹ تھے۔ اسی سال ان کو وزیر تعلیمات کے فرائض بھی سپرد کیے گئے اور انھوں نے یہ دونوں خدمات نہایت دانشمندی اور حسن تدبیر کے ساتھ انجام دیں۔ انجمن اقوام عالم میں گورنمنٹ آف انڈیا کے نمائندے کی حیثیت سے بھی شریک رہے۔ ۱۹۴۸ء میں ان کا انتقال ہوا۔ انھوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں ارشاد فرمایا

"اگر آپ چاہتے ہیں کہ تعلیم ہر دلعزیز ہو اور دور و نزدیک پھیلے اور اگر یہ

مطلوب ہو کہ سب جماعتیں مع ان لوگوں کے جو دیہاتی علاقوں میں رہتے ہیں
اس سے فائدہ اُٹھائیں تو لازم ہے کہ تعلیم کی نوعیت بدلی جائے اور ایسی
صورت اختیار کی جائے کہ طلبہ ایسی طرز زندگی کے لئے تیار ہوں جو ان کے
گرد و پیش کے حالات کے لئے مناسب ہو۔ اگر وہ زراعت پیشہ لوگوں میں
سے ہیں تو انھیں لکھائی پڑھائی اور حساب کے ساتھ زراعت کی تعلیم اُصولی
اور عملی دونوں طرح دی جائے۔ اگر وہ شہری باشندے ہیں تو نوشت و خواند
کے ساتھ صنعت و حرفت سے انھیں بہرہ ور کیا جائے"

"بالغ عمر کے آدمیوں کو پڑھانے کے طریقوں میں نوعمر لڑکوں کی تعلیم کے طریقوں
کی محض نقل نہیں ہونی چاہیئے بلکہ جہاں تک ہو سکے بالغوں کی تعلیم ایسی ہونی
چاہیئے کہ جن چیزوں سے انھیں دلچسپی ہو۔ اور ہر ایک کو موقع دیا جانا چاہیئے
کہ اپنے میلان طبع کے موافق اور اپنی پسند کی رفتار سے ترقی کرے اور
اُستاد کا کام زیادہ تر شاگرد کی طبیعت میں شوق پیدا کرنا اور رہ نمائی کرنا
ہونا چاہیئے"

"سیاسی اصلاحات نے عورتوں کے حقوق کے متعلق ایک بڑا تغیر پیدا
کیا ہے اور اب انھیں ہندوستانی قانونی مجالس کے انتخاب کے لئے رائے
دینے کا حق حاصل ہو گیا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ حق جو انھیں دیا گیا
ہے کام میں لایا جائے اور وہ اپنے ملک کے مشوروں میں مناسب حصہ
لیں،، تو ان کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دی جائے۔

"اب میں ایک ایسے صیغہ تعلیم کی طرف آتا ہوں جسے مسلمان ہمیشہ خاص طور پر
اہم سمجھتے رہے ہیں اور وہ مذہبی تعلیم ہے۔ اس وقت دینوی مدارس میں
جو چیز عموماً مذہبی تعلیم کے نام سے نامزد کی جاتی ہے وہ اس نام کی مستحق نہیں۔

کسی مذہبی کتاب کا سبق دن میں ایک گھنٹے کے لئے پڑھا دینا مذہبی تعلیم نہیں کہلا سکتا نہ ہی اس کو مذہبی تعلیم کہتے ہیں کہ کبھی کبھی اس قاعدے پر بہ مجبوری عمل کرایا جائے کہ طالب علم کالج کی مسجد میں جا کر نماز ادا کریں جس تعلیم کا ہماری قومی درسگاہوں میں مذہبی تعلیم نام رکھا جاتا ہے وہ صرف ایک طفل تسلی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ لفظ مذہب سے درگزر کر کے رُوح مذہب کی طرف توجہ کی جائے اور اس غلط احساس وغرور مذہبی کی جگہ جو اب پیدا کیا جاتا ہے شوق خدمت دلوں میں پیدا کیا جائے تب ہم مذہبی تعلیم سے وہ فوائد پوری طرح حاصل کر سکیں گے جو اس کے اصل مقاصد ہیں"

"ایک مضمون جس سے مسلمانوں کو خاص دلچسپی ہے وہ ایشیائی زبانوں سے دلچسپی ہے اور وہ ایشیائی زبانوں میں عربی فارسی اور ہندوستانی زبان کی تعلیم ہے۔ آپ قدرتی طور پر عربی کی تعلیم پسند کرتے ہیں کیونکہ آپ کی مقدس مذہبی کتاب اس زبان مبارک میں نازل ہوئی۔ فارسی کا آپکو شوق ہے کیونکہ اس میں بھی آپ کی اکثر مذہبی کتابیں لکھی گئی ہیں اور اس کی نظم اور شاعری نہایت شیریں اور پُر ترنم ہے ان زبانوں میں ایک اور نفع ہے کہ یہ ہمارے بعض ہمسایہ ممالک میں اس وقت بولی جاتی ہیں اور ان ملکوں میں ہماری آمد و رفت اب بھی ہے اور آئندہ باہمی تجارتی تعلقات زیادہ ہونے کا امکان ہے۔ اگر اس مسئلے کو زیادہ وسیع اور عالمانہ نگاہ سے دیکھیں تو ماننا پڑے گا کہ مشرقی ممالک میں کوئی یونیورسٹی ان دو اعلیٰ تربیت دینے والی زبانوں سے مستغنی رہ کر یونیورسٹی کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی جبکہ مغربی دنیا میں فرانس انگلستان اور جرمنی کی یونیورسٹیاں

ان کی تعلیم کے لئے وقت نکال لیتی ہیں"

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیوشن پاس ہوئے

۱۔ موپلوں کی تعلیمی حالت کی اصلاح کی غرض سے مقتدر حضرات کی ایک کمیٹی مقرر ہوئی کہ وہ موپلوں کے تعلیمی و اقتصادی حالات کا جائزہ لے اور اس سلسلے میں ایک پالیسی وضع کرے۔

۲۔ مسلم یونیورسٹی میں صنعتی شعبہ قائم کیا جائے۔

۳۔ طب یونانی کے طریقۂ تعلیم کی اصلاح کے لئے ایک کمیٹی قائم کی جائے۔

۴۔ اُردو زبان کو تجربتاً ذریعہ تعلیم قرار دینا مستحسن طریقہ عمل ہے۔

۵۔ میسور یونیورسٹی میں عربی پروفیسر کے تقرر کی درخواست۔

اس اجلاس میں مولانا محمد علی جوہر نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے جن سے حاضرین محظوظ ہوئے۔

اشعار

اُز مولانا محمد علی جوہر

الٰہی شکر ترا پھر مہِ صیام آیا — مہِ صیام نہیں عید کا پیام آیا

ہزار ماہ سے بہتر ہے ایک رات اسکی — اسی مہینہ میں اللہ کا پیام آیا

گھڑی وہ کیسی مبارک تھی کل جہاں کیلئے — حرا میں عرش سے اللہ کا جب پیام آیا

جب اپنی پوری جوانی پر آ گئی دنیا
تو زندگی کے لئے آخری نظام آیا

سید حسین، بی اے

اکتالیسواں سالانہ اجلاس منعقدہ اجمیر ۱۹۲۸ء

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اکتالیسواں سالانہ اجلاس بمقام اجمیر زیر صدارت آنریبل ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان جج الہ آباد ہائی کورٹ ۱۹۲۸ء میں منعقد ہوا استقبالیہ کمیٹی کے صدر سیٹھ عبداللطیف اللہ رکھا اور سکریٹری مرزا عبدالقادر بیگ منتخب ہوئے۔ مختلف ریاستوں اور یونیورسٹیوں کو نمائندے بھیجنے کی دعوت دی گئی تھی میسور یونیورسٹی سے مرزا سلطان محی الدین ڈپٹی ڈائرکٹر، ڈھاکہ یونیورسٹی سے پروفیسر محمود الحسن اور عثمانیہ یونیورسٹی سے اسکے رجسٹرار بطور نمائندہ شریک اجلاس ہوئے، ریاست ٹونک نے مولوی نور الحسن صاحب کو شرکت کے لئے بھیجا۔

اس موقع پر تعلیمی نمائش کا انتظام بھی عمدہ پیمانہ پر کیا گیا تھا۔ مختلف تعلیمی اداروں کی جانب سے تقریباً ۸۰۰ اشیاء نمائش کے لئے موصول ہوئیں جن میں تعلیمی آلات، نقشے، چارٹ، کتابیں اور دیگر اشیا شامل تھیں۔

مہمانوں کے قیام کا انتظام بلو کاسل میں کیا گیا تھا جو سر سبز و شاداب درختوں کے جھنڈ میں ایک خوب صورت و شاندار محل ہے۔ دفتر کانفرنس کے عملہ کے لئے مقام اجلاس اسٹیشن کے قریب ہی تھا۔ والنٹیر مہمانوں کے استقبال کے لئے اسٹیشن پر موجود رہتے تھے۔

جناب صدر آنریبل ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان کے والد ماجد مولوی محمد عثمان جونپور کے ایک نامور وکیل تھے سر شاہ محمد سلیمان ۱۸۸۶ء میں جونپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مشن اسکول میں داخل ہوئے پھر میور کالج الہ آباد میں داخلہ لیا اور ۱۹۰۶ء

میں بی اے پاس کیا اور الہ آباد یونیورسٹی میں اول آئے۔ حکومت نے سرکاری اسکالر شپ دے کر انگلستان بھیجا اور کیمبرج یونیورسٹی میں داخل ہوئے۔ ۱۹۰۹ء میں ریاضی کی اعلیٰ سند حاصل کی پھر آئی۔ سی۔ ایس کے امتحان میں شریک ہوئے مگر ناکام رہے۔ پھر بیرسٹری کی سند لی اور ۱۹۱۰ء میں ایل ایل ڈی کی ڈگری حاصل کی اور ہندوستان واپس آگئے۔

شروع میں جونپور میں ابتدائی عدالت میں پریکٹس کی پھر ۱۹۱۴ء میں الہ آباد ہائی کورٹ میں وکالت شروع کی، اور اپنی قابلیت کا سکہ بٹھا دیا چار سال کے بعد الہ آباد ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۴ سال کی تھی ۴۳ سال کی عمر میں قائم مقام چیف جسٹس اور ۴۶ سال کی عمر میں ہائی کورٹ کے مستقل چیف جسٹس مقرر ہوئے اور ۵۱ سال کی عمر میں فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج مقرر ہوئے۔

سر شاہ سلیمان بعض اہم تحقیقاتی کمیٹیوں کے ممبر مقرر ہوئے۔

قانون پر پورا عبور حاصل کرنے کے بعد سر شاہ سلیمان زیادہ وقت علم ریاضی، دینی تحقیقات اور اردو ادب کے مطالعہ پر صرف کرتے۔ قرآن وحدیث پر کافی عبور رکھا تعلیمی مسائل اور علی گڑھ یونیورسٹی سے ان کو گہری دلچسپی تھی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے دو مرتبہ وائس چانسلر مقرر ہوئے اور یونیورسٹی کی حالت کو بہتر بنایا۔

سر شاہ سلیمان فرصت کے اوقات میں ریاضی اور سائنس کے عمیق مسئلوں کے حل کرنے میں صرف کرتے تھے۔ سر آئزک نیوٹن کی تھیوری آف گریویٹیشن (قانون کشش ثقل) کو ایک جرمن ماہر ریاضیات نے بڑی حد تک غلط ثابت کر کے ایک نئی تھیوری پیش کی شک وشبہات ابھی رفع نہ ہوئے تھے کہ سر شاہ سلیمان نے اصولی طور پر ایک نئی چیز پیش کر دی روس اور مصر کے سائنس دانوں کو سر شاہ سلیمان کی تھیوری سے اتفاق ہے مگر ضرورت اس تھیوری پر کام کرنے کی ہے۔

دہلی کے قیام کے زمانے میں سر شاہ سلیمان نے قرآن کریم کے مطبوعہ و قلمی نادر نسخوں کو جمع کیا جو ایک بیش بہا ذخیرہ ہے بعدہٗ یہ ذخیرہ مسلم یونیورسٹی لائبریری کو دے دیا گیا۔

سر شاہ سلیمان کو میر تقی میرؔ اور استاد ذوقؔ کے کلام سے خاص دلچسپی تھی۔ ان کے قصائد اور غزلوں کا مجموعہ اپنے مقدمہ کے ساتھ طبع کرا کے شائع کیا۔

۱۳ / مارچ ۱۹۴۱ئ کو سر شاہ سلیمان کا دہلی میں انتقال ہوا اور درگاہ نظام الدین اولیاء میں دفن ہوئے۔

جناب صدر نے اپنے خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا کہ

" مسلمانوں کی تعلیم کا مقصود بمقابلہ دنیاوی ہونے کے زیادہ تر روحانی تھا اس کی اصلی غرض یہ تھی کہ وہ ایسے صحیح مسلمان تیار کرے جن پر اسلامی روحانیت کا گہرا رنگ چڑھا ہوا ہو۔ اس کے نصاب کا نمایاں اور غالب جز دینیات تھا۔ اس کے مطالعہ کی غرض یہ تھی کہ طلباء کو یہ بتلایا جائے کہ انسان اور خدا کے متعلق جو فرائض ہیں وہ کیوں کر ادا کئے جائیں "عرفان حق" و خدمت خلق" اس کا اساسی و بنیادی تخیّل تھا۔ تعلیم کا مفہوم ان کے نزدیک یہ تھا کہ عرفان و حقیقت کی طلب و جستجو کی جائے واقعہ یہ ہے کہ انسان کے لئے کوئی اور اعلیٰ و بلند تر مقصد ذہن و خیال میں بھی نہیں آسکتا۔

" زمانہ موجودہ میں تعلیم کا مفہوم سراسر مادی ہے اس کا خاص مقصد یہ ہے کہ وہ ایسے کارآمد شہری تیار کرے جو جسمانی و ذہنی قابلیت کے اعتبار سے مادی کامیابیوں میں ترقی کرنے کی صلاحیت رکھ سکیں۔

" لیکن اسلامی تخیّل اس مادی مفاد کے خیال کے منافی نہیں۔ وہ معمولی کاروبار زندگی اور دنیاوی حصولیابی میں مداخلت کئے بغیر روحانی شائستگی پر زور دیتا تھا۔ ایک مسلم کے لئے تعلیم بلا اسلامی ذہنیت اور شائستگی کے کوئی

معنی نہیں رکھتی۔ ایک مسلم اہل علم جب تک اپنے مذہب اور پیغمبر اعظم کی سیرت وتعلیمات سے واقف و باخبر نہ ہو اس وقت تک اس کے علم کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کی صحیح تعلیم کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ سرکاری درسگاہوں کے مقابلہ میں ان کی تعلیم میں مذہبی پہلو پر بہت زور دیا جائے لیکن اس قسم کا زور دینا اسی وقت ممکن ہے کہ ہماری درسگاہیں صحیح معنوں میں قومی درسگاہیں ہو جائیں گو ان کا خاکہ دنیاوی تعلیم کے لئے ہی کیوں نہ تیار کیا جائے۔ پہلی اور سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم پوری توجہ کے ساتھ ہو۔ یہ نہیں کہ عربی متن بلا سمجھے بوجھے پڑھا جائے بلکہ اس قابلیت کے ساتھ کہ اس کا مطلب بھی سمجھا جا سکے تاکہ جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس کا اثر ہو اور اس خدائی قانون کے مطالب بھی تاثیر کے ساتھ ذہن نشین ہوتے جائیں۔

"اسلامی دینیات اور قرآن شریف کی تعلیم کم از کم یونیورسٹی کے درجوں میں بلا کچھ عربی دانی کے تقریباً ناممکن ہے لیکن جہاں تک پرائمری اور سکنڈری تعلیم کا تعلق ہے دینیات کی تعلیم اردو زبان میں دی جا سکتی ہے۔

"آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے ہمیں انتہائی جانفشانی سے کام لینا چاہیئے اور یہی وہ طریقہ ہے جس سے ہم نئی نسلوں کو تاریخ اسلامی کی معلومات کے لئے تیار و آراستہ کر سکتے ہیں۔

میونسپل بورڈ کا یہ اولین فرض ہوگا کہ وہ صحت بخش حلقوں میں عمدہ اسکولوں کا انتظام کرے، درسگاہ کی عمارتیں خوب ہوادار ہوں اور حفظان صحت کے لحاظ سے اچھی حالت میں ہوں۔ ان میں ضروری سامان آرائش، کتابیں، اور دیگر ضروری سامان مع قابل اساتذہ کی جماعت کے موجود ہو۔"

"تعلیم کے عام و دلکش ہونے، اُسے غربا کے طبقہ کے لئے کارآمد بنانے اور ممکن الحصول سرمایہ کو مفید مصرف میں کام میں لانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مدرسوں میں نوعیت تعلیم وہ ہو جو طلبہ کو اس کام یا پیشے کے قابل بنا سکے جس میں انھیں آگے چل کر داخل ہونا ہے۔ اس لئے کہ ایک زراعت پیشہ شخص کے لڑکے کے لئے علم زراعت کی ابتدائی تعلیم ایک مکمل ادبی تعلیم سے کہیں زیادہ کارآمد ہے عام پرائمری اسکولوں میں فن دستکاری کی تعلیم لازمی ہونی چاہیئے۔ اور لڑکوں کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسی قسم کی دستکاریاں بھی ضرور بتلانی چاہئیں۔ مثلاً بڑھئی کا کام، کپڑا بننے کا کام، جلد سازی، ظروف سازی، جوتا بنانے کا کام، دھات کا کام، باغات، اور ٹوکری بنانے کا کام اور اسی طرح کے اور پیشے و دستکاری کے کام اس تعلیم کے کارآمد و مفید موضوع ہو سکتے ہیں۔ طلبہ اسکول چھوڑنے کے بعد اس طرح کے عملی کاموں سے واقف ہوں گے جس سے آمدنی حاصل کر کے وہ ایک طریقہ پر زندگی بسر کر سکیں گے"

"ثانوی تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہئیے کہ وہ دیہاتی آبادی کے ہر فرد کو کسی نہ کسی پیشہ کے قابل بنا دے متعدد پیشے ایسے ہیں کہ ان کے لئے خاص تربیت و مہارت درکار ہوتی ہے مثلاً صناع، نقّاش، مصوّر، معمار، نجّار، سنار، درزی، برقی کاریگر اور چمڑے کا کام کرنے والے وغیرہ وغیرہ۔ اگر ہمارے مدارس میں ہمارے لڑکوں کو ان پیشوں کی تعلیم کے ابتدائی مراحل طے کرنے کا موقع مل جائے تو ہمارا ملک صنعت و حرفت میں بہت دور تک ترقی کر سکتا ہے۔ جو لڑکے اسکول سے نکلیں گے چونکہ وہ پہلے ہی سے اپنے فن کی کچھ مشق کر چکے ہوں گے اس لئے وہ آسانی سے معاش کا سامان فراہم کر سکیں گے۔

اور ان کو اس کی حاجت نہ ہوگی کہ وہ کسی اسامی کے خالی ہونے کا انتظار کیا کریں"

"اگر (دیہاتی مدارس کے) ٹائم ٹیبل میں ضبط اوقات کا کچھ حصہ زراعت اور باغبانی کے کاموں کے لئے مخصوص کر دیا جائے اور ایک مختصر سی ابتدائی کتاب تیار کیجائے جس میں تخم اور فصل کے متعلق ضروری معلومات ہوں تو یقیناً پیکر تعلیم میں ایک نئی روح ——— عملی تجربہ کے لئے پھونکی جاسکتی ہے"

"یہ بات آسانی سے ہر ذہن میں سما سکتی ہے کہ لڑکیوں کے مدارس میں تاریخ، جغرافیہ، صرف و نحو، اور الجبرا کے مقابلہ میں سینے پرونے، سوئی کا کام کرنے، لباس بنانے، کھانا پکانے، کپڑے دھونے اور حساب و کتاب رکھنے پر زیادہ توجہ صرف کرنی چاہیئے۔ لڑکیوں کے مدارس میں تدبیر منزل یعنی کفایت شعاری اور خوش اسلوبی کے ساتھ گھر کے رکھ رکھاؤ کی تعلیم خاص طور پر مفید ثابت ہوگی۔ لڑکیوں کو طرح طرح کے مربہ جات اور شربت تیار کرنے، مکھن اور پنیر بنانے، چھوٹے چھوٹے بکس، شمع دان اور ٹوکریاں تیار کرنے ——— ، طرح طرح کے کھانے پکانے عمدہ عمدہ ترکاریوں کو انتخاب کر کے خوش ذائقہ طور پر پکانے، صنعت کا کام کرنے اور گھر کے انتظام کے لئے ہر نوع کی ضروریات مہیا کرنے کی تعلیم دینی چاہیئے۔ البتہ یونیورسٹی کی تعلیم ایسی چیز ہے کہ چونکہ اس کا مقصد بلند ترین اوصاف کے افراد پیدا کرنا ہے۔ اس لئے وہ سب کے لئے یکساں ہونی چاہیئے"

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص خاص ریزولیوشن پاس ہوئے۔

۱۔ اسکولوں میں فوجی تعلیم لازمی قرار دی جائے
۲۔ ملک کی اقتصادی حالت کی اصلاح کے لئے پیشیوں کی تعلیم لازمی ہے
۳۔ اُردو کی چھپائی میں لیتھو کی بجائے ٹائپ کا انتظام ہونا چاہیئے۔
۴۔ دیہاتی مدارس میں زرعی تعلیم دی جائے۔
۵۔ اُردو زبان کے تحفظ و ترقی کے لئے ایک عظیم الشان مرکزی کتب خانہ قائم کیا جائے
۶۔ ہندو ریاستوں میں مسلمانوں کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام ہونا چاہیئے۔

کانفرنس کے پہلے دن کے اجلاس میں تجویز صدارت پاس ہونے کے بعد مسٹر سید حسین بی اے اسسٹنٹ سکرٹری مجلس استقبالیہ نے بطور تہنیت ایک نظم نہایت موثر و خوش آئند لہجے میں پڑھی جس کو سُن کر مجمع سے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں:۔

اسی طرح مسٹر سید حسین نے پانچویں اور آخری دن کے اجلاس کے بعد آنریبل جسٹس شاہ محمد سلیمان صاحب کو رخصت کرتے وقت اسٹیشن پر مندرجہ ذیل مختصر نظم سُنائی۔

نظم تہنیت

ازسید حسین بی۔ اے

کِھل گئے گُل باغ میں ہر غنچہ خنداں ہو گیا
موسم سرما میں بھی فیض بہاراں ہو گیا
جھومتا ہے ہر شجر، ہے وجد میں سارا چمن
بلبلوں کے پھر چہک اٹھنے کا ساماں ہو گیا

پھول پتہ خار تک بھی نوک کی لیتا ہے آج
باغ میں طرفہ بہار آنے کا ساماں ہوگیا

ساقیٔ فطرت نے لالوں کے پیالوں میں شراب
ایسی دی زاہد نے پی اور بہکیے رقصاں ہوگیا

محو حیرت تھا کہ کیوں ہے آج یہ سامانِ عیش
خندۂ گل کیوں ہے، کیوں بلبل غزلخواں ہوگیا

ہاتفِ غیبی نے دی آخر نوید جشنِ عام
جلسۂ تعلیم کا کیا خوب ساماں ہوگیا

مطلع ثانی

غوثیہ ہال آج بیشک رشکِ کیواں ہوگیا
بوریا اجمیر کا تختِ سلیماں ہوگیا

مسلم اجمیر و فخر میزبانی جناب
آج تازہ قصۂ مور و سلیماں ہوگیا

آنریبل ڈاکٹر جسٹس ال ال ڈی اور ایم اے
فخر قوم اب چارہ ساز دردِ پنہاں ہوگیا

قوم کی خدمت کہوں یا سرپرستی قوم کی
آپنے کرلی قبول اور فضلِ یزداں ہوگیا

آپ کا علم و ادب اور آپ کا حسنِ عمل
آپ رہبر بن گئے ہر عقدہ آساں ہوگیا

کیا عجب نکلے بھنور سے ڈوبتا بیڑا حسینؔ
ناخدا کشتیٔ مسلم کا سلیماں ہوگیا

نظم الوداعی

الوداع اے صدر اے زینت دہ بزم سرور
آپ کے آنے سے بیشک ہو گیا سب رنج دور

بے بضاعت قوم سے کچھ ہو سکی خدمت نہ حیف
التجا ہے عفو کر دیں آپ جو کچھ ہو قصور

آپ کو تکلیف تو بیشک ہوئی اے فخرِ قوم
ہے مگر تکلیف حصہ رہنماؤں کا حضور

وقت اتنا بھی نہیں اظہار کچھ جذبے کا ہو
دل میں ہے جذب محبت کا مرے استاذ فور

آپ کو کل الوداع کہتا تمنا تھی یہی
کیا کریں ہم آج ہی ہے آپ کو جانا ضرور

بس حسین اب تو دعا پر ختم کر طولِ سخن
ان کا سایہ قوم پر رکھ سو برس رب غفور

منشی فضل حسین برشتہ، قمر الحسن قمر بدایونی ضمیر الدین اظہر رہتکی

تینتالیسواں[۱] سالانہ اجلاس منعقدہ رہتک ۱۹۳۱ء

ایجوکیشنل کانفرنس کا تینتالیسواں اجلاس ۱۹۳۱ء میں بمقام رہتک منعقد ہوا۔ سید رضا علی صاحب سی بی ای نے فرائض صدارت انجام دیئے۔ صوبہ پنجاب میں کانفرنس کا آخری اجلاس ۱۹۱۴ء میں راولپنڈی میں منعقد ہوا تھا۔ اب ۱۷ سال کے بعد پھر کانفرنس کو سرزمین پنجاب میں انعقاد اجلاس کا موقعہ ملا۔ اس اجلاس کی تحریک مسلمانان رہتک کے رُو برو کانفرنس کے سفیر منشی محمد راغب نے اپنے رہتک کے دورہ کے زمانہ میں کی تھی۔ مسلمانان رہتک نے اس تحریک کو بنظر استحسان دیکھا۔ اس کے بعد مسٹر لایت حسین سپرنٹنڈنٹ دفتر کانفرنس رہتک گئے اور سید محمد باقر صاحب بی اے علیگ کے تعاون سے اہل رہتک کو اس امر پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوئے کہ وہ کانفرنس کو سالانہ اجلاس رہتک میں منعقد کرنے کی دعوت دیں۔ سید محمد باقر استقبالیہ کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے اور چودھری جان محمد صاحب چیرمین میونسپل بورڈ سکریٹری استقبالیہ کمیٹی تجویز کئے گئے۔ مہمانوں کے قیام کا انتظام کالج کے بورڈنگ ہاؤس کی عمارت میں کیا گیا تھا۔ اجلاس کے لئے سینما کی وسیع عمارت کرایہ پر لی گئی تھی۔

کانفرنس کے صدر سید رضا علی ولد میر واحد علی، قصبہ کندرکی ضلع مراد آباد (یوپی انڈیا) میں ۲۹ مئی ۱۸۸۰ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی اردو و فارسی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انگریزی تعلیم کا آغاز ہوا۔ ۱۸۹۵ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا اور علی گڑھ کالج میں

۱۔ چوالیسواں سالانہ اجلاس ۱۹۳۲ء زیر صدارت کرنل مقبول حسین قریشی صاحب بمقام لاہور اور پینتالیسواں سالانہ اجلاس ۱۹۳۳ء زیر صدارت سر شیخ عبدالقادر بمقام میرٹھ منعقد ہوا۔

داخلہ لیا ۱۹۰۲ئہ میں درجہ دوم میں بی۔اے پاس کیا اس زمانہ کے سیاسی حالات و واقعات کا غائر نظر سے مطالعہ کیا اور اس میں حصہ بھی لیا۔ نواب محسن الملک کے زیر تربیت کام کیا۔ کچھ دنوں سرکاری ملازمت بھی کی، ۱۹۰۸ئہ میں وکالت کا امتحان پاس کیا اور پھر وکالت کا پیشہ شروع کر دیا۔ اور اس میں خوب کامیاب رہے۔ سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، کونسلوں کے ابتدائی دور میں خوب کام کیا، پانچ سال تک تک یوپی پبلک سروس کمیشن کے ممبر رہے، یوپ اور روس کے دورے بھی کئے افریقہ میں ہندوستانیوں کی حالت کا جائزہ لینے کے لئے جو سرکاری وفد گیا تھا اس کے ایک ممبر سید رضا علی بھی تھے تین سال تک وہاں رہے۔ گورنمنٹ سے سر کا خطاب ملا۔ سر رضا علی نے اپنے خود نوشت حالات "اعمال نامہ" کے نام سے نہایت دل چسپ انداز میں لکھے ہیں۔ ۱۹۴۹ئہ میں کراچی میں ان کا انتقال ہوا۔

سر رضا علی نے اس اجلاس میں ایک مختصر مگر جامع خطبہ پڑھا جو حاضرین میں پسند کیا گیا انھوں نے تعلیمی حالات کے علاوہ اس زمانے کی سیاسی تحریکات پر خاص طور سے تبصرہ کیا۔

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیوشن پاس ہوئے

۱۔ مسلمانوں کے تباہ کن اسراف کی عادت چھڑانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ قوم کو کفایت شعاری کی تعلیم دی جائے اور درسگاہوں کو توجہ دلائی جائے کہ طلبہ کے خرچ کی مقدار میں معتد بہ کمی ہو۔

۲۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ ہندوستان کا موجودہ طریقہ تعلیم نہایت کہنہ ناقص اور ضروریات زمانہ کے لئے ناموزوں ہے لہذا گورنمنٹ جلد از جلد ماہرین تعلیم کی ایک کمیٹی قائم کرے۔ جو نظام تعلیم کے نقائص پر غور کر کے جدید طریقہ تعلیم ملک کی اقتصادی اور معاشرتی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر مرتب کرے۔

۳۔ علاقہ ہریانہ کے مسلمانوں کی تعلیمی اصلاح و بہبود کے لئے ایک مستقل راس المال قائم کیا جائے جس سے قوم کے ہونہار مستحق بچوں کو وظائف دیئے جائیں۔

اس اجلاس میں ڈاکٹر عبدالستار خیری نے ایک مفید معلوماتی تقریر "جرمنی میں تعلیم" کے عنوان سے کی جو خاصی پسند کی گئی اسی طرح مولوی اشفاق حسین بی اے بی ٹی نے "رہتک کی تاریخی اہمیت اور مسلمانان رہتک کی تعلیمی ترقی" کے عنوان سے ایک بڑا معلوماتی اور وقیع مضمون پڑھا۔

اس اجلاس میں فضل حسین برشتہ، منشی قمرالحسن قمر بدایونی اور ضمیرالدین ہتکی نے قومی نظمیں پڑھیں جو درج ذیل ہیں۔

نظم

از فضل حسین برشتہ مرادآبادی

مسرت کا خوشی کا ملک میں کیا خوب ساماں ہے
مثال روئے گل ہر ایک اس جلسہ میں خنداں ہے

جدھر دیکھو کھلی پڑتی ہیں کلیاں صحن گلشن میں
نسیم روح افزا غنچۂ دل پر خراماں ہے

ترانہ جھوم کر گاتی ہے بلبل شاخ عشرت پر
بھرا جوش مسرت میں ہر اک مرغ خوش الحاں ہے

بسان روئے گل باہر ہے ہر ایک اپنے جامہ سے
نسیم گلشن عیش و مسرت عطر افشاں ہے

فروغ علم سے رہتک پہ کیا فصل بہار آئی
کواکب مضمحل ہیں دیدۂ افلاک حیراں ہے

اسی تعلیم سے چمکا مثالِ ماہ ہر خطہ
یہی وہ ہے کہ جس کا نور رشکِ مہرِ تاباں ہے

تعجب کیا مسرت سے ہر ایک مدّاح جلسہ ہے
یہ حیرت کیا کہ سر سید کا جو ہر ایک ثنا خواں ہے

نظام علم کی تعلیم سے ممدوح والا کے
حصول آرزوئے مدعائے دل کا ساماں ہے

فضائے رونق و تعلیم روز افزوں ترقی سے
کہ روحِ پاک سر مرحوم کی جنت میں شاداں ہے

پریسیڈنٹ اس جلسے کے ہیں سید رضا صاحب
علی کا نور پیشانی میں بھی حضرت کی تاباں ہے

خطاب آنریبل سے شرف ہے آپ کا ظاہر
لیاقت قابلیت آپ کی مہر درخشاں ہے

شریک اس جلسۂ عالی کے سب ذی علم و ذی عزّت
شرف اس مجمع علمی کا دنیا میں نمایاں ہے

ترقی ہو الٰہی منبع علم علی گڑھ کو
کہ ہر ذی علم پروانہ ہے وہ شمع شبستاں ہے

خلوص و صدق دل سے ہی دعا یارب برشتہ کی
کہ جب تک یا الٰہی گردش گردونِ گرداں ہے

فروغ مہر و مہ سے جب تلک ہے زینت عالم
نشاط انگیز جب تک انتظام باد و باراں ہے

دل اہل جہاں ہے جب تلک مرکز تمنا کا
ہوائے آرزو جب تک محیط قلبِ انساں ہے

خدا کے نام کی عزت ہے جبتک اہل دانش میں
تجلی علم کی جب تک چراغ راہِ عرفاں ہے
رہے تعلیم سر سید کا چشمہ ملک میں جاری
شجر جب تک زمیں پر آسماں پر مہر تاباں ہے

از منشی قمرالحسن قمر بدایونی

اے مسلمانانِ رہتک مرحبا صد مرحبا
کامیابی آپ کو دے اپنے مقصد میں خدا
مرکزی مجلس کو دعوت دے کے اپنے شہر میں
کر دیا اہل وطن کو آپ نے فرض آشنا
یہ کشش حسن ارادت ہی کی تھی جس نے یہاں
ایسی ایسی ہستیوں کو زیب مجلس کر دیا
یہ جناب صدر جن پر فخر ہے اس بزم کو
جن کو ہے مد نظر ہر وقت قومی ارتقا
جن کے قومی کارنامے وجہ بیداریٔ قوم
جن کی علمی خدمتیں علم و عمل کی رہنما
قابل عزت ہیں یہ اجلاس رہتک کے لئے
فخر کے قابل ہے رہتک میں یہ تعلیمی فضا
پڑ چکی تھی غدر سے پہلے ہی اس کی داغ بیل
آج جس پر گامزن ہیں یہ معزز رہنما
یعنی جب منصف یہاں سر سید مرحوم تھے
تھا جبھی سے منتظر یہ شہر اس اجلاس کا

للہ الحمد آج بار آور ہے رہتک کی اُمید
شکر ہے خوش قسمتی سے آج وہ دن آگیا
اب ضرورت ہے کہ تکمیل مقاصد کے لئے
ہمت و کوشش سے ہو سعی حصولِ مدعا
جس سے جو ممکن ہو کوشش وہ کرے تعلیم میں
مال والے دام دیں اور اہل دانش مشورہ
اب اسی پر منحصر ہے کامیابی قوم کی
حاصل تعلیم ہو مصرف سمجھنا علم کا
علم کا مقصد یہ ہونا چاہیئے تعلیم میں
صیقل تعلیم سے حسن عمل کی ہو جلا
اپنے کاموں میں ہمیں تمئیز نیک و بد رہے
قدر ہم اس کی کریں ہم کو جو نعمت ہو ادا
یعنی دولت ہو تو ہم اس سے خریدیں علم و فضل
اور علم و فضل کو اپنا بنائیں رہنما
ورنہ اس دولت سے کیا حاصل جو وجہ ننگ ہو
جو ہمیں مُسرف بنادے یا بنادے خود نما
جس کو ہم برباد کردیں جو ہمیں رُسوا کرے
ہم کو جس کی وجہ سے شیطاں کہے خلقِ خدا
علم کا حاصل اگر تمئیز نیک و بد نہ ہو
دین و دُنیا میں ہمیں اس علم سے کیا فائدہ
یہ تو وہ باتیں تھیں جو میں نے کہیں اب وہ کہوں
مجھ سے جو دل نے کہا اور اس کا یہ مفہوم تھا

اے قمؔر اس وقت یہ سوچو کہ اب ہم کیا کریں
اس سے کیا مطلب کہ ابتک کیا کیا یا کیا ہوا!

---

(۲)

اے بانیان جلسہ اے حامیانِ ملّت
یہ سوچنے کی ہم کو اس وقت ہے ضرورت
قائم رہے گی کیوں کر اب زندگی ہماری
یا زندگی کی اب ہم کیوں کر کریں حفاظت
کہتا ہے کیا زمانہ ہم کیا سمجھ رہے ہیں
کیا چیز منفعت ہے کیا چیز ہے مضرّت
کیا بات ہے جو ہم کو اتنا گرا رہی ہے
کیوں چھا گئی ہے ہم پر افلاس کی نحوست
جب ہم یہ جان لیں گے خود اس کو مان لینگے
جس نے ہمیں ڈبویا ہے اس کا نام غفلت
غافل کا جرم کیا ہے؛ وہ گہری نیند سونا
"سوتا مرا برابر" کہتی ہے جس کو خلقت
جو بات ہم بگاڑیں غیر اس کو کیوں سنواریں
ہم خود ہیں اپنے دشمن، دشمن کی کیا شکایت
رسم و رواج کہہ کر جس کو نبھاتے ہیں
ان سب حماقتوں سے وابستہ ہے فلاکت
کس کام کی وہ شادی جس کا مآل غم ہو
ذلت ہو جس کا حاصل کس کام کی وہ عزّت

یہ کیا ہے گھر بسانا، یا گھر میں خاک اُڑانا
بک جائے گھر تک اپنا جس بیاہ کی بدولت
جب ان حماقتوں کو ہم اپنی شان سمجھیں
نازل ہو کیوں نہ ہم پر یہ قہر یہ مصیبت
ہم میں اگر ہے باقی احساس زندگی کا
یا زندگی کی ہم کو در اصل ہے ضرورت
خود اپنی غفلتوں کو بیداریوں سے بدلیں
ہر اُس روش کو چھوڑیں جس سے ہوئی یہ حالت
جاگیں اور ایسے جاگیں جیسے نصیب جاگے
ہوں ساتھ ساتھ مقصد اور پیش پیش ہمت
جو وقت بھی گزاریں وہ کام میں گزاریں
ہر سانس ہو ہماری اک مژدۂ فراغت
جو کچھ کہیں وہ دل سے جو کچھ سنیں وہ دل سے
ہر فعل میں ہو جذبہ، ہر قول میں صداقت
اپنی مدد کو ہم خود اپنا ہی فرض سمجھیں
ہم اپنی بہتری کی خود ہی کریں ضمانت
یہ ہو تو پھر یقیناً جو ہم کریں وہی ہو
شکوہ رہے کسی سے ہم کو نہ کچھ شکایت
بڑھ بڑھ کے کامیابی چومے قدم ہمارے
اُٹھ اُٹھ کے ہوں سلامی اوج و عروج و رفعت
ورنہ قمرؔ جو حالت انسان خود نہ بدلے
اس کو نہیں بدلتا اللہ رب العزت

(۳)

اے ساکنانِ رہتک اے خوش نصیب خلقت
تم کو خدا نے دی ہے دنیا میں خاص نعمت
یہ دُودھ کے مویشی وہ دُودھ کی ہیں نہریں
جن کے سبب سے رہتک ہے مرغزارِ جنت
مدراس ہو کہ پونا کلکتہ ہو کہ ہگلی
اس خاص وجہ سے ہی سب میں تمہاری عزت
جاتا ہے جو مویشی رہتک کی سرزمین سے
ان کی نگاہ میں ہے اک ضامنِ ضرورت
نعمت کے اہل تم ہو دولت کے اہل تم ہو
کرتی ہے فخر تم پہ اس شہر کی تجارت
لیکن یہ خوبیاں سب محدُود خوبیاں ہیں
یعنی ترقیوں میں ان سب کی ہے ضرورت
منظور اگر ترقی ہے اپنی خوبیوں میں
حاصل کرو وہ دولت جو واقعی ہے دولت
دولت وہ کونسی ہے دولت وہ علم کی ہے
بڑھتی ہے جس سے عزت آتی ہے آدمیت
آنکھیں وہی ہیں آنکھیں روشن جو علم سے ہوں
آنکھیں ہوں بند جس کی وہ کیا کرے تجارت
روشن کرو کہ جس سے خواندہ ہوں اہلِ رہتک
ہمت کرو کہ جس سے ہو دُور یہ جہالت

دنیا بدل رہی ہے لٹّہ تم بھی بدلو
ہر کام کے لئے ہے اب علم کی ضرورت
ہمت کرو تو آساں ہے مدرسہ بنانا
وابستہ جس سے ہوگی ہر بہتری کی صورت
حاکم بھی تم بنوگے عالم بھی تم بنوگے
پاؤگے تاجروں میں عزت کے ساتھ شہرت
چندوں سے کرکے قائم سرمایۂ وظائف
نادار ہوں جو لڑکے ان کی کرو اعانت
ان کوششوں کے بدلے تم کو لقب ملے گا
دنیا میں فخر ملت عقبےٰ میں اہل جنت
اس کا ثبوت یہ ہے دیکھا جو آج تم نے
میں جس کو جانتا ہوں فیض خلوص نیت
بچھڑوں کو جو ملا دے رُوٹھوں کو جو منا دے
وہ کیا ہے میں بتا دوں اسلام کی اُخوت
تفریق نے چھڑایا، توحید نے ملایا
وہ کیا تھی ایک لعنت یہ کیا ہے ایک رحمت
اب فرض مذہبی ہے رحمت کی قدر کرنا
ہیں رحمت دو عالم، محبوب رب العزت
اس نظم میں قسمر کی اللہ یہ اثر دے
ہر لفظ کارگر ہو ہر شعر درس عبرت

مسدّس

از ضمیر الدین اظہر رہتکی

خدایا تو مالک ہے سارے جہاں کا — تو خلّاق و رزّاق ہر جسم و جاں کا
تو ہے راز داں ہر عیاں و نہاں کا — نشان حقیقی ہے ہر بے نشاں کا
ترے حکم سے سب ہیں موجود و ظاہر
تو ہے اپنی قدرت سے ہر شے پہ قادر

مہ و خورشید زمین و فلک اور ستارے — ترے حکم سے ہیں یہ حرکت میں سارے
ہوئے واسطے سب یہ پیدا ہمارے — ہیں گردش میں اور پھرتے ہیں مارے مارے
عجب ان کی گردش کے رکھے قرینے
بنے جن سے دن رات سال اور مہینے

ترے تابع حکم شمس و قمر ہیں — یہ سب بحر و بر تیرے زیر اثر ہیں
ترے حکم بردار سب خشک و تر ہیں — بنائی ہوئی تیری شام و سحر ہیں
ستاروں کی گردش نہیں بے ضرورت
بجا لا رہے ہیں بڑی کوئی خدمت

ہر اک پھول کو دی نئی تو نے رنگت — عطا کی ہر اک پھل کو اک خاص لذّت
جو ہے گل میں خوشبو تو پھل میں لطافت — عیاں پتّے پتّے سے ہے تیری قدرت
میں قربان اس تیری صنعت گری کے
تری قدرتوں کے تری برتری کے

زباں سے ترا شکر کیوں کر ادا ہو — تری نعمتوں کی بھی کچھ انتہا ہو

عوض نعمتوں کا تری ہم سے کیا ہو	خطاؤں پہ جبکہ یہ تیری عطا ہو

زبانِ بشر کو کہاں اتنی طاقت

بیاں کر سکے کچھ ترا رمزِ قدرت

یہ ادبار کیوں ہم پہ چھایا ہوا ہے	یہ افلاس کیوں ہم پہ آیا ہوا ہے

ضلالت کا کیوں ہم پہ سایا ہوا ہے	یہ حالِ زبوں کیوں بنایا ہوا ہے

زمانہ جو دشمن ہوا ہے ہمارا

بگاڑا ہے کیا ہم نے آخر کسی کا

نہ کھانے کو روٹی نہ تن پر ہے کپڑا	نہ گھر کا مکاں ہے نہ جنگل میں ڈولا

جو کچھ مل گیا کھا کے فاقے کو توڑا	جہاں پڑ رہے بس وہیں اپنا ڈیرا

کوئی ہو مصیبت کوئی آئے آفت

مگر کام کرنا سمجھتے ہیں ذلت

جہالت کو طاقت سمجھتے ہیں اپنی	فلاکت کو دولت سمجھتے ہیں اپنی

مصیبت کو راحت سمجھتے ہیں اپنی	غلامی کو عزت سمجھتے ہیں اپنی

نہ مالک ہیں ہم اور نہ آقا کسی کے

نہ والی کسی کے نہ مولا کسی کے

ہے اسراف بیجا میں یہ حال اپنا	کمایا جو کچھ اس سے دُگنا اُٹھایا

جو کچھ ہاتھ آیا وہ کھایا اُڑایا	ہزاروں کا سر اپنے قرضہ چڑھایا

لٹا دی بزرگوں کی جو تھی کمائی

نہیں زہر کھانے کو بھی ایک پائی

نہ اخلاق اچھے ہمارے نہ عادت	نہ ہمدردیٔ قوم کی ہم میں عزت

نہ شفقت بڑوں میں نہ چھوٹوں میں طاعت	نہ آپس میں ہے کچھ خلوص و محبت

یہی بد نصیبی کا اپنے سبب ہے
جسے دیکھئے سرکش و بے اُدب ہے

نہ کچھ علم دنیا سے رغبت ہے ہم کو — نہ کچھ علم دیں ہی کی حاجت ہے ہم کو
بزرگوں سے نیکوں سے نفرت ہی ہم کو — کمینوں رذیلوں کی صحبت ہے ہم کو

ہے سرچشمہ ہر عیب کا یہ جہالت
یہ ذلت ملی ہے اسی کی بدولت

عجب آجکل ہے شریفوں کی حالت — کسی کے نہیں پاس اوّل تو دولت
جو ہے بھی تو ان میں نہیں اتنی قدرت — کریں صرف بے جا نہ وہ بے ضرورت

رہے گا بُرا ان کا انجام ہو کر
کرینگے جو نام اپنا بد نام ہو کر

عجب حال بگڑا ہوا ہے ہمارا — محبت نبیؐ سے نہ ڈر ہے خُدا کا
نہ احکام دیں کی کسی کو ہے پروا — نہ روز جزا کا کسی کو ہے کھٹکا

ہمیں فخر ہے اپنی ہر معصیت پر
حیا بھاگتی دُور رہے ہم سے ڈر کر

تھی بچپن میں تعلیم سے ہم کو نفرت — نہ سنتے تھے ہرگز کسی کی نصیحت
نہ ماں باپ سے تھی ہمیں کچھ محبت — بزرگوں کی دل میں نہ تھی کوئی عزت

جوانی نے آکر غضب اور ڈھایا
نہ کرنا تھا جو کچھ وہ ہم سے کرایا

اُٹھا سر سے جس دم کہ سایہ پدر کا — تو پھر ماں بیچاری کی تھی کس کو پروا
رہا دل میں باقی نہ جب کوئی کھٹکا — وہی کر دکھایا جو کچھ دل میں آیا

تھے صد ہا یہاں دل لگی کے ٹھکانے
اگر گھر میں جاتے تو بس کھانا کھانے

خدا رحم اپنا کرے اب تو ہم پر — کہ اب ہو چلا حال یاں بد سے بدتر
جو علم و شرافت کے تھے ہم میں جوہر — ہم ان سب سے بیٹھے ہیں اب ہاتھ دھو کر

ہیں اب وہ ہمارے طریقے قرینے
کمینے سمجھتے ہیں ہم کو کمینے

کوئی مے پرستی کا عادی ہوا ہے — بداخلاق و زانی کوئی ہو رہا ہے
نڈر ہو کے کوئی جُوا کھیلتا ہے — کوئی چور کوئی اُچکا بنا ہے

یہ حالت ہے اپنی یہ نقشہ ہے اپنا
ہے اس پر بھی ہم کو شرافت کا دعوا

کوئی اچھی عادت ہے ان میں خصلت — نہ علم و ہنر ہے نہ شوق تجارت
نہ طاقت نہ ہمت نہ عزت نہ دولت — ہے عیبوں میں پر ان کو کامل مہارت

یہی ہیں زوال و نحوست کے بانی
کریں گے یہ کیا بھیڑیئے گلہ بانی

نہ بدلے گی خصلت نہ عادت ہماری — نہ تبدیل ہو گی ذہانت ہماری
نہ آئے گی گم گشتہ عزت ہماری — ملے گی نہ ہم کو حکومت ہماری

یہ سب کچھ ہمارے کیئے کی سزا ہے
وہی کاٹتے ہیں جو بویا ہوا ہے

یہ سچ ہے بلندی سے پتھر جو لڑھکا — اگر راستے میں کہیں پر نہ ٹھیرا
نہ اس کو کسی نے سنبھالا نہ پکڑا — تو سوچو ٹھکانا کہاں ہو گا اس کا

رُکے گا نہ ہرگز کسی جا پہ آکر
وہ ٹھہرے گا تحت الثریٰ ہی میں جاکر

مگر دیکھتے ہو جو کچھ ہو رہا ہے — نہ اس میں ذرا بھی تعجب کی جا ہے

کسی کی شکایت نہ اس میں گلہ ہے　　قصور اس میں اپنا ہے اپنی خطا ہے
ہیں گم کردہ رہ ٹھوکریں کھائے ہیں
نہ یہ کچھ خبر ہے کدھر جا رہے ہیں

کبھی سر جھکا کر یہ دل میں تو سوچیں　　کہ اسلاف کیسے تھے اور ہم یہ کیا ہیں
اُٹھا کر پرانی کتابوں کو دیکھیں　　کسی سے ہی پوچھیں اگر خود نہ سمجھیں
جو آنکھیں کھلیں گی تو معلوم ہوگا
کہ ہم پہلے کیا تھے بنے اب ہیں کیا کیا

یہ کس کام کی خاندانی شرافت　　مدد دے گی کیا تم کو قومی فضیلت
عبث ذکر اسلاف کی ہے یہ عادت　　نہیں تم میں جب علم و دولت کی طاقت
بزرگوں کے ناموں سے کب تک بجو گے
کہو تم بھی آخر کبھی کچھ کرو گے

جو محنت کرو گے تو راحت ملے گی　　اطاعت کرو گے تو عزت ملے گی
کرو گے جو خدمت تو عظمت ملیگی　　عبادت کرو گے تو جنت ملے گی
جو حکمِ خدا ہے وہ حکم نبیؐ ہے
اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے

جہاں تک ہو ممکن کرو علم حاصل　　نہ ہو ایک دم کے لئے اس سے غافل
رکھو روز و شب اپنے علمی مشاغل　　کہ بنتا ہے اس سے ہی انسان کامل
مقولہ یہ سچ بالیقیں بالیقیں ہے
نہیں علم جس میں وہ انساں نہیں ہے

ملے تم سے کوئی تو اس سے ملو تم　　جھکے تم سے کوئی تو اس سے جھکو تم
عداوت کے بدلے محبت کرو تم　　برائی کا عیوض بھلائی سے دو تم

جو خلق محمدؐ کے پیرو بنو گے
تو دشمن بھی سب دوست ہونگے تمہارے

علامہ اقبال، مولانا حالی مرحوم

چھیالیسواں سالانہ اجلاس منعقدہ آگرہ ۱۹۳۵ء

کانفرنس کا چھیالیسواں اجلاس بمقام آگرہ بتاریخ ۱۹ر۲۰ر مارچ ۱۹۳۵ء زیر صدارت ڈاکٹر سر ضیاء الدین صاحب منعقد ہوا مسلمانان آگرہ نے بڑی گرمجوشی سے تیاریاں شروع کیں۔ استقبالیہ کمیٹی کے صدر حاجی مرزا تصدق علی بیگ اور سکریٹری ابن حسن زبیری ایڈوکیٹ مقرر ہوئے۔

ایک خوش نما مضبوط اور وسیع پنڈال پرتاپ پورہ میں امپریس ہوٹل کے قریب تیار کیا گیا۔ باہر کے اکثر مہمان اس ہوٹل میں قیام پذیر ہوئے کانفرنس کے دفتر کے لئے پنڈال کے قریب ہی ایک اسکول کی عمارت حاصل کی گئی غرض پنڈال اور مہمانوں کے قیام کا انتظام سب ایک جگہ تھا جس سے مہمانوں کو بہت آسانی ہوئی۔

حاجی مرزا تصدق علی بیگ نے استقبالیہ خطبہ پڑھا جس میں آگرہ کی علمی زندگی کا خاکہ موثر انداز میں پیش کیا تھا۔

صدر اجلاس ڈاکٹر سر ضیاء الدین ولد حافظ معین الدین میرٹھ میں ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے وہ وہاں کے ایک قدیم کنبوہ خاندان کے چشم و چراغ تھے! ابتدائی تعلیم کے بعد میرٹھ کے گورنمنٹ ہائی اسکول میں داخلہ لیا مڈل پاس کرنے کے بعد ۱۸۸۹ء میں ایم۔ اے۔ او کالجیٹ اسکول علی گڑھ میں داخل ہوئے اور درجہ اوّل میں انٹرنس پاس کیا پھر سائنس کی تعلیم کی غرض سے ایم۔ سی کالج الہ آباد میں داخلہ لیا اور ایف۔ اے پاس کیا پھر ایم۔ اے۔ او کالج علی گڈھ آگئے وہاں

سے ۱۸۹۵ء میں اوّل درجہ میں بی۔ اے پاس کیا اور کالج ہی میں ریاضی کے اسسٹنٹ
پروفیسر مقرر ہو گئے۔ قومی اور تعلیمی کاموں میں برابر حصہ لیتے رہے۔ ۱۸۹۷ء
میں کلکتہ یونیورسٹی سے اور ۱۸۹۸ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے ریاضی میں ایم۔
اے پاس کیا۔ اسی سال اعلیٰ تعلیم کی غرض سے یورپ گئے۔ کیمبرج یونیورسٹی سے
مختلف سندات حاصل کیں۔ جرمنی میں گوٹنجن یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کیا۔
پھر پیرس اور اٹلی کی جامعات میں بھی تعلیم حاصل کی۔ ۱۱ر دسمبر ۱۹۰۶ء کو
علی گڑھ واپس آئے اور کالج میں ریاضی کے پروفیسر کی حیثیت سے ان کا تقرر
ہوا۔ ۱۹۱۹ء میں وہ کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ انھوں نے کالج کو بہت ترقی
دی اور سیاسی ہنگاموں کے مواقع پر بڑی دانشمندی سے کام لیا دسمبر ۱۹۲۰ء میں
مسلم یونیورسٹی قائم ہوئی اور وہ پرو وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۸ء میں
مستعفی ہو کر یورپ چلے گئے۔ واپسی پر ۱۹۳۰ء میں مرکزی اسمبلی کے ممبر منتخب
ہوئے اور سترہ سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پہلی مرتبہ ۱۹۳۵ء میں دُوسری مرتبہ
۱۹۴۱ء میں اور تیسری مرتبہ ۱۹۴۴ء میں وائس چانسلر منتخب ہوئے۔ مسلم یونیورسٹی
کی ہر لحاظ سے خدمت کی اور اس کی ترقی میں کوشاں و ساعی رہے۔
۱۹۳۶ء میں نائٹ ھڈ کا خطاب ملا۔ ۱۹۴۷ء میں یورپ کا سفر کیا۔
لندن میں فالج کا دورہ پڑا اور ۲۳ر دسمبر ۱۹۴۷ء کو انتقال ہوا۔ جنازہ علی گڑھ لایا
گیا اور ۴ر فروری ۱۹۴۸ء کو علی گڑھ کا یہ لائق سپوت سرسید کے پہلو میں دفن ہوا۔
ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے اپنا مختصر خطبہ صدارت پڑھا جس میں متعدد اہم تعلیمی
مسائل پر پختہ کارانہ طریقے سے بحث کی تھی۔ اور اس سلسلے میں مفید تدابیر بتائی
تھیں۔ انھوں نے مختلف تعلیمی ادوار کا جائزہ لے کر بتایا کہ ـــــ
تعلیمی میدان میں کیا کیا تبدیلیاں عمل میں آئیں اور اب دورِ جدید کا کیا تقاضا ہے

انھوں نے کانفرنس کے طریقۂ عمل اور نصب العین کا جائزہ لے کر بتایا کہ بدلے ہوئے حالات میں اب کانفرنس کو کیا کام کرنا چاہیئے اور کس طرح کرنا چاہیئے۔ انھوں نے ترقی دیہات کے مسئلہ پر خاص طور سے اظہار خیال کیا کیونکہ گورنمنٹ نے اصلاح دیہات کی اسکیم نافذ کی تھی صاحب صدر نے بتایا کہ دیہات کے مسلمانوں کو اس اسکیم سے کس طرح فائدہ اٹھانا چاہیئے انھوں نے فرمایا

"جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اصلاح دیہات کا مسئلہ زیادہ تر مشرقی بنگال کا مسئلہ ہے مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی آبادی بہت زیادہ ہے اگر ان کو ترقی کے مواقع ملیں تو یہ لوگ صرف اپنے صوبہ میں نہیں بلکہ تمام ہندوستان میں نمایاں حصہ لے سکیں گے۔ اور جس قدر سوشل اور پولٹیکل پیچیدگیاں بنگال میں موجود ہیں ان کو حل کرنے میں مشرقی اور شمالی بنگال کے مسلمانوں کی ترقی بہت کچھ مدد دے سکے گی، میں بہت زور سے اس بات کی سفارش کرتا ہوں کہ کانفرنس کو اس مسئلے پر خاص توجہ کرنی چاہیئے"

اس کے بعد صدر نے پرائمری، سکنڈری اور اعلیٰ تعلیم پر اظہار خیال فرمایا امتحانات کے طریقوں کے نقائص اور مدارس کے لئے سرکاری امداد کے حصول میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں ان پر روشنی ڈالی۔

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل حضرات نے بعنوان ذیل مقالے پڑھے۔

(۱) "جناب عمرالدین ایم۔اے، لکچرار فلاسفی مسلم یونیورسٹی
امام غزالی کے مذہبی فلسفہ کی نفسیاتی بنیاد"

(۲) جناب بشیر احمد ہاشمی، ایم۔اے
مسلمانوں کے نظریہ تعلیمی پر اجمالی تبصرہ

(۳) جناب غلام السیدین بی۔اے (علیگ)
تعلیم اور اسلامی معاشرت"

یہ مقالے نہایت دلچسپی اور توجہ سے سُنے گئے

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیوشن پاس ہوا

" یہ کانفرنس اس امر کو ضروری خیال کرتی ہے کہ ترقی دیہات کے سلسلے میں مسلمانان دیہات کی معاشرتی اور تعلیمی زندگی کی اصلاح کرے اور اس مقصد کے لئے سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ ترقی دیہات کے مسئلے پر غور کر کے اس کام کو شروع کرے اور اس معاملے میں نہ صوبجاتی مسلم کانفرنس اور اور مکتب کمیٹیوں کے نمائندوں کے مشورے بھی شامل کرے اور گورنمنٹ سے اس معاملے میں مالی امداد حاصل کرنے کی کوشش کرے "

اشعار ڈاکٹر علامہ اقبال

جو خواجہ غلام السیدین صاحب نے اپنی تقریر میں پڑھے ۔

یورپ میں بہت روشنیٔ علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جُوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگِ مفاجات

یہ علم ، یہ حکمت ، یہ تدبر ، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

بیکاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات

عروجِ آدمِ خاکی کے منتظر ہیں تمام
یہ کہکشاں، یہ ستارے، یہ عالمِ افلاک

تو بے بصر ہو تو یہ مانعِ نگاہ بھی ہے
وگرنہ آگ ہے مومن جہاں خس و خاشاک

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی
مرے کلام پہ حجّت ہے نکتۂ لولاک

اشعار مولانا حالیؔ مرحوم

جو خواجہ غلام السیدین صاحب نے اپنی تقریر میں پڑھے

جس دین نے تھے غیروں کے دل آ کے ملائے
اُس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

جو دین کہ ہمدردِ بنی نوعِ بشر تھا
اب جنگ و جدل چار طرف اُس میں بپا ہے

جس دین کا تھا فقر بھی اکسیر غنا بھی
اُس دین میں اب فقر ہے باقی نہ غنا ہے

عالم ہے سو بے عقل ہے، جاہل ہے سو وحشی
منعم ہے سو مغرور ہے، مفلس سو گدا ہے

دولت ہے نہ عزت، نہ فضیلت نہ ہنر ہے
اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے

جس قوم میں اور دین میں ہو علم نہ دولت
اُس قوم کی اور دین کی پانی پہ بنا ہے

مولانا شبلی مرحوم

اڑتالیسواں سالانہ اجلاس منعقدہ علی گڈھ ۱۹۳۷ء

کانفرنس کا اڑتالیسواں اجلاس ۱۹۳۷ء میں بمقام علی گڈھ منعقد ہوا۔ جناب نواب سی عبدالحکیم صاحب رئیس اعظم مدراس صدر منتخب ہوئے۔ اسی موقع پر کانفرنس کی پنجاہ سالہ جوبلی بھی منائی گئی۔ یہ جشن دسمبر ۱۹۳۶ء میں منعقد ہونا چاہیئے تھا مگر چونکہ یہ زمانہ ملک میں عام انتخابات کے لئے مخصوص تھا لہذا یہ مناسب سمجھا گیا کہ اجلاس کا انعقاد دسمبر ۳۶ء کی بجائے مارچ ۳۷ء میں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اس کے انعقاد کی ۲۵ تا ۲۹ مارچ ۱۹۳۷ء تاریخیں قرار پائیں۔

سالانہ اجلاس کو بارہ مختلف شعبوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا تاکہ شرکا میں سے ہر فرد اپنے مخصوص ذوق سے متعلق شعبہ میں دلچسپی لے سکے

ہر شعبہ کے انتظام کے لئے ایک "سکرٹری" اور اجلاس کے لئے ایک "صدر" تجویز کیا گیا۔ صدر کے انتخاب میں حتی الامکان یہ لحاظ رکھا گیا کہ جو صاحب جس شعبہ کے صدر قرار پائیں وہ اس مضمون سے خاص واقفیت یا مناسبت رکھتے ہوں۔

چنانچہ مذکورہ بارہ شعبہ ہائے فنون کے نام مع اسمار صدور درج ذیل ہیں۔

(۱) شعبہ ابتدائی تعلیم و مدارس اُردو ۔ سید آل علی نقوی انسپکٹر مدارس اسلامیہ، یوپی

(۲) شعبہ ثانوی تعلیم ۔ ڈاکٹر ذاکر حسین شیخ الجامعہ، جامعہ ملیہ دہلی

(۳) شعبہ اعلےٰ تعلیم ۔ جناب عبداللہ یوسف علی صاحب

(۴) شعبہ تعلیم نسواں ۔ خان بہادر شیخ عبداللہ، علی گڑھ

(۵) شعبہ مدارس اسلامی ۔ مولانا حسین احمد مدنی، دیوبند

(۶) شعبہ لٹریسی و تعلیم بالغان - مولوی سید طفیل احمد (علیگ)

(۷) شعبہ معاشیات و اصلاح معاشرت - پروفیسر محمد الیاس برنی، حیدر آباد دکن

(۸) شعبۂ اُردو یا اُردو کانفرنس، بابائے اُردو مولوی عبدالحق

(۹) اُردو پریس کانفرنس - خان بہادر مولوی بشیرالدین اٹاوہ

(۱۰) شعبۂ ٹیکنیکل ایجوکیشن - ڈاکٹر اے جی خان، ڈپٹی ڈائریکٹر اسٹورز دہلی

(۱۱) شعبہ اسلامی علوم و فنون - مولانا سید سلیمان ندوی

(۱۲) شعبہ تعلیمی نمائش - کرنل آر۔ ایس - ویر صاحب ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم، یوپی

مندرجہ بالا شعبوں سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ کانفرنس کی "پنجاہ سالہ جوبلی" کا پروگرام کس قدر وسیع و ہمہ گیر تھا۔ ہر شعبہ کا خطبہ صدارت علیحدہ علیحدہ تھا اور ہر شعبہ میں مختلف ماہرین فن اور ارباب قلم نے بھی مقالے پڑھے۔ "پنجاہ سالہ جوبلی کا خاکہ" ایک رسالہ کی صورت میں بھی شائع کیا گیا جس میں ضروری معلومات جمع کر دی گئی تھیں۔

تمام مہمانوں کے طعام کا انتظام شروانی خاندان کی طرف سے تھا۔ ان کے قیام کے لئے کرکٹ لان اور آفتاب ہوسٹل کے مابین وسیع مسطح میدان میں ایک شاندار کیمپ تجربہ کار اصحاب کی نگرانی میں تیار کیا گیا تھا، جس میں بلند و بالا خیموں کی باقاعدہ و مسلسل قطاریں اور خوبصورت روشیں تھیں سرسبز درختوں اور شاندار پھاٹکوں پر بجلی کے رنگ برنگ کے قمقمے ایک عجیب دلکش اور نظر فریب منظر پیش کر رہے تھے وسط میں خوش نما پارک، باقاعدہ چمن بندی و سبزہ زار، لطیف و روح پرور ہوا اور خوشگوار و معتدل موسم اور ماہ کامل کی ضیا افشانی نے اس سارے منظر کو نہایت پر کیف و دل آویز بنا دیا تھا۔

کیمپ کے متصل نمائش گاہ تھی۔ نمائش میں ہندوستان کے مختلف صوبوں سے نہایت نفیس چیزیں اور زنانہ مصنوعات اور صنعت گری کے نمونے اور نادر الوجود

قلمی کتابیں آئی تھیں جو خاص کوشش سے حاصل کی گئی تھیں۔ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی بھی بہت سی قابل دید چیزیں، جدید آلات اور مجسّمے جو فن طب اور عملی تشریح سے تعلق رکھتے تھے نمائش گاہ میں خاص ترتیب سے رکھے گئے تھے۔

جوبلی کے اجلاس عام کے لئے "اسٹریچی ہال" تجویز کیا گیا تھا جو سرسید مرحوم کے عہد کی یادگار ہے اور جس سے بہت سی روایات وابستہ ہیں۔ بعض شعبوں کے اجلاس بھی اسٹریچی ہال میں ہوئے لیکن اکثر شعبوں کے اجلاس مشتاق منزل اور آسمان منزل وغیرہ کالج کی مشہور عمارتوں میں ہوئے جو بجائے خود بھی اپنی دیرینہ روایات کی بنا پر ایک امتیاز خاص رکھتی ہیں۔

صدر اجلاس نواب سی عبدالحکیم رئیس اعظم مدراس کے حالات اور ان تقاریر کے اقتباسات سے پیش کئے جا رہے ہیں کہ جو صدارت کی تجویز و تائید کے سلسلہ میں مختلف اکابر نے کیں۔

نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی مرحوم نے فرمایا۔

"آپ (نواب سی عبدالحکیم صدر اجلاس) کا باوجود ضعف و کمزوری کے زحمت سفر گوارا فرما کر یہاں تشریف لانا ہی ایک بڑی خدمت ہے لیکن آپ کے انتخاب کی وجہ اس سے اعلیٰ ہے ۱۹۰۱ء میں کانفرنس کا جو اجلاس مدراس میں ہوا اس میں آپ کا خاص حصہ تھا اس کے بعد ۱۹۲۷ء میں دوسری دفعہ کانفرنس کا سالانہ اجلاس مدراس میں ہوا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں نے اس اجلاس کو آنکھ سے دیکھا۔ اور میں ایک "شاہد عینی" کی حیثیت سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ اس اجلاس کے روح رواں تھے اور اس وقت بھی آپ میں وہی قوت عمل اور جوش موجود تھا جو ۲۵ برس پہلے تھا ایک خاص بات یہ ہے

کہ پچیس برس کے پہلے اجلاس میں جو تجاویز مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے متعلق مدراس میں منظور ہوئی تھیں ان پر عمل کرنے کی کوشش میں بڑا حصہ نواب سی عبدالحکیم صاحب کا ہے جو ہمیشہ اپنے صوبے کی تعلیمی ترقی کیلئے کوشش کرتے رہے"

ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد نے فرمایا

"نواب سی عبدالحکیم صاحب مدت سے مسلمانوں کی تعلیمی امداد کر رہے ہیں اور رفاہ عام کے کاموں میں مصروف ہیں چنانچہ آپ نے ایک عظیم الشان یتیم خانہ بھی مدراس میں تعمیر کرایا ہے اور اس وقت تک آپ کئی لاکھ روپیہ مسلمانوں کی بھلائی کے کاموں میں خرچ کر چکے ہیں اس کے علاوہ آپ نے ہندوستان کے بعض بڑے بڑے خاندانوں کی خانگی طور پر مالی امداد کی ہے۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ ہم مسلمانان ہندوستان کسی طریقے سے آپ کی خدمات کا اعتراف کریں۔ نواب سی عبدالحکیم صاحب ایک کامیاب تاجر ہیں اور چیمبر آف کامرس کے پریذیڈنٹ رہ چکے ہیں اور خاص کاروباری تجربہ رکھتے ہیں آپ نے جب کسی کارخانے کو یہ دیکھا کہ وہ تباہ ہو رہا ہے تو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس کو تباہ ہونے سے بچالیا۔

مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا

"خدا نے ان (نواب سی عبدالحکیم) کو عزت و شہرت عطا کی ہے اور انھوں نے نہ صرف جنوبی ہند بلکہ شمالی ہند میں بھی اسلامی اداروں اور تعلیم گاہوں کی مالی امداد فرمائی ہے اس کے علاوہ میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے دست عطا سے صرف تعلیمی ادارے ہی متمتع نہیں ہوئے بلکہ آپ نے سیاسی جماعتوں کو بھی مالی امداد دی ہے"

جناب صدر نے اپنے خطبہ صدارت کے دوران ارشاد فرمایا کہ

" ابتدائی تعلیم کا کوئی پروگرام اس وقت تک قابل اطمینان اور واقعی طور پر سود مند نہیں سمجھا جائے گا جب تک اس میں اخلاقی تربیت بھی شامل نہ ہو جس طرح ابتدائی تعلیم سنگ اساس ہے اعلیٰ تعلیم کا اسی طرح بچپن کی اخلاقی تربیت، عمدہ سیرت وخصائل کی بنیاد ہے۔ بہترین کیرکٹر کی تعمیر اسی عمر میں ہوتی ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ بچپن ہی میں بچوں کی اخلاقی تربیت کا انتظام کریں۔

" ترقی یافتہ قومیں اپنے بچوں کو ابتدا ہی میں ایسی تربیت دیتی ہیں کہ وہ زندگی کی جنگ میں ثابت قدمی اور حوصلہ مندی سے حصے لے سکیں۔ اسی اعلیٰ تربیت کا یہ اثر ہے کہ یہ بچے بڑے ہو کر ایسے کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں جو ان کی قوم کی شہرت اور سربلندی کا باعث ہوتے ہیں۔"

" ثانوی تعلیم درحقیقت درمیانی کڑی یا سیڑھی ہے جو ہمیں اعلیٰ تعلیم تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

اس لئے اس کو ہماری ضروریات اور جدید پیدا شدہ حالات کے مطابق ہونا چاہیئے۔"

" اعلیٰ تعلیم کی ہمیں اس لئے ضرورت ہے کہ وہ اعلیٰ ہے۔ موجودہ عہد کے نازک و پیچیدہ سیاسی و اقتصادی مسائل کا سمجھنا، مالیات میں بصیرت حاصل کرنا اور ترقی یافتہ ممالک کی طرح امور ملکی کا انجام دینا بغیر اعلےٰ تعلیم اور وسیع واقفیت کے ممکن نہیں۔ کوئی قوم اس وقت تک ترقی یافتہ اور مہذب و شائستہ نہیں کہی جا سکتی جب تک اس میں ہر قسم کے ارباب کمال اور صاحب ہنر اشخاص موجود نہ ہوں اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اعلےٰ تعلیم کے ہر شعبے

میں اپنے نوجوانوں کو بھیجیں"

"ہم لڑکیوں کے لئے بہترین تعلیم کا انتظام کریں تاکہ وہ آنے والی نسلوں یعنی اپنے بچوں کو بھی عمدہ طریقہ سے تربیت دے سکیں اور یہ ظاہر ہے کہ بچوں کی عمدہ تربیت ہی قومی ترقی کا واحد ذریعہ ہے۔ عورت کے فرائض اور ضروریات مرد سے مختلف ہیں اس لئے یہ قدرتی بات ہے کہ ان کی تعلیم بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوگی اور اگر ہم اس فطری اختلاف کو نظر انداز کر کے غلط راستہ اختیار کریں گے تو یہ فطرت سے ایک قسم کی جنگ ہوگی جس کا نتیجہ ظاہر ہے۔"

صدر نے آخر میں ارشاد فرمایا

"اگرچہ ہندوستان کے سب صوبوں کی مادری زبان اُردو نہیں ہے لیکن وہ ہندوستان کے ہر صوبہ میں سمجھی اور بولی جاتی ہے اس لئے تھوڑی سی کوشش سے وہ ہندوستان کی عام زبان بن سکتی ہے۔

"جن صوبوں کے بھائیوں کی مادری زبان اُردو ہے انھیں دوسرے صوبوں مثلاً مدراس یا بنگال کے بھائیوں کی اُردو پر ہنسنا نہیں چاہیئے بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے کہ باوجود یکہ ان کی مادری زبان اُردو نہیں ہے لیکن وہ دوسرے صوبوں کے بھائیوں کی خاطر اس کے سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مجھے اپنے عزیز تعلیم یافتہ نوجوانوں سے شکایت ہے کہ وہ اُردو کی اشاعت و ترقی کے لئے کافی کوشش نہیں کرتے اور ان میں بہت کم ایسے ہیں جو اُردو کی خدمت میں مصروف ہوں۔ البتہ پنجاب کے نوجوان نسبتاً اُردو کی زیادہ خدمت کر رہے ہیں جس سے مجھے مسرت ہوتی ہے۔"

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیوشن پاس ہوئے

۱۔ جس طرح زمانہ ماضی میں اس کانفرنس نے عین ضرورت کے وقت عام تعلیم میں مسلمانوں کی امداد و رہنمائی کی ہے اب ہم مسلمان چونکہ صنعتی تعلیم میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں اس لئے درخواست ہے کہ یہ کانفرنس صنعتی تعلیم کی اشاعت میں اپنی تمام کوششوں کو کام میں لائے۔

۲۔ بحالت موجودہ جبکہ معاشی پیچیدگیوں کی بدولت تعلیم یافتہ طبقوں میں بیکاری پھیل رہی ہے مفلسی بڑھ رہی ہے سخت ضرورت ہے کہ مسلم نوجوان نجاری اور خیاطی جیسے بہت سے مفید پیشوں کی جدید فنی مہارت حاصل کریں۔ اور بلا تامّل ان پیشوں میں شریک ہو کر معاش پیدا کریں۔ اسلامی تعلیم کے ماتحت پیشے شرافت سے متحد ہوتے ہیں جن پیشوں سے اکل حلال حاصل ہو وہ سب پیشے مسلم نوجوان اختیار کر سکتے ہیں اور ضرور اختیار کریں۔

۳۔ معاشرتی تقریبات جو شادی و غم کے موقعوں پر رسم و رواج کے تحت منائی جاتی ہیں ان میں بالعموم اسراف سے کام لیا جاتا ہے قرضہ لے کر اور اثاثہ کھو کر یہ کام انجام دیا جاتا ہے لہٰذا سخت ضرورت ہے کہ معاشرتی تقریبات میں اصلاح کی جائے خاص کر خوش حال طبقہ کی طرف سے اصلاح کی عملی مثال پیش کی جائے"

۴۔ اس کانفرنس کی رائے میں ہندوستان کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ عربی زبان کی تعلیم کے تحفّظ اور نشر و تشویق کی مسلسل و مستقل کوشش کرتے رہیں۔

اشعار

جو نواب سی عبدالحکیم صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت کے درمیان پڑھے۔

ہیں چرخ کی اب نئی ادائیں
چلنے لگیں اور ہی ہوائیں

چھیڑے جو گئے نئے فسانے
نغمہ وہ رہا نہ وہ ترانے

پھونکا ہے فلک نے اور افسوں
اب رنگ زمانہ ہے دگرگوں

سیّارے ہیں اب نئی چمک کے
وہ ٹھاٹھ بدل گئے فلک کے

اب صورت ملک و دیں نئی ہے
افلاک نئے زمیں نئی ہے

وہ بزم رہی نہ جام و ساغر
اک بار اُلٹ گیا وہ دفتر

اشعار مولانا شبلی مرحوم

جو اجلاس کانفرنس ۱۹۰۳ء میں بمقام علی گڑھ پڑھے گئے:۔

تدبیر مرض کی جستجو تھی
ہر بزم میں اب یہ گفتگو تھی

یعنی روش علاج کیا ہو
بیمار کو کس طرح شفا ہو

یہ قوم کی بیکسی تو جائے
یعنی یہ مریض جی تو جائے

تھی بس کہ ہر ایک کو یہی فکر
برسوں یہی بحث تھی یہی ذکر

ہر بزم میں تذکرہ یہی تھا
ہر شخص کا مشغلہ یہی تھا

دانش طلبانِ نکتہ داں نے
عیسیٰ نفسانِ خوش بیاں نے

ترتیب دیئے بکاوش وکد
بتّیس رسالہائے مفرد

لکھے بدلائل و براہیں
اس بحث پہ مختلف مضامیں

وہ نکتہ درِ حقیقت آگاہ
یعنی مہدی علیؔ ذی جاہ

سیّد اشرف علی ممتاز
مشتاق حسین نکتہ پرداز

اُن کے قلمِ گہر فشاں نے
آئین گزارش بیاں نے

آسان کر دی ہر ایک مشکل — ناطے شدہ رہ گئی یہ منزل
جو بحث تھی دل نشین کی تھی — ہر بات کی چھان بین کی تھی

تدبیر کی صورتیں بتائیں — جو جو تھیں ضرورتیں بتائیں
القصہ یہ بات کی تھی تسلیم — یعنے کہ علوم نو کی تعلیم
تدبیر شفا جو ہے تو یہ ہے — اس دُکھ کی دوا جو ہے تو یہ ہے
تقویم کہن سے ہاتھ اُٹھائیں — تہذیب کے دائرہ میں آئیں
سیکھیں وہ مطالب نو آئیں — یورپ میں جو ہو رہے ہیں تلقیں

قائم ہو باتفاق باہم
ایک مدرستہ العلوم اعظم

رضا علی وحشت، پروفیسر قمر صدیقی

پچاسواں سالانہ اجلاس منعقدہ کلکتہ ۱۹۳۹ء

کانفرنس کا پچاسواں سالانہ اجلاس بمقام کلکتہ ۱۹۳۹ء میں منعقد ہوا۔ نواب کمال یار جنگ بہادر اس اجلاس کے صدر منتخب ہوئے۔

اس اجلاس کا انعقاد جناب آنریبل مولوی ابوالقاسم فضل الحق صاحب کی مساعی جمیلہ کی بنا پر ہوا۔ مولوی صاحب مرحوم اس وقت وزیراعظم بنگال کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے۔ ان کی تحریک پر ایک جلسہ مسلم انسٹی ٹیوٹ کلکتہ میں منعقد کیا گیا جس میں تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے مقامی حضرات شریک ہوئے۔ اس جلسہ میں مجلس استقبالیہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ آنریبل مولوی ابوالقاسم فضل الحق صاحب استقبالیہ کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے اور آنریبل حسین شہید سہروردی مرحوم جو اس وقت حکومت بنگال میں وزیر تھے استقبالیہ کمیٹی کے جنرل سکرٹری مقرر کئے گئے۔

مہمانوں کے قیام کا انتظام "مدرسہ عالیہ کلکتہ کی وسیع عمارت میں کیا گیا تھا۔ مولوی محمد امین صاحب تاجر و رئیس کلکتہ کا وسیع محل بھی مہمان خانہ کے طور پر کام میں لایا گیا۔ اجلاس کے لئے ایک نہایت وسیع پنڈال محمد علی پارک میں تیار کیا گیا تھا جس میں ہزاروں مہمانوں کی نشست کا انتظام تھا لیکن یہ پنڈال غیر ضروری زیبائش سے پاک تھا۔ اس کی سادگی بھی اپنے اندر ایک خاص نوعیت کی دلکشی رکھتی تھی۔

اجلاس کے صدر نواب کمال یار جنگ بہادر ۱۵ ر صفر ۱۳۱۲ھ میں

حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے ان کے والد نواب میر اسد اللہ خاں بہادر وہاں کے قدیم نامور امراء میں سے تھے۔ کمال یار جنگ کی تعلیم کے لئے ممتاز اساتذہ مقرر ہوئے۔ انھوں نے عربی و فارسی کی مروجہ تعلیم حاصل کی پھر انگریزی کی تحصیل کی۔ اُردو فارسی اور انگریزی زبان میں تقریر و تحریر کا ملکہ حاصل کیا۔ حیدرآباد حکومت کے معزز عہدوں پر سرفراز رہے۔

نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا۔

"نواب کمال یار جنگ بہادر حیدرآباد کے اس حلقہ امراء سے تعلق رکھتے ہیں جو زمانۂ گزشتہ میں سیف و قلم دونوں کا مالک رہا ہے آپ کے اجداد اکبر کے زمانے میں ہندوستان آئے احمد شاہ کے زمانے میں خانخاناں اور نظام الامراء کے خطابات عطا ہوئے اس کے بعد یہ خاندان حیدرآباد میں منتقل ہو گیا۔ لیکن اس موقع پر میں پرانی تاریخ کا اعادہ کرنا نہیں چاہتا نواب صاحب کے والد نواب خانخاناں مرحوم کو میں نے حیدرآباد میں دیکھا تھا نواب صاحب مرحوم بہت علم دوست تھے اور فن خطاطی میں انھوں نے مشہور کاتب عماد حسنی کی تقلید کی تھی"

اس کے بعد آنریبل ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان نے فرمایا

"علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو اس کا فخر ہے کہ نواب کمال یار جنگ بہادر اس کے اولڈ بوائے ہیں اور علی گڑھ کے اولڈ بوائز میں جو ممتاز ہستیاں ہیں ان میں سے آپ بھی ہیں۔ حیدرآباد جانے والوں سے معلوم ہوا ہے کہ آپ یہاں کے معاملات سے اب بھی دلچسپی لیتے رہتے ہیں اور آپ نے آفتاب ہوسٹل کی تعمیر میں مالی امداد بھی دی تھی۔ آپ علم دوست اور تعلیم کے حامی ہیں

اس لئے مجھے امید ہے کہ کانفرنس کے اجلاس کے لئے آپ کی صدارت نہایت موزوں ہوگی"۔ جنوری ۱۹۴۴ئہ میں نواب کمال یار جنگ کا انتقال ہوا۔

اس اجلاس کا خطبہ صدارت بہت مختصر تھا مگر اس اختصار کے باوجود جامعیت اور معنویت کے لحاظ سے خاص امتیاز کا حامل تھا۔

نواب کمال یار جنگ نے ارشاد فرمایا

"جیسا کہ ہر مسلمان جانتا ہے اسلام محض ایک جذبہ کا نام نہیں اور نہ یہ ایک ایسی مجرّد خصوصیت ہے جو کسی فرد کی خانگی زندگی تک محدود رہے۔ یہ درحقیقت اجتماعی زندگی کا ایک طریقہ ہے اور اس کو ہر نظام تعلیم میں جگہ ملنی چاہیئے جو ہمارے بچوں کے لئے مرتب کیا جائے۔ ڈاکٹر سید عبداللطیف کے الفاظ میں

"اسلام کا مقصد ایک ایسا اجتماعی نظام قائم کرنا ہے جو زندگی کے دو بنیادی حقائق پر زور دیتا ہو ایک جس کو میں حرکت حیات کے نام سے تعبیر کرتا ہوں اور دوسرا وحدت حیات۔ اور یہ دونوں ایسے لائحہ عمل کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کو "شریعت" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آپ اس "شریعت" کو "قانون" اسلام بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس قانون اور اس لائحۂ عمل کے حدود کے اندر ایک مسلمان کو زندگی بسر کرنی پڑتی ہے یہ حدود دراصل تنگ نہیں ہیں جیسا کہ وہ ہماری موجودہ جہالت اور انحطاط کی حالت میں نظر آتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں واقعات کی رفتار نے بارہا ثابت کر دیا ہے کہ جس حد تک زندگی کے یہ دو بنیادی حقائق حرکت و وحدت پیش نظر رکھے گئے اس حد تک شریعت اسلام اپنے پیروؤں میں زندگی اور قوت پیدا کرتی رہی"۔

"ہر نظام تعلیم میں جو مسلمانوں کے لئے تشکیل دیا جائے دو ابتدائی مقاصد

پیش نظر رہنے چاہئیں۔

(۱) اسلامی تہذیب کی امتیازی خصوصیات کا تحفظ

(۲) اسلامی نظام اجتماعی کا استحکام

"متذکرہ صدر مقاصد کے حصول کے لئے ایک نظام تعلیم تشکیل دینے کا کام ماہرین کی ایک جماعت کے سپرد کیا جانا چاہیئے۔

"ہندوستان میں مسلمانوں کی تعلیم کا مسئلہ خالص تعلیمی مسئلہ نہیں ہے۔ اگر آپ اس مسئلہ پر مسلمانوں کی موجودہ زندگی کے پس منظر میں غور کریں تو یہ مسئلہ بجائے تعلیمی یا سیاسی ہونے کے زیادہ تر معاشی نظر آئے گا کیونکہ وہ تعلیم ناقص ہے جو ہم میں سے فلاکت زدہ افراد کی معاشی ترقی میں معاون ثابت نہ ہو — پس یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے معاشی ذرائع کے استحکام اور اپنے خیرات اور اوقاف کے مسئلہ پر توجہ کریں تاکہ ان کو عامۃ المسلمین کی فلاح و بہبود کے لئے کام میں لایا جاسکے۔ آپ ملک کے مختلف حصوں میں مختلف اوقاف پائیں گے جو قانون بیت المال کی غلط تعبیر کی وجہ سے یا تو مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے ہیں یا ان کو حکومت نے ضبط کر لیا ہے۔ اور جہاں کہیں بھی یہ اوقاف مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں ان کو دانشمندی سے استعمال نہیں کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ زکوٰۃ کو ہم نے بری طرح فراموش کر دیا ہے یہ ایک اولین فرض ہے جو اسلام امراء پر عائد کرتا ہے تاکہ غرباء ان کے ساتھ زندگی کے فوائد میں شریک رہیں اور احساس اتحاد و مساوات کا ثبوت دیں اگر ہم اسلام کے اس بنیادی حکم کے مطابق عمل کر سکیں تو مسلم عوام کی تعلیمی و معاشی اسکیموں کو کامیابی کے ساتھ چلانے کا مسئلہ بہت آسانی سے حل ہو جائے گا"

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیوشن پاس ہوئے۔

(۱) مسلمانان بنگال کی تعلیمی پس ماندگی کا لحاظ کرتے ہوئے یہ کانفرنس گورنمنٹ بنگال سے درخواست کرتی ہے کہ وہ ہونہار مسلم طلبہ کے لئے ہندوستان میں اور ہندوستان سے باہر اعلیٰ تعلیم کے لئے ضروری آسانیاں اور دوسری سہولتیں بہم پہنچائے۔

(۲) یہ کانفرنس گورنمنٹ سے درخواست کرتی ہے کہ دیہاتی حلقوں میں اسکولوں کے نصاب میں زراعت کو اور شہری حلقوں کے عام نصاب تعلیم میں صنعت و حرفت کو داخل کیا جائے۔

(۳) یہ اجلاس حکومت ہند اور حکومت سرحد سے پر زور مطالبہ کرتا ہے کہ صوبہ سرحد میں علیحدہ یونیورسٹی قائم کی جائے۔

(۴) یہ کانفرنس سفارش کرتی ہے۔ کہ گورنمنٹ بنگال جلد از جلد کلکتہ میں آزاد طبیہ کالج قائم کرے

(۵) یہ کانفرنس گورنمنٹ بنگال پر زور دیتی ہے کہ وہ تمام گورنمنٹ اور امدادی اسکولوں میں اُردو کو بطور ثانوی تعلیم داخل کرنے کا فوری اور معقول انتظام کرے۔

(۶) چونکہ بنگلہ زبان کو عربی رسم الخط میں لکھنے کا رواج ایک صدی قبل بھی صوبہ بنگال کے مسلمانوں میں جاری تھا لیکن تغیر زمانہ نے اس کو ایک حد تک کالعدم کر دیا اور اس تغیر سے مسلمانان بنگال کی تعلیم و تمدن کو سخت نقصان پہنچا لہذا حکومت بنگال موجودہ رسم الخط کے ساتھ عربی رسم الخط کو بھی بنگلہ زبان کی تحریر کے لئے رواج دینے کی اجازت دے۔

خان بہادر رضا علی وحشت نے نواب کمال یار جنگ بہادر کے خیر مقدم میں

مندرجہ ذیل نظم پڑھی جو بہت دلچسپی سے سُنی گئی۔

نظم

آئے کمال یار جنگ سونق صد چمن لئے
ذات پُر از صفات میں فیض شہ دکن لئے

کانفرنس کیوں نہ ہو شمع ہدایت وطن
بہہ رہی ہے آج ملک میں نہر سخاوت دکن

رہبر ملک قوم ہیں آج کمال یار جنگ
ملک کے اور قوم کے تاج کمال یار جنگ

ساتھ کمال یار کے اور بھی ذی کمال ہیں
آپکے ہم جلیس ہیں آپکے ہم خیال ہیں

قوم کے اور ملک کے جمع یہاں ہیں رہنما
ملک ہے ان کا مقتدی ملک کے وہ ہیں مقتدا

غور طلب ہیں مسئلے جن پہ نظر ہے آپکی
سب کی ادھر ہی ہے نگاہ آج جدھر ہے آپکی

آپنے ہم کو سرفراز اپنے ورود سے کیا
فکر ہے کیسے شکریہ، آپ کا ہم کریں ادا

عرض کرینگے شوق دل نعرہ مرحبا سے ہم
آپکی تہنیت کا کام لیں گے فقط دعا سے ہم

اس اجلاس میں پروفیسر قمر صدیقی ایم اے نے مندرجہ ذیل قومی نظم پڑھی جو بہت پسند کی گئی۔

قومی نظم

خستگی میں پاس غم ہائے نہاں کرتے ہوئے
اور اس ضبط فغاں کا امتحاں کرتے ہوئے

اک زمانہ ہو گیا ضبط فغاں کرتے ہوئے
اور اس ضبط فغاں کا امتحاں کرتے ہوئے

پر نہیں نکلی کوئی صورت علاج درد کی
کالعدم دیکھی گئی تاثیر آہ سرد کی

حد سے افزوں ہو گئی ہر چند نکبت قوم کی
پر سوا ہوتی گئی ہر لحظہ غفلت قوم کی

کتنے ہی لوگوں نے جب دیکھی حالت قوم کی　　ہو گئے ہم سے الگ کہکر کہ قسمت قوم کی

جو ذرائع تھے ترقی کے مٹے وہ یک قلم

پر ہمیں دیکھو کہ ہوتے ہیں نہیں مایوس ہم

گو پریشانی بڑھی آشفتہ سامانی بڑھی　　کاہش جانی بڑھی تکلیف رُوحانی بڑھی

اور جنونِ غم فزا سے چاک دامانی بڑھی　　چاک دامانی بڑھی تو خانہ ویرانی بڑھی

اس پہ بھی تعمیرِ قومی سے نہ ہم غافل رہے

گو یہ ظاہر ہے تھکا رد دوری منزل رہے

متحد ہونے لگی ہر قوم طاقت کے لئے　　متفق ہونے لگا ہر ملک عظمت کیلئے

منتشر جو تھے وہ سمٹے ہیں محبت کے لئے　　اور ہم روتے ہیں پچھلی شان و شوکت کیلئے

شکوۂ جورِ فلک ہے اور عمل کوئی نہیں

سچ تو یہ ہے شیوہ ایسا مبتذل کوئی نہیں

کس لئے آہ و بکا و شیون و ماتم کریں　　کس لئے فریاد سے ہم انجمن برہم کریں

ہو چکی جو ہم سے غفلت اسکا اب کیا غم کریں　　آؤ اب سب مل کے یکجا کوشش پیہم کریں

لذتِ محنت سے جب دل آشنا ہو جائیگا

دورِ راحت اپنا دورِ ابتلا ہو جائے گا

ریگ میں ہم کو نظر آئے گی دولت کی بہار　　خاک میں ہم کو دکھائی دیگی ثروت کی بہار

یہ جو پستی ہے وہ بن جائیگی رفعت کی بہار　　یہ جو نکبت ہے وہ ہو جائیگی رحمت کی بہار

گل بداماں ہونگے ہم شاداب ہوگا یہ چمن

یہ چمن کہتے ہیں عرفِ عام میں جس کو وطن

مولوی محمد عبد الحمید خاں ایم۔ اے

باونواں سالانہ اجلاس منعقدہ علی گڑھ ۱۹۴۳ء

کانفرنس کا باونواں سالانہ اجلاس علی گڑھ میں زیر صدارت نواب ظہیر یار جنگ بہادر فروری ۱۹۴۳ء میں منعقد ہوا۔ علی گڑھ میں انعقاد کی وجہ یہ تھی کہ ان ہی دنوں میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا سالانہ کانووکیشن بھی منعقد ہو رہا تھا۔ اسٹریچی ہال میں صبح کی نشست میں کانووکیشن کا جلسہ ہوا اور سہ پہر کی نشست میں کانفرنس کا اجلاس ہوا جو نہایت کامیاب رہا۔

اجلاس میں شرکت کے لئے نواب کمال یار جنگ بہادر (ف جنوری ۱۹۴۴ء) نواب بہادر یار جنگ مرحوم اور حیدر آباد (دکن) کے دوسرے زعماء و اکابر تشریف لائے تھے اسی طرح ملک کے دوسرے صوبوں اور مرکزی مقامات سے بھی کافی تعداد میں اکابر ملت نے شرکت فرمائی۔ سندھ سے جناب پیر الہٰی بخش صاحب خاص طور سے شریک اجلاس ہوئے وہ اس زمانے میں صوبۂ سندھ کے وزیر تعلیم تھے۔

اس اجلاس میں مشہور "کمال یار جنگ ایجوکیشن کمیٹی" کی رپورٹ پیش ہوئی۔ یہ کمیٹی وار دھا اسکیم کے نتیجے میں اجلاس کلکتہ منعقدہ ۱۹۳۹ء میں مقرر کی گئی تھی) دوران اجلاس ایک رات صبح چار بجے تک بحث و مباحثہ ہوتا رہا اور بڑی گرما گرم بحثوں کے بعد رپورٹ منظور ہوئی۔

کانفرنس کے شعبہ نسواں کا اجلاس بھی بہت کامیاب رہا جس کی صدارت بیگم ظہیر یار جنگ بہادر نے فرمائی اس کی سکرٹری بیگم اعزاز رسول تھیں۔

نواب ظہیر یار جنگ بہادر کا خطبہ صدارت نہایت وقیع اور جامع تھا جس کو حاضرین نے بہت دلچسپی سے سُنا۔ نواب ظہیر یار جنگ نے انجینیرنگ کے ۱۶ سولہ طالب علموں کے لئے بیس بیس روپے کا وظیفہ مقرر فرمایا۔

نواب ظہیر یار جنگ بہادر ظہیر الدین خاں ولد نواب اعانت جنگ معین الدولہ نے پہلے نظام کالج میں تعلیم حاصل کی بعد ازاں (۱۳۴۳ ف) میں جامعہ عثمانیہ سے بی۔ اے کی ڈگری لی۔ امرائے پائگاہ میں وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے جامعہ عثمانیہ سے بی۔ اے کی ڈگری لی۔ انھوں نے تعلیم کے ساتھ فن سپہ گری و شہسواری وغیرہ کی بھی تعلیم حاصل کی۔ وہ نہایت ذہین، صاحب فہم و فراست، لائق و فائق اور مستقل مزاج نواب تھے انہوں نے امریکہ اور یورپ کا ۱۹۳۳ء میں سفر کیا اور مفصل و دلچسپ سفرنامہ مرتب فرمایا جو "سیاحت نامہ" کے عنوان سے شائع ہوچکا ہے۔ ۱۹۶۹ء میں ان کا انتقال ہُوا اس اجلاس میں مندرجہ ذیل خاص ریزولیوشن پاس ہوئے۔

۱۔ تمام اسلامی اسکولوں اور کالجوں میں مناسب صنعتی تعلیم کا معقول انتظام کیا جائے۔

۲۔ دہلی یونیورسٹی میں جملہ مضامین اُردو زبان میں پڑھائے جائیں اور اُردو زبان کی تعلیم کا معقول انتظام کیا جائے

۳۔ ریاست جے پور میں اردو کو سرکاری زبان کالعدم قرار دیئے جانے پر تشویش کا اظہار کیا گیا

مولوی محمد عبدالحمید خاں ایم۔ اے، استاد جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد دکن نے نواب ظہیر یار جنگ بہادر کی تشریف آوری کے موقع پر مندرجہ ذیل نظم پڑھی جو پسند کی گئی۔

بوئے مہر رفتگاں آید ہمی
یاد عہدِ باستاں آید ہمی
چوں ظہیر الدین خاں آید ہمی

اے علی گڑھ، ناز کن زاندازہ بیش
بر عروجِ بخت و بر اقبال خویش
وارثِ سر آسماں آید ہمی

مژدہ ات بادا کہ بہر دیدنت
وز پئے عزت و شرف بخشیدنت
صاحبِ طبل و نشاں آید ہمی

تا بگردی خرّم و تازہ زسر
تا بگیری رونق و زیب دگر
از دکن سروے چماں آید ہمی

یادگار دودۂ میر کبیر
ہمچو آبا علم و دانش را ظہیر
افتخارِ دودِ مان آید ہمی

گوہرِ تابانِ مجد و برتری
نیّرِ رخشانِ اوجِ سروری
با ہزاران عز و شاں آید ہمی

آصفِ ہفتم نظامِ دیں پناہ

برگزید اورا امیرِ پائگاہ
آں امیرِ نوجواں آید ہمی

بر نقوشِ پائے جدِّ خویشتن
سوے تو از حیدرآبادِ دکن
مہروَرز و مہرباں آید ہمی

کردہ دز ذاتِ گرامی ایں قِران
دولتین علم و زر، از بہرِ آن
درفشاں و زرفشاں آید ہمی

ہست چوں از جمع اصحابِ ہنر
صدرِ بہرِ بزمِ اربابِ ہنر
برگزیدندش، ازاں آید ہمی

ایں امیر ابنِ امیر ابنِ امیر
کو ز فضل و رحمتِ ربِّ قدیر
در علی گڑھ میہماں آید ہمی

شاد و خرّم باد تا اندر جہاں
در بہاراں عندلیب نغمہ خواں
(چوں حمید خوش بیاں) آید ہمی

دیگر

اگر خواہی دلا از رفعت و حشمت نشاں بینی
نگر در ایں امیر نوجواں، تا ایں ہماں بینی
بہ رفعت قدر او را ہمسر ہفت آسماں یابی
بہ حشمت بخت او را با سکندر ہمعناں بینی
بہ سیماے خوشش پیدا فروغِ بخت و فیروزی
بہ قلبِ صافیش گنج سعادت را نہاں بینی
خجل از نکہتِ خویش شمیمِ باد نوروزی
بہ نزہت روے خویش رشکِ باغ و بوستاں بینی
خجستہ گوہرش گنجینہ دارِ جوہرِ آبا
رموزِ "الولد سرٌ لابیہ" در وے عیاں بینی
چو بکشاید لب گفتار در بزمِ خرد منداں
ز بحرِ طبع او انہار دانش را رواں بینی
ہنرمندے، ہنرجوے، خرد پرور، خرد سنجے
از انش در علی گڑھ در میانِ بخرداں بینی
شنیدستی ز علم و حلم و فضل و بذل در گیتی
بیا تا جملہ اش را در ظہیر الدین خاں بینی
ز فیضِ لطف شاہِ جم حشم عثمان علی خانش
امیر بارگاہ دو وارثِ سر آسماں بینی
بہ مجلس آکہ در مسند امیرے نکتہ رس یابی
بہ پیشش مخلصِ دیریں حمید نکتہ راں بینی

مرقّعِ شعرا

فہرست

۱۔ ابر قدوائی
۲۔ احسان شاہجہانپوری
۳۔ آزاد عظیم آبادی
۴۔ اسمٰعیل میرٹھی
۵۔ اشہری، امجد علی
۶۔ اظہر رہتکی
۷۔ اقبال، علامہ
۸۔ برشتہ، فضل حسین
۹۔ بسمل بدایونی
۱۰۔ بے نظیر شاہ وارثی
۱۱۔ جوہر، مولانا محمد علی
۱۲۔ حاذق
۱۳۔ حالی، مولانا
۱۴۔ خلیق دہلوی
۱۵۔ داؤد امروہوی
۱۶۔ راضی
۱۷۔ رفعت علی
۱۸۔ سراج الدین، منشی
۱۹۔ سلیم پانی پتی
۲۰۔ سنجر طہرانی
۲۱۔ شبلی نعمانی
۲۲۔ شہرر کاکوروی
۲۳۔ شوق قدوائی
۲۴۔ صفی لکھنوی
۲۵۔ ظفر علی خاں
۲۶۔ غلام بشیر بدایونی
۲۷۔ قلیچ بیگ مرزا
۲۸۔ قمر بدایونی
۲۹۔ کمال الدین خواجہ
۳۰۔ محمود، سید
۳۱۔ مزمل اللہ خاں، نواب، سر
۳۲۔ ناظر، خوشی محمد
۳۳۔ نثار حسین، میر
۳۴۔ نذیر احمد، ڈپٹی
۳۵۔ نظامی بدایونی
۳۶۔ نیرنگ، غلام بھیک
۳۷۔ وحشت، رضا علی

ابر قدوائی

منشی واحد علی، ریاست رامپور کے مدار المہام کے پیشکار تھے۔ امیر مینائی کے نہایت خوش مذاق اور خوش کلام شاگرد تھے۔ وہ نہایت نازک خیال اور متین وسنجیدہ شاعر تھے۔ طرز بیان دلچسپ ہوتا تھا کوئی شعر لطافت و متانت سے خالی نہیں ہوتا تھا وہ موقع بموقع خوب الفاظ استعمال کرتے تھے۔

احسان شاہجہانپوری

منشی احسان علی خاں ولد منشی قاسم علی خاں شاہجہانپوری ۱۲۷۴ھ میں بمقام اوٹا ضلع بریلی میں پیدا ہوئے پھر ان کے والد شاہجہانپور میں سکونت پذیر ہو گئے وہیں انھوں نے تعلیم و تربیت پائی فن شاعری میں حافظ نثار احمد خاں نائب، میر ضامن علی جلال اور مرزا داغ سے استفادہ کیا۔ پہلے محکمہ بندوبست میں ملازم رہے پھر مختاری شروع کر دی ۱۸۹۶ء میں ایک گلدستہ " شبیہہ یار ارمغاں" جاری کیا ان کا کلام شعری عیوب واسقام سے پاک ہوتا ہے دیوان چھپ چکا ہے۔

آزاد حافظ فضل حق

شاہو بگہ (ضلع گیا) کے رہنے والے تھے ایک مدت تک عظیم آباد میں رہے، نہایت ذہین وطباع تھے۔ عربی، فارسی اور اردو میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ پرگو اور قادر الکلام شاعر تھے۔ نظم نگاری میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ شاد عظیم آبادی سے معاصرانہ چشمک رہتی تھی، علی حیدر نیر لکھتے ہیں

"فضل حق آزاد کا تعلق سرزمین بہار سے ہے آپ ایک معتبر اور بلند پایہ اہل قلم گزرے ہیں آپ نے اپنی جولائی طبع کا اظہار نظم و نثر دونوں اصناف میں کیا ہے یہ سرسید، شبلی اور حالی کے ہمعصر تھے اور ان سے بے حد خلوص رکھتے تھے۔

سرسید کی علی گڑھ تحریک کے سرگرم مؤیدین میں تھے اس تحریک کو فروغ بخشنے اور کامیاب بنانے کے لئے دامے درمے، قدمے، سخنے بہر طور مستعد رہے اس سلسلے میں آپ حالی اور شبلی کے ساتھ حیدر آباد دکن بھی گئے۔ جہاں علی گڑھ تحریک کے لئے چندہ کی فراہمی میں ہمہ تن مشغول رہے۔ آپ کی پوری زندگی علمی ادبی اور قومی مشاغل میں گزری" (فضل حق بحیثیت نظم نگار ص ۱)

شعبان ۱۳۶۲ھ (۱۹۴۲ء) میں ان کا انتقال ہوا۔

اسمٰعیل میرٹھی

مولوی محمد اسمٰعیل ۱۲ر نومبر ۱۸۴۴ء کو یوپی کے مشہور شہر میرٹھ میں پیدا ہوئے مروجہ عربی و فارسی تعلیم حاصل کی اور محکمۂ تعلیم میں ملازم ہو گئے۔ تمام عمر درس و تدریس تعلیم و تعلّم اور تصنیف و تالیف میں گزار دی۔ بچوں کے لئے آسان درسی کتابیں لکھیں۔ اردو نظم نگاری میں انھوں نے جدید رجحانات ظاہر کیے۔ یکم نومبر ۱۹۱۷ء کو میرٹھ میں ان کا انتقال ہوا۔ کلیات طبع ہو چکا ہے۔

اشہری

امجد علی ولد میر احمد علی خاں، ان کے والد اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ ۱۲۶۸ھ میں پیدا ہوئے، علوم مشرقی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ مشہور مضمون نگار، ادیب، شاعر اور مصنف تھے۔ شعر و شاعری کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ اودھ اخبار کے ایڈیٹر رہے۔ شروع میں سرسید احمد خاں کی تحریک کے مخالف تھے اور انھوں نے بعض رسائل و جرائد میں ان کے خلاف بڑے زور شور سے مضامین لکھے ۱۸۸۱ء میں بھوپال سے اشہری نے ایک ہفتہ وار اخبار "دبیر الملک" جاری کیا جو ان کے مطبع "امجد المطابع" میں طبع ہوتا تھا وہاں

وہ محکمہ اپیل میں ملازم تھے تقریباً چوتھائی صدی تک انتھری صاحب بھوپال میں رہے وہ دوم مرتبہ حیدرآباد دکن گئے اور دونوں مرتبہ انعام سے سرفراز ہوئے۔ ۱۹۰۳ء میں لاہور گئے اور دو سال تک پیسہ اخبار میں کام کیا پھر وطن چلے گئے اور وہیں ۲۸ رمئی ۱۹۱۰ء کو ان کا انتقال ہوا۔

حدیقۂ شاہجہانی۔ گلدستہ سلطانی، ترانۂ معرفت، ایشیائی شاعری گلدستہ اردو، دیہیم خسروی، لغات النخواتین، مرقع تاجپوشی، حیات نور جہاں اور تاریخ اردو وغیرہ متعدد کتابوں کے مؤلف و مصنف تھے۔

اظہر ضمیرالدین رہتکی

ان کے والد ڈاکٹر ظہورالدین (ف ۱۹۱۳ء) فوج میں ڈاکٹر رہے، ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد رہتک میں پریکٹس کرتے تھے دیندار آدمی تھے ان کی ایک کتاب "آرائش دارین" ہے شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا ظہور تخلص کرتے تھے، ضمیرالدین ۱۸۷۶ء میں رہتک میں پیدا ہوئے۔ مروجہ تعلیم حاصل کی۔ ریاست بھرت پور میں داروغۂ جنگلات تھے پھر رہتک میں میونسپل لائبریرین ہو گئے، شاعری سے شغف تھا اظہر تخلص کرتے تھے اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ افسانے بھی لکھتے تھے انھوں نے ایک ناول "وفادار بیوی" لکھا۔ ۱۹۵۳ء میں ملتان میں وفات ہوئی۔

اقبال

شاعر مشرق، ترجمان حقیقت، ڈاکٹر محمد اقبال جدید تحقیق کے مطابق ۹ر نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے، ان کے آبا و اجداد کشمیری پنڈت تھے۔ ایم اے پاس کرنے کے بعد وہ اورینٹل کالج میں پروفیسر ہو گئے۔ ۱۹۰۵ء میں یورپ گئے جرمنی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ ۱۹۰۸ء

میں واپس ہوئے۔ بیرسٹری شروع کی۔ ملت اسلامیہ کی گرانقدر خدمات انجام دیں مسلمانوں کی بیداری میں علامہ اقبال کی شاعری کا بڑا حصّہ ہے۔ ۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء کو ان کا انتقال ہوا۔ شاہی مسجد لاہور کے متصل دفن ہوئے۔ بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم، اسرار خودی، رموز بیخودی، پیام مشرق جاوید نامہ اور ارمغان حجاز وغیرہ ان کی مشہور و معروف تخلیقات ہیں

برشتہ

منشی فضل حسین برشتہ کا قلمی دیوان شریک مرتب محمد ایوب قادری کے کتب خانے میں موجود ہے۔ کلام لکھنوی انداز کا اوسط درجہ کا ہے۔ برشتہ کے تفصیلی حالات نہیں ملتے غالبًا دہلی کے قدیم باشندے تھے۔ مرزا قادر بخش صابر گورگانی مؤلف تذکرہ گلستان سخن اور خدا بخش تنویر کے شاگرد تھے۔ انھوں نے اپنے دیوان میں بعض یادداشتیں بھی لکھ رکھی ہیں اور اکثر غزلیات سے متعلق یہ صراحت کی ہے کہ کب، کہاں اور کس شخص کے یہاں مشاعرے میں وہ غزل پڑھی گئی، اندازہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ مرادآباد میں متوطن ہو گئے تھے۔ کیونکہ انھوں نے اپنا دیوان مرادآباد ہی میں مرتب کیا ہے اور تاریخ اختتام ۹ر جون ۱۸۹۹ء ہے غالبًا وہ محکمہ پولیس میں ملازم تھے اور انھوں نے ایک کتاب "تذکرہ پولیس" کے عنوان سے بھی لکھی ہے جو طبع ہو چکی ہے

برشتہ کو تاریخ گوئی کا بھی ملکہ تھا۔ انھوں نے اکثر واقعات کے متعلق تاریخیں بھی لکھی ہیں جو ان کے دیوان کے آخر میں شامل ہیں۔ دو تاریخیں مرزا غالب دہلوی کے انتقال پر لکھی ہیں۔ آخر میں نواب صاحب دوجانہ کے ملازم ہو گئے تھے۔ اور ان کے کلام پر اصلاح دیتے تھے۔

بسمل

خاں بہادر مولوی حاجی رضی الدین بسمل وکیل و آنریری مجسٹریٹ ولد حکیم سعید الدین المتخلص بہ کامل و سعید، فرشوری خاندان کے رکن تھے۔ ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۶۴ھ کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ فارسی و عربی کی مروجہ تعلیم حاصل کی۔ شعر و شاعری میں مولوی نظام الدین ناطق بدایونی کی شاگردی اختیار کی۔ اپنے والد سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔ کبھی کبھی مذاق میاں بدایونی سے بھی اصلاح لیتے تھے۔ ۱۸۶۹ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا، مدتوں شاہجہانپور میں وکالت کی۔ مولوی صاحب علی گڑھ تحریک سے متاثر تھے انہوں نے اپنے چاروں صاحبزادوں کو انگریزی کی اعلیٰ تعلیم دلائی جن میں مولوی فصیح الدین خاص شہرت کے مالک ہوئے۔ مولوی رضی الدین قومی کاموں میں بھی حصہ لیتے تھے بدایوں کے اسلامیہ ہائی اسکول کے قیام میں انھوں نے بہت کوشش کی۔ تاریخ کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے (۱) انساب شیوخ فرشوری بدایوں (فرشوری خاندان کا نسب نامہ (۲) تذکرۃ الواصلین (اولیائے بدایوں کا تذکرہ) (۳) کنز التاریخ (تاریخ بدایوں) ان کی تالیفات سے مطبوع و معروف ہیں ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۵ء میں مولوی رضی الدین بسمل کا انتقال ہوا۔

بے نظیر وارثی

محمد بے نظیر شاہ وارثی ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء میں کٹرہ مانک پور ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ مروجہ عربی و فارسی کی تحصیل کی اور علوم متداولہ میں فاضل یگانہ ہوئے۔ بقدر ضرورت انگریزی زبان کی تحصیل کی۔ علم طب کی بھی تحصیل کی۔ جدید نباتات کی تحقیق کا ان کو خاصا شوق رہا۔ سیر و سیاحت میں مصروف رہے۔ حیدرآباد دکن میں بہت مدت تک قیام رہا۔ شعر و شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے، اردو غزل میں

دحیدالہ آبادی سے مشورہ لیتے تھے۔ قصیدہ اور مثنوی میں منشی امیر احمد مینائی سے اصلاح لیتے تھے۔ نظم نگاری میں بھی ان کو خوب ملکہ تھا ۱۸۹۵ء میں ایک سفر کے دوران میں اُن کا مجموعہ کلام ضائع ہوگیا ان کی ایک مثنوی الکلام ۱۳۱۸ھ میں مطبع نولکشور سے طبع ہوئی جس میں جابجا مناظر قدرت۔ اور صحیح جذبات کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ شاہ وارث علی ساکن دیوہ کے سلسلے میں بیعت تھے۔

جوہر، محمد علی

مولانا محمد علی جوہر ۱۸۷۸ء میں رام پور (یو۔پی) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا بچپن میں انتقال ہوگیا تھا لہٰذا والدہ کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت پائی بریلی اور علی گڈھ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آکسفورڈ پہنچے۔ وہاں سے واپس آنے کے بعد ملازمت کی۔ پھر جلد ہی صحافتی دنیا میں آگئے۔ کامریڈ اور ہمدرد جاری کئے جن کی دھوم مچ گئی، تحریک خلافت، جامعہ ملیہ اور ترک موالات کو کامیاب بنایا۔ ملک میں تحریک آزادی کو مقبول بنایا۔ فرنگی کے نام سے لوگوں کو نفرت دلائی۔ انگریزی اقتدار کی جڑیں ہلادیں۔ قید و بند کے شدائد جھیلے۔ گول میز کانفرنس میں شرکت کی غرض سے لندن گئے کہ ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو وہیں انتقال ہوا۔ بیت المقدس میں دفن ہوئے انگریزی کے بہترین انشاپرداز تھے۔ اُردو میں جوہر تخلص کرتے تھے ان کا مجموعۂ کلام "گنجینۂ جوہر" شائع ہوچکا ہے۔

حاذق سہارنپوری

محمد حاذق، ایم۔ اے سہارنپور کے رہنے والے تھے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبہ فارسی میں اُستاد مقرر ہوئے۔ اچھے شاعر تھے تحت اللفظ خوب پڑھتے تھے۔ انتظامی امور خاص طور سے طلبہ کی اقامتی زندگی سے متعلقہ کاموں میں

بہت دلچسپی لیتے تھے اور ان امور میں مہارت بھی رکھتے تھے اس صلاحیت کی بنا پر دہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد کی وائس چانسلری کے زمانے میں کئی سال تک ڈائننگ ہال کے انچارج رہے اور اس خدمت کو خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی وہیں ملازم رہے اور وہیں مارچ ۱۹۷۰ء میں ان کا انتقال ہوا مسلم یونیورسٹی کی تقریبات میں خیر مقدمی نظمیں اور قصیدے خوب لکھتے اور پڑھتے تھے بڑی سجیلی شخصیت کے مالک تھے۔

حالی

خواجہ الطاف حسین نام حالی تخلص، ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی کی مروّجہ تعلیم حاصل کی۔ فن شاعری میں غالب و شیفتہ سے استفادہ کیا، پہلے پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو میں ملازم رہے پھر دہلی کے اینگلو عربک اسکول میں مدرس ہوئے۔ نوکری چھوڑنے کے بعد ساری عمر تصنیف و تالیف میں گزار دی۔ مسدس "مد و جزر اسلام" ان کی شاہکار نظم ہے اُردو میں تنقید نگاری، سوانح نگاری اور نظم نگاری میں ان کو اوّلیت حاصل ہے۔ سر سید احمد خاں کی علی گڑھ تحریک ______ کے خاص رکن تھے۔ ۳۱ر دسمبر ۱۹۱۴ء کو ان کا انتقال ہوا۔ حیات جاوید، یادگار غالب حیات سعدی، مقدمہ شعر و شاعری اور دیوان حالی ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

خلیق دہلوی

عبد الخالق دہلوی۔ دہلی کے قدیم باشندے تھے۔ حسب ضرورت تعلیم پائی تھی۔ تجارت ذریعہ معاش تھا۔ ان کی طبیعت میں شعر و شاعری کا فطری ذوق تھا بڑے مسکین طبع، نیک اور سیدھے سادے تھے۔ خطیب، نظام المشائخ اور ا

زمانے کے دوسرے رسالوں میں ان کا کلام شائع ہوتا تھا، ملا واحدی اور خواجہ حسن نظامی کی مجلسوں میں باریاب تھے۔ ایک روز نماز ادا کرکے جامع مسجد دہلی سے نکل رہے تھے کہ مسجد کی سیڑھیوں سے گرے اور اعلیٰ علیین کی راہ لی۔ عمر پینتالیس سال کے قریب ہوئی۔

داؤد امروہوی

محمد داؤد عباسی ولد علی محمد عباسی وکیل، ۲۰ رمضان ۱۲۸۰ھ مطابق ۲۹ مئی ۱۸۶۲ء کو امروہہ میں پیدا ہوئے۔ شروع میں مروجہ عربی و فارسی کی تحصیل کی پھر علی گڑھ کالج میں تعلیم حاصل کی کالج کے ممتاز طلبہ میں تھے۔ وہیں سے بی۔ اے کی ڈگری لی تکمیل کے بعد دو سال تک علی گڑھ کالجیٹ اسکول میں ٹیچر رہے، ۱۸۹۳ء میں سرکاری ملازمت میں منسلک ہوگئے نائب تحصیلدار رہے۔ ۲۷ جون ۱۹۰۰ء کو فتح آباد (ضلع آگرہ) میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے اکثر نظمیں دوست احباب کی تفریح کے لئے لکھیں قدیم و جدید دونوں شاہراہوں کے سالک تھے۔ مولانا حالی کے اکثر اشعار کو تضمین کیا ہے۔ بلا کے ذہین و ذکی تھے اگر عمر وفا کرتی تو فن شاعری میں نام آور ہوتے۔ ظرافت و ذہانت ان کا حصہ تھی۔ علی گڈھ میں کاندھلے سے جو طلبہ آتے تھے وہ "فارغ البال" ہوتے تھے ان کے سلسلہ میں فرماتے ہیں ؎

آتا ہے کاندھلے سے جو لاتا ہے سر پہ گنج
قارون نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

حالی کے مشہور شعر کی تضمین ملاحظہ ہو

گر کرے قصد کسی کام کا دل میں انساں — پہلے یہ دیکھے وہ اس کام کے ہے بھی شایاں
نکلے لوگوں سے وہ آئے تھے یہ دآؤد کے ہاں — ان کو خالی بھی بلاتے ہیں گھر میں مہماں
دیکھنا آپ کی اور آپکے گھر کی صورت

راضی مارہرہ

محمد راضی منشی، مارہرہ کے کنبوہ خاندان کے ممتاز رکن تھے۔ انھوں نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ اٹاوہ میں گزارا۔ مولوی بشیر الدین مرحوم ایڈیٹر البشیر سے ایسے قریبی اور گہرے دوستانہ تعلقات تھے کہ دونوں میں روزانہ ملاقات ہونی ضروری تھی۔ اٹاوہ میں مختار رہے۔ ان کو اپنے پیشے سے زیادہ دلچسپی شعر و ادب سے تھی نہایت خوش اخلاق، وضعدار اور پر وقار شخص تھے آخر عمر میں مارہرہ آ گئے تھے تقسیم ہند سے قبل مارہرہ میں لاولد فوت ہوئے۔

رفعت شاہجہانپوری

شیخ رفعت علی، اصل باشندے شاہجہاں پور کے تھے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ان کے والد شیخ امیر علی پیلی بھیت میں تحصیلدار تھے اور انھوں نے انگریزوں کی خدمات انجام دیں، اور انعام سے سرفراز ہوئے سر سید احمد خاں نے لائل محمڈنس آف انڈیا میں ان کا ذکر کیا ہے۔ رفعت علی پیلی بھیت میں پیدا ہوئے ابتدائی درسی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں تکملہ ایک ایرانی سے کیا۔ شاعری کے بہت دلدادہ تھے آغا کمال الدین سنجر سے اصلاح لیتے تھے۔ اُن کے کتب خانہ میں نادر قلمی کتابیں تھیں۔ دیوان مکمل ہو گیا تھا ایک مجموعہ نثر بھی تھا مگر یہ چیزیں طبع نہ ہو سکیں۔ گورنمنٹ ملازم رہے تحصیلدار ہو گئے تھے نہایت رنگین مزاج، زندہ دل اور مہماں نواز تھے۔ شاہجہانپور میں کچھ عرصہ آنریری مجسٹریٹ بھی رہے۔ ۷ رجولائی ۱۹۰۰ء کو شاہجہانپور میں انتقال ہوا۔

سراج الدین

راجپوت خاندان کے چشم و چراغ تھے ان کے والد کرم الٰہی خاں مشن اسکول سیالکوٹ میں صدر مدرس تھے۔ اپنے والد سے اُردو و فارسی کی تحصیل کی بقدر ضرورت انگریزی پڑھی کچھ دنوں پونچھ کے راجا کے اتالیق رہے پھر ریاست جموں میں محکمۂ ڈاک و تار میں ملازم ہو گئے اور اس محکمہ کی حسب ضرورت اصلاح کی منشی سراج الدین نے سرکاری ملازمت سے سبک دوشی کے بعد ۱۹۰۳ء میں زمیندار اخبار جاری کیا۔ شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے انھوں نے گلزار نسیم کو بقدر نصف فارسی میں نظم کیا۔ علی گڑھ تحریک کے زبردست حامی تھے۔ تہذیب الاخلاق میں بھی مضامین لکھا کرتے تھے۔ ۹ رنومبر ۱۹۰۹ء کو ان کا انتقال ہوا۔ ان کے چھ صاحبزادے ظفر علی خاں، حمید احمد خاں، حامد علی خاں، محمود احمد خاں، چودھری غلام حیدر خاں، محمد اکبر خاں تھے۔ اوّل الذکر تینوں حضرات کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

سلیم پانی پتی

مولوی وحید الدین ۱۸۶۹ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد عربی و فارسی کی اعلیٰ تعلیم لاہور میں حاصل کی۔ پھر سر سید احمد خاں کے لٹریری سکریٹری مقرر ہوئے، ۱۸۹۹ء میں انھوں نے علی گڑھ سے ایک ماہنامہ بہ شراکت نواب محمد اسمٰعیل خاں رئیس دتاؤلی جاری کیا جو علمی و ادبی حلقوں میں خاص طور سے پسند کیا گیا، کچھ عرصے وہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ کے ایڈیٹر بھی رہے۔ آخر میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن میں اُردو کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ سلیم پانی پتی بے نظیر فاضل، زبردست ادیب اعلیٰ درجے کے شاعر اور ماہر لسانیات تھے ۲۹ رجولائی ۱۹۲۸ء کو وحید الدین

سلیم کا انتقال ہوا۔

سنجر طہرانی

کمال الدین سنجر، طہران (ایران) کے ایک باحیثیت اور معزز خاندان کے رکن تھے ان کے خاندان کے ارکان دربار رس تھے شاہ ناصر الدین قاچار (ف ۱۸۹۶ء) کا زمانہ تھا۔ سنجر اور ان کی بہن رخشندہ بیگم بھی حضور رس تھیں۔

خدا جانے ان دونوں بہن اور بھائی پر کیا افتاد پڑی کہ شاہ قاچار کے زمانہ میں یہ دونوں وطن سے نکل کھڑے ہوئے۔ بعد از بربادی و پریشانی ہندستان پہنچے اور نواب شاہجہاں بیگم کے زمانے میں بھوپال میں مقیم ہوئے اور انیسویں صدی عیسوی کے آخری عشرے میں بھوپال کو خیر باد کہہ کر بھیکم پور آئے۔ یہاں نواب مزمل اللہ خاں کے اُستاد مقرر ہوئے، اور انھوں نے ان سے شاعری میں فیض حاصل کیا۔ سنجر نے ہندوستان کے اکثر بلاد و امصار کی خاک چھانی۔ چھوٹے چھوٹے رؤسا کی تعریف میں بڑے بڑے قصیدے لکھے۔ سنجر بڑے خوش مزاج اور لطیف طبع تھے۔ سنجر کا غزل کا دیوان طبع ہو چکا ہے مجموعہ قصائد وغیرہ بھی مطبوعہ ہے۔

شبلی نعمانی علامہ

شمس العلما محمد شبلی نعمانی ضلع اعظم گڑھ کے قصبہ بندول میں ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے نامور علمائے عصر سے علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ علی گڑھ کالج میں پروفیسر رہے ندوۃ العلماء کے سرپرست اور دار المصنفین کے بانی تھے۔ بڑے جامع کمالات انسان تھے۔ تاریخ، شعر و ادب اور انشا پردازی میں مشہور زمانہ ہیں اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ سیرت النعمان، الغزالی

موازنہ انیس و دبیر، شعر العجم، الفاروق اور سیرت النبی وغیرہ انکی مشہور تصانیف ہیں
۱۹۱۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔

شرر، کاکوروی

منشی ارتضا علی ولد حافظ عطا علی ۱۲۸۱ھ میں کاکوری میں پیدا ہوئے
علوم رسمیہ کی تحصیل شاہ علی انور قلندر سے کی۔ شاہ تقی علی قلندر کے مرید ہوئے
۱۸۸۷ء میں انگریزی میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ نواب سر مزمل اللہ خاں
رئیس بھیکم پور کے سکریٹری رہے اس کے بعد سرکاری ملازمت میں منسلک
ہو گئے۔ پہلے نائب تحصیلدار اور اس کے بعد انسپکٹر آبکاری مقرر ہوئے،
شاعری کا شوق تھا داغ، جلال اور امیر مینائی سے استفادہ کیا۔ فارسی کا کلام
سنجر طہرانی کو دکھایا، تاریخ گوئی میں خاص ملکہ تھا۔ اودھ پنچ، آزاد، مہذب
اور دیگر علمی رسائل میں مضامین لکھے تصانیف میں ارمغان اودھ، ارمغان
احباب، مضامین اڈیسن۔ ہفت گلبن، شہید جفا، تصویر عبرت، خیابان وغیرہ
طبع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں۔ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ ۱۵ ر ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ
(۲۰ ر اگست ۱۹۲۱ء) کو کاکوری میں انتقال ہوا۔

شوق، قدوائی

شیخ احمد علی ولد کاظم علی قدوائی قصبہ جگور ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے تھے
تقریباً ۱۸۵۳ء میں پیدا ہوئے انھوں نے ابتدائی تعلیم بدایوں میں پائی پھر
رام پور چلے گئے وہاں پڑھا لکھا فن شعر میں امیر مینائی کے شاگرد تھے۔
سادگی، بے تکلفی اور اعلیٰ جذبات کے علاوہ وہ اردو محاورے خوب نظم
کرتے تھے۔ انھوں نے لکھنؤ سے "آزاد" اخبار نکالا۔ اس کے بعد پرتابگڑھ
...... اور بھوپال میں ملازم رہے۔ ریاست رامپور میں بھی ملازم رہے اور

دفتر حامد اللغات میں علمی خدمات انجام دیتے رہے — ڈرامہ نویسی کا بھی شوق تھا قاسم وزہرا کے نام سے ایک ڈرامہ لکھا۔ مثنوی ترانۂ شوق اور دیوان شوق — — بھی چھپ چکا ہے، ۲۷ر اپریل ۱۹۲۵ء کو شوق قدوائی کا انتقال ہوا۔

صفی لکھنوی

سید علی نقی صفی ولد فضل حسین ۳ر جنوری ۱۸۶۲ء مطابق یکم رجب ۱۲۷۸ھ کو پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی کی مروجہ تعلیم حاصل کی فن طب حکیم باقر حسین صاحب سے باقاعدہ پڑھا۔ بقدر ضرورت انگریزی بھی پڑھی محکمہ دیوانی میں ملازم رہے ۱۹۲۲ء میں سرکاری ملازمت سے پنشن یاب ہوئے۔

جناب صفی، نیک مزاج، خلیق گوشہ نشین بزرگ تھے ان کی مثنوی تنظیم الحیات پر ہندوستانی اکیڈیمی الہ آباد نے انعام دیا۔ شیعہ کانفرنس میں خوب نظمیں پڑھتے تھے اس لئے ان کو "لسان القوم" کا خطاب، دیا گیا، دیوان طبع ہو چکا ہے۔ ۲۵ر جون ۱۹۵۰ء کو انتقال ہوا۔

ظفر علی خاں

مولانا ظفر علی خاں جنجوعہ راجپوت تھے، ۱۲۹۰ھ میں کوٹ مہرتھ (ضلع سیالکوٹ) میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ کالج سے بی۔ اے کی ڈگری لی اور نواب محسنُ الملک کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ پھر حیدرآباد (دکن) چلے گئے اور وہاں ترقی کرتے کرتے سکریٹری ہوم ڈپارٹمنٹ کے عہدے تک پہنچے۔ اور حیدرآباد سے "دکن ریویو" شائع کیا، وہاں سے تعلق منقطع ہونے کے بعد کچھ دنوں بمبئی میں تجارت کی پھر لاہور سے اپنے والد کے اخبار زمیندار کو جاری کیا اور اسے بہت ترقی دی یہاں تک کہ بابائے صحافت کے معزز لقب سے سرفراز ہوئے، مولانا ظفر علی خاں کی زندگی کا بیشتر حصہ سیاسیات میں گزرا۔ وہ مشہور شاعر، زبردست

مقرر، بلا کے انشا پرداز اور نامور صحافی تھے ان کا مجموعہ کلام بہارستان، نگارستان اور چمنستان کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ الفاروق (شبلی) کا انگریزی میں ترجمہ کیا ۲۸ر نومبر ۱۹۵۶ء کو ظفر علی خاں کا انتقال ہوا اور اپنے آبائی گاؤں کرم آباد میں دفن ہوئے۔

غلام بشیر

بدایوں کے ایک قدیم خاندان کے رکن تھے ابتدائی تعلیم گھر پر پائی بعدازاں فارسی و عربی کی مروجہ تعلیم حاصل کی۔ کچھ دنوں ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ کالج میں بھی پڑھا، ابتدا میں درس و تدریس کا مشغلہ رہا —— مرنجان مرنج بزرگ تھے۔ قومی کاموں میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ شعروشاعری کا ذوق تھا ۱۹۴۳ء میں انتقال ہوا۔

قلیچ بیگ مرزا

سندھ کے نامور مصنف، مورخ اور شاعر تھے، تعلیم حاصل کرنے کے بعد سرکاری ملازمت میں منسلک ہو گئے۔ ڈپٹی کلکٹری سے رٹائر ہوئے، تاریخ و ادب کا بڑا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ سندھ کے تاریخی ادب پر بڑی گہری نظر تھی۔ دو جلدوں میں سندھ کی تاریخ لکھی جو نہایت مستند مآخذ پر مبنی ہے۔ قومی کاموں سے بھی ان کو دلچسپی تھی۔ سندھی زبان میں بھی ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ فارسی اور سندھی زبان میں شعر کہتے تھے مرزا قلیچ بیگ کا ۱۹۲۹ء میں انتقال ہوا۔

قمر بدایونی

منشی قمر الحسن ولد محسن علی بدایوں کے حمیدی خاندان کے چشم و چراغ تھے ۴ر صفر ۱۲۹۳ھ (یکم مارچ ۱۸۷۶ء) کو پیدا ہوئے۔ اردو و فارسی کی

مروّجہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہائی اسکول بدایوں میں داخل ہوئے مگر تعلیم مکمل نہ کرسکے۔ پھر مطالعہ کو اپنا رفیق بنایا، شعروشاعری میں مولانا عبدالرحمٰن راسخ دہلوی سے تلمّذ تھا۔ مضمون نگاری، شعروشاعری، مقامی و بیرونی مشاعروں میں شرکت اور تلامذہ کے کلام پر اصلاح، ان کے محبوب مشاغل تھے، ۱۹۰۶ء میں انڈین پنچ کی ایڈیٹری کے فرائض انجام دیئے رسالہ "سود مند" بدایوں اور "باتصویر اخبار" دہلی کے ادبی وصحافتی شعبوں میں کام کرتے رہے ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۹ء تک مستقلاً نظامی پریس بدایوں سے متعلق رہے اور علمی و ادبی خدمات انجام دیں۔ ۴ر جمادی الاخر ۱۳۶۰ھ یکم جولائی ۱۹۴۱ء کو ان کا انتقال ہوا۔

ان کے دو دیوان "آئینہ جذبات" اور "تصویر جذبات" اور ایک نظم "شان فاروقی" اور ایک کتاب "دلہنوں کی مجلس" طبع ہو چکی ہے تیسرا دیوان غیر مطبوعہ رہا۔ ان کے صاحبزادے محبوب الحسن ارشدی بھی شاعری کا ذوق رکھتے ہیں اور ترقی اُردو بورڈ (کراچی) سے وابستہ ہیں۔

کمال الدین خواجہ

کشمیری الاصل تھے ۱۸۷۰ء میں لاہور میں پیدا ہوئے ۱۸۹۳ء میں بی اے اور ۱۸۹۷ء میں ایل ایل بی پاس کیا۔ پہلے پشاور اور بعد ازاں لاہور میں وکالت کی ۱۹۱۲ء تک لاہور میں قیام رہا۔ مسلم یونیورسٹی کی تحریک میں نمایاں حصہ لیا، پنجاب اور سندھ کے دورے کئے جب قادیانی جماعت دو حصوں میں تقسیم ہوئی تو یہ لاہوری پارٹی سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۱۲ء میں انگلستان چلے گئے اور اپنے مسلک کی تبلیغ کی ایک انگریزی رسالہ بنام اسلامک ریویو اور مسلم انڈیا، جاری کیا۔ ووکنگ مشن لندن کے بانی تھے۔ مسجد ووکنگ لندن سے

چند میل کے فاصلے پر نواب شاہجہان بیگم والیۂ بھوپال نے بنوائی جس کی توسیع نواب سلطان جہاں بیگم نے ۱۹۲۵ء میں فرمائی۔ ۲۸ر دسمبر ۱۹۳۲ء کو خواجہ کمال الدین کا لاہور میں انتقال ہوا۔ انھوں نے اپنے مسلک کے متعلق انگریزی اور اُردو زبان میں بہت سی کتابیں لکھیں۔

سید محمود

نامور باپ سر سید احمد خاں کے نامور فرزند ہیں ۲۴ر مئی ۱۸۵۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے اپریل ۱۸۶۹ء میں بیرسٹری کی تعلیم کے لئے لندن گئے۔ ۱۸۷۲ء میں بیرسٹری پاس کرکے لندن سے واپس آئے۔ ۱۸۸۰ء میں سر سالار جنگ نے حیدرآباد (دکن) بلایا دو ہزار روپے ماہوار تنخواہ مقرر کی چند ماہ رہ کر وہاں سے چلے آئے پھر بریلی وغیرہ میں جج مقرر ہوئے۔ اسکے بعد ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ عربی و فارسی میں بھی اعلیٰ دسترس رکھتے تھے نہایت لائق اور باکمال شخص تھے بلا کی قوت حافظہ تھی، سر سید احمد خاں کے علمی و تعلیمی کام کو آگے بڑھایا اور اس میں معین و مددگار رہے۔ شرح قانون شہادت ان کی مشہور کتاب ہے ۸ر مئی ۱۹۰۳ء کو سید محمود کا انتقال ہوا۔

مزمل اللہ خاں

نواب سر مزمل اللہ خاں ۱۸۶۴ء میں اپنے آبائی قلعہ بھیکم پور میں پیدا ہوئے عربی و فارسی کی مروجہ تعلیم حاصل کی انگریزی زبان میں بھی تحریر و تقریر کا ملکہ رکھتے تھے۔ پشتو سے بھی کسی قدر واقف تھے۔ شعر و شاعری کا ذوق تھا فارسی میں ایرانی شاعر کمال الدین سنجر سے اور اُردو میں داغ مرحوم سے تلمذ تھا۔

علی گڑھ تحریک اور مسلم یونیورسٹی سے ہمیشہ گہرا تعلق رہا۔ کچھ عرصے مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور ریکٹر بھی رہے۔ ان کی فیاضی اور سخاوت

سے بہت ادارے فیض یاب ہوئے ۔ پبلک اور گورنمنٹ میں بڑا اعزاز تھا ۱۹۳۸ء میں انتقال ہوا۔ ان کا مجموعہ کلام "درج لولوئے فصاحت" کے نام سے مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی مرحوم نے طبع کرا دیا تھا۔

ناظرؔ

چودھری خوشی محمد ولد چودھری مولا داد خاں ۱۸۷۲ء مطابق ۱۲۸۹ھ میں موضع ہریا والا ضلع گجرات (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ ۱۸۹۳ء میں علی گڑھ کالج سے بی۔ اے کی ڈگری لی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر چودھری صاحب کشمیر میں گورنر مقرر ہو گئے۔ ایک عرصے تک اس عہدے پر سرفراز رہے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد چک جھمرہ ضلع لائلپور میں اقامت گزیں ہو گئے اور اپنی زندگی کا آخری زمانہ قومی، ملی اور ادبی خدمات میں صرف کر دیا۔ اکتوبر ۱۹۴۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔

چودھری صاحب کو بچپن ہی سے شعر و سخن سے ذوق تھا۔ ابتدا میں فارسی میں مشق سخن کرتے تھے پھر اردو میں شعر کہنے لگے۔ صوبہ پنجاب میں خوشی محمد ناظرؔ علی گڑھ تحریک کے نمائندے تھے اور حالیؔ کے پیرو تھے۔ ان کی ایک نظم جوگی بہت مشہور ہے۔

نثار حسین

میر نثار حسین، مارہروی کہنے کو تو یہ ہنر کے ڈپٹی تھے۔ لیکن انہیں مسلمانوں کے تعلیمی اور سماجی معاملات سے گہری دلچسپی تھی۔ علی گڑھ تحریک کو آگے بڑھانے میں ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں، مولوی سید طفیل احمد اور خان بہادر مولوی بشیر الدین (اٹاوہ) اور خان بہادر حبیب اللہ مرحوم کے دوستوں میں سے تھے۔ دوستوں کا یہ گروپ آپس میں ایک

دوسرے کو "مائی لارڈ" سے مخاطب کرتا تھا۔ یہ مائی لارڈ" کہلاتے تھے۔ نیک، پابند صوم وصلوٰۃ اور نہایت آزاد خیال تھے۔

ان کے صاحبزادے وقار حسین محکمہ پولیس میں ملازم تھے ان کے اور مولانا محمد علی مرحوم کے گہرے مراسم تھے۔ ان کی دوستی مصلحت سے بے نیاز تھی۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ ان کو ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑا۔

ڈپٹی نثار حسین کو مسلمانوں کی اصلاح کا ہمیشہ خیال رہتا تھا۔ حقّے اور پان سے انھیں سخت نفرت تھی وہ فرمایا کرتے تھے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ اپنا روپیہ دھوئیں کے ذریعے کیوں اُڑاتے ہیں اور پان کھاکر کیوں تھوک دیتے ہیں۔

نذیر احمد

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، قصبہ ریہڑ متصل قصبہ شیرکوٹ (ضلع بجنور) میں ۱۸۳۶ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے والد حافظ سعادت علی سے حاصل کی پھر دہلی میں تحصیل علم کی غرض سے پہنچے، دہلی کالج سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اعلیٰ سرکاری مناصب پر فائز رہے آخر میں حیدرآباد دکن میں محکمہ مال سے وابستہ ہو گئے تھے بڑے عالم، فاضل، مصنف اور ادیب تھے زندگی بھر تصنیف و تالیف کا مشغلہ رہا شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا۔ قرآن کریم کا اُردو ترجمہ کیا، اُردو میں ناول نگاری کی ابتدا کی علی گڑھ تحریک کے سرگرم رُکن تھے ۳ رمئی ۱۹۱۲ء کو ان کا انتقال ہوا۔ گورنمنٹ سے شمس العلماء کا خطاب پایا۔ ان کی تصانیف اُردو ادب کا بہترین سرمایہ ہیں۔

نظامی بدایونی

مولوی نظام الدین حسین ولد شیخ فخر الدین، بدایوں کے متولی خاندان کے

رکن تھے ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے اُردو فارسی کی مروّجہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد انٹرنس پاس کیا اور رجسٹریشن کے محکمہ میں ملازم ہو گئے۔ جلد ہی استعفےٰ دے دیا اور ایک ہفتہ وار اخبار ذوالقرنین نکالا۔ نظامی پریس قائم کیا۔ انھوں نے اپنے اخبار اور پریس کے ذریعے اُردو زبان و ادب کی خوب خدمت کی کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا علی گڑھ تحریک اور ایجوکیشنل کانفرنس سے وابستہ رہے ۸ر جون ۱۹۴۷ء کو انتقال ہوا۔

نیرنگ

سیّد غلام بھیک نیرنگ ستمبر ۱۸۷۶ء میں موضع دورانہ ضلع انبالہ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انبالہ سے میٹرک اور لاہور سے بی۔ اے پاس کیا۔ ایل۔ ایل۔ بی پاس کرنے کے بعد وکالت شروع کر دی ۱۹۲۰ء میں سیاسی زندگی کا آغاز ہوا اور انھوں نے تحریک خلافت میں غیر معمولی حصہ لیا۔ مختلف قومی اداروں سے وابستہ رہے۔ مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے اکتوبر ۱۹۵۲ء میں ان کا انتقال ہوا۔ جب آریوں نے شدھی اور سنگھٹن کا ہنگامہ برپا کیا تو انھوں نے انبالہ میں انجمن تبلیغ الاسلام قائم کی بعد کو یہ تحریک ہندگیر ہو گئی۔

وحشت

رضا علی وحشت، کلکتہ میں ۱۸ر نومبر ۱۸۸۱ء کو پیدا ہوئے اردو فارسی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انگریزی بھی پڑھی۔ نوجوانی میں شعر و شاعری کی طرف طبیعت مائل ہو گئی۔ مولوی ابوالقاسم محمد شمس ولد عبدالغفور نسّاخ سے تلمذ ہے۔ شعبہ تعلیم سے منسلک رہے گورنمنٹ اسلامیہ کالج کلکتہ میں پروفیسر تھے ۱۹۳۶ء میں پنشن یاب ہوئے۔ ۱۹۳۱ء میں خان بہادر کا خطاب ملا۔ بقول مولانا شبلی

وحشت کے کلام میں جدت، ندرت اور پختگی ہے وحشت کا پہلا مجموعہ دیوانِ وحشت، کے نام سے ۱۹۱۰ء میں اور کلیات ترانۂ وحشت، کے نام سے ۱۹۵۰ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۳۷۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

مآخذ

۱۔ المشاہیر، محمد ایوب قادری (قلمی)

۲۔ انتخاب زریں — مسرراس مسعود — بدایوں — ۱۹۴۱ء

۳۔ تاریخ ادب اُردو (رام بابو سکسینہ) مرزا عسکری — لکھنؤ — ۱۹۱۹ء

۴۔ تاریخ شاہجہاں پور — مسیح الدین خلیل میاں — لکھنؤ — ۱۹۳۲ء

۵۔ تذکرہ شعرائے بھوپال — ممتاز علی — بھوپال — ۱۸۸۹ء

۶۔ تذکرہ شعرائے متغزلین — شیخ اسمٰعیل پانی پتی — لاہور — ۱۹۵۶ء

۷۔ تذکرہ سید محمود — محمد امین زبیری — مطبوعہ اٹاوہ

۸۔ تذکرہ مشاہیر کاکوری — محمد علی حیدر — لکھنؤ — ۱۹۲۷ء

۹۔ جدید شعرائے اُردو — (ڈاکٹر عبدالوحید) — فیروز سنز لاہور

۱۰۔ چند ہم عصر — مولوی عبدالحق — کراچی — ۱۹۵۳ء

۱۱۔ حالی کا ذہنی ارتقاء — ڈاکٹر غلام مصطفیٰ — کراچی — ۱۹۵۶ء

۱۲۔ حیاتِ شبلی — سید سلیمان ندوی — اعظم گڑھ — ۱۹۴۶ء

۱۳۔ حیاتِ نذیر — افتخار عالم مارہروی — دہلی — ۱۹۱۲ء

۱۴۔ خم خانہ جاوید (جلد اوّل) — لالہ سری رام — دہلی — ۱۹۰۸ء

۱۵۔ خم خانہ جاوید (جلد دوم) — لالہ سری رام — دہلی — ۱۹۱۱ء

۱۶۔ درج لولوئے فصاحت — مزمل اللہ خاں (مرتبہ محمد مقتدی خاں شروانی) — علی گڑھ ۱۹۵۶ء

۱۷۔ دیوان برشتہ (قلمی) — افضل حسین برشتہ — (مملوکہ محمد ایوب قادری)

۱۸۔ رضا علی وحشت — اظہر قادری — کراچی — ۱۹۲۷ء

۱۹۔ سلیم (وحیدالدین) محمد امیر حیدرآباد دکن ۱۹۲۷ء

۲۰۔ شاعر آگرہ اگست ۱۹۴۱ء

۲۱۔ شروانی نامہ عباس خاں شروانی علی گڑھ ۱۹۵۳ء

۲۲۔ شعلۂ حیات (بھوپال) اردو نمبر یکم اکتوبر ۱۹۶۴ء

۲۳۔ عظمت رفتہ ضیاء الدین برنی کراچی ۱۹۶۱ء

۲۴۔ فضل حق آزاد بحیثیت نظم نگار علی حیدر نیر پٹنہ ۱۹۶۴ء

۲۵۔ قاموس المشاہیر (۲ جلد) نظامی بدایونی بدایوں ۱۹۲۴ء

۲۶۔ کنز التاریخ رضی الدین بسمل بدایوں ۱۹۰۷ء

۲۷۔ ماثر الاجداد منظور الحق لاہور ۱۹۶۴ء

۲۸۔ مختصر تاریخ زبانِ اردو غلام حسین کراچی ۱۹۵۲ء

۲۹۔ مولانا ظفر علی خاں شورش کاشمیری لاہور ۱۹۵۷ء

۳۰۔ نظامی بدایونی محمد احمد کاظمی بدایوں ۱۹۴۹ء

۳۱۔ نقوش (شخصیات نمبر ا) لاہور جنوری ۱۹۵۵ء

۳۲۔ نقوش (شخصیات نمبر ۲) لاہور اکتوبر ۱۹۵۶ء

۳۳۔ یادِ رفتگاں سید سلیمان ندوی کراچی ۱۹۵۵ء

۳۴۔ خطبات عالیہ حصہ اوّل مرتبہ انوار احمد زبیری علی گڑھ ۱۹۲۷ء

۳۵۔ خطبات عالیہ حصہ دوم " انوار احمد زبیری علی گڑھ ۱۹۲۸ء

۳۶۔ خطبات عالیہ حصہ سوم " انوار احمد زبیری علی گڑھ ۱۹۲۸ء

۳۷۔ مرقع کانفرنس " انوار احمد زبیری علی گڑھ ۱۹۳۶ء

نوٹ:۔ اس کے علاوہ متعلقہ اجلاسوں کی تمام مطبوعہ رپورٹیں بھی پیش نظر رہیں

کانفرنس کے اجلاس

اجلاس		صدر	سنہ	مقام
اجلاس اول	زیر صدارت	مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب بہادر سی، ایم، جی	سنہ ۱۸۸۶ء	علیگڑھ
اجلاس دوم	" "	منشی محمد امتیاز علیخاں صاحب وکیل و رئیس کاکوری ضلع لکھنؤ	سنہ ۱۸۸۷ء	لکھنؤ
اجلاس سوم	" "	سردار محمد حیات خاں صاحب سی۔ ایس۔ آئی	سنہ ۱۸۸۸ء	لاہور
اجلاس چہارم	" "	" " " " "	سنہ ۱۸۸۹ء	علیگڑھ
اجلاس پنجم	" "	" " " " "	سنہ ۱۸۹۰ء	الہ آباد
اجلاس ششم	" "	نواب محمد اسحٰق خاں صاحب۔ سی۔ ایس	سنہ ۱۸۹۱ء	علی گڑھ
اجلاس ہفتم	" "	مولوی محمد حشمت اللہ صاحب ایم، اے۔ سی، ایس	سنہ ۱۸۹۲ء	دہلی
اجلاس ہشتم	" "	نواب محسن الدولہ محسن الملک سید مہدی علی خاں صاحب بہادر	سنہ ۱۸۹۳ء	علی گڑھ
اجلاس نہم	" "	مسٹر جسٹس محمد شاہ دین بیرسٹرایٹ لا، لاہور	سنہ ۱۸۹۴ء	"
اجلاس دہم	" "	نواب محسن الدولہ محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں بہادر	سنہ ۱۸۹۵ء	شاہجہانپور
اجلاس یازدہم	" "	نواب عماد الملک مولوی سید حسین صاحب بلگرامی	سنہ ۱۸۹۶ء	میرٹھ
اجلاس دوازدہم	" "	نواب فتح علی خاں صاحب قزلباش رئیس لاہور	سنہ ۱۸۹۸ء	لاہور
اجلاس سیزدہم	" "	آنریبل جسٹس سید امیر علی صاحب سی۔ آئی۔ ای	سنہ ۱۸۹۹ء	کلکتہ
اجلاس چاردہم	" "	نواب عماد الملک بہادر مولوی سید حسین صاحب بلگرامی	سنہ ۱۹۰۰ء	ریاست رامپور
اجلاس پانزدہم	" "	آنریبل جسٹس باڈم صاحب جج ہائیکورٹ مدراس	سنہ ۱۹۰۱ء	مدراس
اجلاس شانزدہم	" "	ہز ہائی نس سر آغا خاں بالقابہ	سنہ ۱۹۰۲ء	دہلی
اجلاس ہفدہم	" "	آنریبل جسٹس بدرالدین طیب جی جج ہائی کورٹ بمبئی	سنہ ۱۹۰۳ء	بمبئی
اجلاس ہژدہم	" "	مسٹر تھیوڈور ماریسن پرنسپل مدرستہ العلوم علی گڑھ	سنہ ۱۹۰۴ء	لکھنؤ

اجلاس نوزدہم زیر صدارت خان بہادر مشیر الدولہ خلیفہ محمد حسین جناب وزیر ریاست پٹیالہ ۱۹۰۵ء علی گڑھ

اجلاس بستم " " آنریبل جسٹس سید شرف الدین صاحب جج ہائی کورٹ کلکتہ ۱۹۰۶ء ڈھاکہ

اجلاس بست و یکم " " شمس العلماء خواجہ الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی ۱۹۰۷ء کراچی

اجلاس بست و دوم " " آنریبل سردار خواجہ سلیم اللہ بہادر رئیس ڈھاکہ ۱۹۰۸ء امرتسر

اجلاس بست و سوم " " مہاراجہ علی محمد خاں صاحب بہادر کے۔سی۔آئی۔ایس تعلقدار محمود آباد ۱۹۰۹ء رنگون

اجلاس بست و چہارم " " مسٹر عبداللہ ابن یوسف علی ایم اے، ایل ایل ایم بیرسٹر ایٹ لا آئی۔سی۔ایس۔ڈپٹی کمشنر سلطان پور ۱۹۱۰ء ناگپور

اجلاس بست و پنجم " " عماد الملک بہادر مولوی سید حسین صاحب بلگرامی سی آئی۔ای ۱۹۱۱ء دہلی

اجلاس بست و ششم " " میجر سید حسن صاحب بلگرامی ۱۹۱۲ء لکھنؤ

اجلاس بست و ہفتم " " آنریبل جسٹس شاہ دین صاحب بیرسٹر ایٹ لا جج ہائیکورٹ ۱۹۱۳ء آگرہ

اجلاس بست و ہشتم " " خان بہادر مولوی رحیم بخش صاحب سی، آئی، ای۔ پریسیڈنٹ کونسل بہاولپور اسٹیٹ ۱۹۱۴ء راولپنڈی

اجلاس بست و نہم " " آنریبل جسٹس عبدالرحیم جج ہائی کورٹ مدراس ۱۹۱۵ء پونا

اجلاس سی ام " " آنریبل خان بہادر میاں سر محمد شفیع صاحب سی۔آئی۔ای بیرسٹر ایٹ لا، لاہور ۱۹۱۶ء علی گڑھ

اجلاس سی و یکم " " مسٹر محمد اکبر نذر علی حیدری (نواب سر حیدر نواز جنگ) ۱۹۱۷ء کلکتہ

اجلاس سی و دوم " " آنریبل سر ابراہیم رحمت اللہ کے۔ٹی۔سی۔آئی۔ای ۱۹۱۸ء سورت

اجلاس سی و سوم " " سر مولوی رحیم بخش پریسیڈنٹ کونسل بہاولپور ۱۹۱۹ء خیرپور اسٹیٹ

اجلاس سی و چہارم " " آنریبل خان بہادر ابراہیم ہارون جعفر صاحب رئیس پونا ۱۹۲۰ء امراؤتی (برار)

اجلاس	صدارت	سنہ و مقام
اجلاس سی و پنجم	زیر صدارت میاں سر فضل حسین صاحب وزیر تعلیمات پنجاب	سنہ ۱۹۲۲ء علی گڑھ
اجلاس سی و ششم 〃	〃 آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی	سنہ ۱۹۲۳ء 〃
اجلاس سی و ہفتم 〃	〃 آنریبل سر ابراہیم رحمت اللہ (آف بمبئی)	سنہ ۱۹۲۴ء بمبئی
اجلاس سی و ہشتم 〃	〃 نواب سر عبدالقیوم صاحب خان بہادر (پشاور)	سنہ ۱۹۲۵ء علی گڑھ
اجلاس سی و نہم 〃	〃 آنریبل سر عبدالرحیم صاحب سابق جج ہائی کورٹ مدراس	سنہ ۱۹۲۶ء دہلی
اجلاس چہلم 〃	〃 سر شیخ عبدالقادر صاحب (لاہور)	سنہ ۱۹۲۷ء مدراس
اجلاس چہل و یکم 〃	〃 سر شاہ محمد سلیمان صاحب جج ہائیکورٹ الہ آباد	سنہ ۱۹۲۸ء اجمیر
اجلاس چہل و دوم 〃	〃 ڈاکٹر سید راس مسعود صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی	سنہ ۱۹۳۰ء بنارس
اجلاس چہل و سوم 〃	〃 سر سید رضا علی صاحب سی۔ پی۔ ای	سنہ ۱۹۳۱ء رہتک
اجلاس چہل و چہارم 〃	〃 لفٹیننٹ کرنل مقبول حسین صاحب قریشی ایم۔ اے، ایل بی (علیگ) وزیر تعلیمات بہاولپور اسٹیٹ	سنہ ۱۹۳۲ء لاہور
اجلاس چہل و پنجم 〃	〃 آنریبل جسٹس سر عبدالقادر صاحب	سنہ ۱۹۳۴ء میرٹھ
اجلاس چہلم و ششم 〃	〃 ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب	سنہ ۱۹۳۵ء آگرہ
اجلاس چہل و ہفتم 〃	〃 ہز ہائی نس سر آغا خاں صاحب بالقابہ	سنہ ۱۹۳۶ء رامپور اسٹیٹ
اجلاس چہل و ہشتم 〃	〃 زیر صدارت نواب سی عبدالحکیم صاحب (مدراس)	سنہ ۱۹۳۷ء علی گڑھ
اجلاس چہل و نہم 〃	〃 مولوی فضل الحق صاحب شیر بنگال	سنہ ۱۹۳۸ء پٹنہ
اجلاس پنجاہم 〃	〃 نواب کمال یار جنگ بہادر (آف حیدر آباد)	سنہ ۱۹۳۹ء کلکتہ
اجلاس پنجاہ و یکم 〃	〃 مولوی فضل الحق صاحب	سنہ ۱۹۴۰ء پونا
اجلاس پنجاہ و دوم 〃	〃 نواب ظہیر یار جنگ بہادر (آف حیدر آباد دکن)	سنہ ۱۹۴۳ء علی گڑھ
اجلاس پنجاہ و سوم 〃	〃 سر عزیز الحق صاحب (کلکتہ)	سنہ ۱۹۴۴ء جبلپور
اجلاس پنجاہ و چہارم 〃	〃 شہید ملت نواب زادہ خان لیاقت علی خان صاحب	سنہ ۱۹۴۵ء آگرہ

اجلاس پنجاہ و پنجم زیر صدارت مرزا ممتاز حسن صاحب قبلاً سابق وزیر اعظم ریاست خیرپور ۱۹۵۲ء کراچی
اجلاس پنجاہ و ششم " " مسٹر فضل الرحمان مرکزی وزیر تعلیم و تجارت ۱۹۵۴ء کراچی
اجلاس پنجاہ و ہفتم " " پروفیسر ابوبکر احمد حلیم صاحب وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی ۱۹۵۶ء کراچی

مطبوعات کانفرنس اکیڈمی

سعیدہ منزل سرسید گرلز کالج، بی روڈ۔ ناظم آباد، کراچی ۱۸

(۱) **گلشن بے خار** :- مصنفہ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ، ترجمہ مع حواشی و تعلیقات از سید احسان الحق فاروقی ایم اے — 12/-

(۲) **مشرقی و مغربی تہذیب** :- مصنفہ ڈاکٹر احسان محمد خاں ایم اے، پی، ایچ، ڈی — 5/-

(۳) **ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں** :- مؤلفہ علامہ سلیمان ندوی مرحوم — 2/50

(۴) **مسلم خواتین کی تعلیم** :- مؤلفہ مولوی محمد امین زبیری مرحوم — 2/-

(۵) **مسلمانوں کا نظام تعلیم** :- مؤلفہ پروفیسر سعید احمد۔ رفیق ایم، اے — 3/-

(۶) **اُردو زبان اور اسالیب** :- تصنیف سید محمد محمود رضوی مخمور اکبرآبادی مقدمہ ڈاکٹر ممتاز حسن صاحب — 9/-

(۷) **خط و خطاطی** :- مصنفہ شیخ ممتاز حسین جونپوری و محمد ایوب قادری ایم اے، مقدمہ جناب ڈاکٹر زبید احمد ایم اے۔ پی، ایچ، ڈی — 1/50

(۸) **چند عظیم علمائے جراثیم** :- انگریزی تصنیف مائیکروب ہنٹرز کا اُردو ترجمہ از پروفیسر عبدالمجید قریشی — 10/-

(۹) **تعلیمی نفسیات کا بنیادی خاکہ** :- از پروفیسر وحید الحق صدیقی سابق پرنسپل ٹریننگ کالج علی گڑھ و سید منیر الدین احمد ایڈوکیٹ — 3/50

(۱۰) **رومن رسم الخط اور پاکستان** :- مصنفہ مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی — 0/50

(۱۱) **قدیم شہنشاہیاں** :- مصنفہ مولانا سید طفیل احمد منگلوری (علیگ) — 3/-

(۱۲) **جان ڈوی کا فلسفہ تعلیم** :- ڈاکٹر روتھ اسپنس آرنٹ کی تالیف، جان ڈیویز فلاسفی آف ایجوکیشن، کا اُردو ترجمہ از سید عین الدین علوی ایم اے — 2/50

(۱۳) اصول واساس تعلیم :- سر پرسی نن کی عالمانہ تصنیف "ایجوکیشن اِٹس ڈیٹا اینڈ فرسٹ پرنسپلس" کا اُردو ترجمہ از انعام عظیم برنی و اخلاص حسین ایم اے و محمد حسین زبیری ایم اے و سید بدر الحسن اور سید اظہر حسین رضوی ایم۔ اے 7/-

(۱۴) اُصولِ تدریس :- رائبرن اور فورج کی کتاب "پرنسپلس آف ٹیچنگ" کا اردو ترجمہ از اخلاص حسین ایم اے 5/-

(۱۵) طالب علم کی ڈائری :- مقدمہ ڈاکٹر عزت حسین زبیری 3/-

(۱۶) مقاصد تعلیم :- اے۔ این وہائٹ ہیڈ کی تصنیف "ایمس آف ایجوکیشن" کا اُردو ترجمہ از سید محمد تقی سابق ایڈیٹر روزنامہ "جنگ" کراچی 6/-

(۱۷) ارتقائے انسانی :- (جدید سائنس کی روشنی میں) مولفہ سید طفیل احمد منگلوری (علیگ) 2/-

(۱۸) جمہوریت اور تعلیم :- (حصہ اول) جان ڈیوی کی تصنیف "ڈیماکریسی اینڈ ایجوکیشن" کا اردو ترجمہ از سید محمد تقی سابق ایڈیٹر روزنامہ "جنگ" کراچی 10/-

(۱۹) جمہوریت اور تعلیم : (حصہ دوم) : جان ڈیوی کی تصنیف "ڈیماکریسی اینڈ ایجوکیشن" کا اُردو ترجمہ از سید محمد تقی سابق ایڈیٹر روزنامہ "جنگ" کراچی 5/-

(۲۰) مشاہیر کے تعلیمی نظریئے :- مولوی محمد حسین خاں زبیری ایم اے (علیگ) 4/-

مشاہیر کے تعلیمی نظریئے :- انگریزی ترجمہ محمد عظیم الدین خاں ایم اے و اخلاص حسین زبیری ایم اے 8/-

(۲۱) مادری زبان کی تعلیم :- مصنفہ پروفیسر یونس حسن علوی ایم۔ اے 3/-

(۲۲) ثقافت و انتشار :- میتھو آرنلڈ کی شہرۂ آفاق کتاب "کلچر اینڈ انارکی" کا اُردو ترجمہ از انعام عظیم برنی و اخلاص حسین ایم اے 6/-

(۲۳) نقد ادب :- ل احمد اکبر آبادی۔ مقدمہ از جناب مخمور اکبر آبادی

(۲۴) عظیم علمائے نفسیات :- اُردو ترجمہ "گریٹ سائیکولوجسٹس" مصنفہ ایس سارجنٹ پی ایچ ڈی۔ مترجمہ پروفیسر عبدالمجید قریشی 12/-

(۲۵) راہی اور راہ نما :- سید الطاف علی بریلوی (علیگ) 6/-

(۲۶) سرسید کا علمی کارنامہ :- قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی 2/-

(۲۷) مفکرین تعلیم :- پروفیسر ضیاء الدین احمد ایم۔اے، تعارف از پروفیسر محمد حامی الدین خاں ایم اے (علیگ) 7/-

(۲۸) عہد بنگش کی سیاسی اور ثقافتی تاریخ :- تالیف مفتی ولی اللہ فرخ آبادی حواشی و تعلیقات مسٹر محمد ایوب قادری ایم اے مترجمہ حکیم شریف الزماں اکبر آبادی 12/-

(۲۹) تعلیمی مسائل :- (پس منظر و پیش منظر) :- مصنفہ سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ) 8/-

(۳۰) نواب خان بہادر خاں شہید :- مؤلفہ سید مصطفےٰ علی بریلوی بی کام ایل ایل بی 3/-

(۳۱) ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں :- انگریزی ترجمہ از مرزا عاشق حسین ایم اے و ڈاکٹر زبید احمد ایم اے، پی ایچ ڈی۔ 7/-

(۳۲) ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں :- بنگالی ترجمہ از مولانا غلام محی الدین ایڈیٹر "آج" ڈھاکہ۔ 3/-

(۳۳) شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات :- از مولانا اعجاز الحق قدوسی تعارف از ڈاکٹر اینی شمیل پروفیسر بون یونیورسٹی۔ 10/-

(۳۴) علمائے سلف و نابینا علماء :- تصنیف نواب صدر یار جنگ ـــــ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی۔ تعلیقات و حواشی مفتی انتظام اللہ شہابی و ثناء الحق صدیقی ایم اے 9/-

(۳۵) حکیم عمر خیام :- تالیف ابوالمکارم، سلیم اللہ فہمی صاحب، مقدمہ از سید الطاف علی بریلوی 2/50

(۳۶) پاکستان کا معاشی پس منظر :- مصنفہ سیدہ انیس فاطمہ بریلوی، پیش لفظ از ڈاکٹر سید ظہیر الدین ایم، اے، ڈی لٹ 3/50

(۳۷) **علم و عمل** (جلد اوّل) :- فارسی تصنیف وقائع عبدالقادر خانی کا اُردو ترجمہ از مولوی معین الدین افضل گڑھی۔ ترتیب و حواشی از محمد ایوب قادری ایم اے، تعارف از نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی — 8/-

(۳۸) **علم و عمل** (جلد دوم) :- فارسی تصنیف وقائع عبدالقادر خانی کا اُردو ترجمہ از مولوی معین الدین افضل گڑھی۔ ترتیب و حواشی از محمد ایوب قادری ایم اے، تعارف از نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی — 8/-

(۳۹) **مقدرِ انسانی** :- لی کامٹ دو نوائے کی تصنیف "ہیومن ڈسٹنی" کا اردو ترجمہ از پروفیسر عبدالمجید قریشی ایم، اے — 8/-

(۴۰) **حیات مابعد** :- مصنفہ سید ضامن حسین نقوی گویا جہان آبادی — 3/50

(۴۱) **مکاشفاتِ کشفی** : مصنفہ خان بہادر مرزا ابو جعفر کشفی — 3/-

(۴۲) **تجدّدِ امثال** :- مصنفہ سید ضامن حسین نقوی گویا جہاں آبادی — 2/-

(۴۳) **پُر اسرار کائنات** :- سر جیمز جینس کی کتاب "مسٹریس یونیورس" کا اُردو ترجمہ از سید محمد تقی سابق ایڈیٹر روزنامہ "جنگ" کراچی — 6/-

(۴۴) **حیات حافظ رحمت خاں** : مولفہ سید الطاف علی بریلوی بی، اے (علیگ) — 10/-

(۴۵) **لائف آف حافظ رحمت خاں** :- انگریزی ترجمہ از پروفیسر محمد حامی الدین خاں ایم، اے (علیگ) مولفہ سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ) — 20/-

(۴۶) **تعلیمات حضرت شاہ مینا رح** :- الحاج مولوی خصلت حسین صابری (علیگ) — 3/-

(۴۷) **اقبال کا نظریۂ تعلیم** :- از محمد احمد صدیقی ایم، اے (علیگ) — 8/-

(۴۸) **ہند کے اسلامی عہد میں تعلیمی ترقی** :- تصنیف ڈاکٹر این، این لا، ترجمہ اخلاص حسین زبیری و سیدہ سلطان فاطمہ بلخی ایم، اے — 8/-

(۴۹) **تجزیۂ کلام غالب** :- مصنفہ مولوی سید رفیع الدین بلخی مرحوم ایڈوکیٹ — 6/-

(۵۰) **اُدب منزل بمنزل** :۔ تصنیف سیدہ انیس فاطمہ بریلوی — 6/-
مقدمہ ڈاکٹر احسن فاروقی

(۵۱) **رفقائے عظیم** :۔ میکس ایسٹ مین کی تصنیف گریٹ کمپینس کا اُردو ترجمہ از پروفیسر محمد حامی الدین خاں ایم، اے (علیگ) — 15/-

(۵۲) **تعلیم و تعلّم** :۔ مرتّبہ سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ) — 7/-

(۵۳) **انشائیے** :۔ از فضل احمد صدیقی ایم اے، مقدمہ از جناب ڈاکٹر ابو للیث صدیقی — 4/-

(۵۴) **تأثرات و مشاہدات** :۔ سیدہ انیس فاطمہ بریلوی مقدمہ انعام عظیم برنی ایم اے — 3/-

(۵۶) **حاصل مطالعہ** :۔ سید الطاف علی بریلوی، مقدمہ جناب ڈاکٹر مصطفٰے خاں ایم، اے۔ پی، ایچ ڈی، ڈی لٹ — 8/-

(۵۷) **ہسٹری آف مسلم ایجوکیشن** :۔ جلد اوّل از پروفیسر محمد حامی الدین خاں ایم اے۔ (علیگ) — 12/-

(۵۸) **مسلمانان کراچی کی تعلیم** :۔ (۱۸۴۳ء تا ۱۹۴۷ء) از سید مصطفٰے علی بریلوی بی کام۔ ایل ایل بی، مرزا علی اظہر برلاس — 5/-

(۵۹) **یادیں اور خاکے** از سیّدہ انیس فاطمہ بریلوی — 3/-

(۶۰) **تعلیم و تربیت** :۔ از ضیاء الدین برنی — 5/-

(۶۱) **تعلیم کے ابتدائی اصول** :۔ (جلد اوّل) :۔ از ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے، پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ مترجمہ مولوی سبطین احمد بدایونی — 5/-

(۶۲) **تعلیم کے ابتدائی اصول** (جلد دوم) :۔ از ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے، پی ایچ ڈی ڈی لٹ۔ مترجمہ مولوی سبطین احمد بدایونی — 5/-

(۶۳) **چند محسن چند دوست** :۔ از سید الطاف علی بریلوی (علیگ) مقدمہ ڈاکٹر ممتاز حسن — 5/-

(۶۴) سہ ماہی رسالہ العلم کراچی زیر ادارت سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)
(سالانہ چندہ 8/-

(۶۵) سہ ماہی رسالہ العلم (غالب نمبر) زیر ادارت الطاف علی بریلوی (۴۳۲ صفحات) 10/-

(۶۶) انگریزوں کی لسانی پالیسی از سید مصطفیٰ علی بریلوی بی کام ایل ایل بی 8/-
مقدمہ مرزا علی اظہر برلاس

(۶۷) بچہ کا ذہنی و نفسیاتی ارتقا :- از اخلاص حسین زبیری ایم۔ اے و
وحید الحق صدیقی سابق پرنسپل ٹریننگ کالج علی گڑھ 7/-

(۶۸) اَن کہی کہانیاں :- از سیدہ انیس فاطمہ بریلوی 2/-

(۶۹) سائنس کے کرشمے :- از مسرور احمد توقیر ایم اے۔
مقدمہ ڈاکٹر شوکت سبزواری۔ ایم اے' پی ایچ ڈی 5/-

زیرِ طبع

ہسٹری آف مسلم ایجوکیشن جلد دوم

تعلیم بالغان اور اس کی قومی اہمیت :- از مظہر الرحمٰن بچھرایونی
مقدمہ: از جناب ڈاکٹر محمود حسین

مطبوعات کانفرنس اکیڈیمی

سرسید علیہ الرحمۃ اور ان کے جانشینوں کی تعلیمی اور اصلاحی تحریک کی بنیاد ادب صالح کی تدوین و اشاعت پر رکھی گئی تھی۔ اس خصوص میں سب سے زیادہ کام ایجوکیشنل کانفرنس نے کیا۔ کانفرنس کی بنا ۱۸۸۶ء میں ڈالی گئی اور متحدہ ہندوستان میں اس کی ساٹھ سالہ زرّیں خدمات سے اہلِ ملک بخوبی واقف ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد ۱۹۵۱ء میں اس ادارہ کا احیا، کراچی میں آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے کیا گیا جس نے قیام سرسید گرلس کالج جیسی اہم خدمات کے علاوہ ایک "اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ" قائم کی ہے جس کی طرف سے سہ ماہی مجلّہ "العلم" اور بلند پایہ علمی و تعلیمی کتابیں شائع کی جارہی ہیں۔ ان مطبوعات کی اہمیت و افادیت کے بارے میں اکابرِ ملت اور جرائد کی قدر افزا آرا اور ہمت افزا تبصرے موصول ہوئے ہیں۔ چونکہ فروخت کتب کی کل آمدنی تعلیمی مقاصد میں صرف کی جاتی ہے اس لئے ہمدردِ قوم حضرات سے توقع ہے کہ وہ ان کی خریداری کر کے اپنی معارف پروری کا ثبوت دیں گے۔

سیّد الطاف علی بریلوی

سہ ماہی رسالہ

زیرِ ادارت

سید الطاف علی بریلوی بی۔ اے (علیگ)

اس رسالہ میں مملکتِ پاکستان کی تعلیمی ترقی اور ثقافتی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ مشاہیر اہلِ قلم کے لکھے ہوئے علمی اور تاریخی مضامین و مقالات شائع ہوتے ہیں۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی علمی و ادبی جدوجہد کے متعلق معلومات درج ہوتی ہیں اور عوام کی واقفیت کو وسیع تر کرنے کے لئے دلچسپ خبریں اور تبصرے ہوتے ہیں۔ چندہ آٹھ روپے سالانہ۔ کانفرنس کو کم از کم دس روپے سالانہ چندہ ممبری دینے والے حضرات کی خدمت میں رسالہ مفت پیش کیا جاتا ہے۔